

مذکرہ

علماء و مشائخ ستمصر حد

جلد اول

فقیر محمد امیر شاہ قادری

سجادہ نشین، یکتوت پشاور

عظیم پیشنگ ہاؤس چیمبر بازار پشاور

۲۹۷۹۹۲۱
۱۲۱۴۳
۷۰۱

عظیم پبلک ہاؤس خیر بازار پشاور

منظومہ اتحاد پیس بل روڈ لاہور ۱۹۷۲ء

تعداد ۱۰۰۰

قیمت ۷ روپے ۵ پیسے

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	شمار
	پیش لفظ از جناب علامہ مولانا مولوی حافظ محمد ادریس صاحب ایم۔ اے۔ عربی (گولڈ میڈلسٹ) ایم۔ اے۔ فارسی، فاضل ڈی اے بھیل، مولوی فاضل (زمینڈ میڈلسٹ) فتنی فاضل، ادیب فاضل۔ صدر شعبہ عربی (اسلامیات) پشاور یونیورسٹی۔ عرض حال از مصنف	
۱	حضرت سید علی ترمذی المعروف پیر بابا صاحب	۱
۱۶	حضرت سید عبدالوہاب صاحب المعروف انون پنجو صاحب	۲
۲۵	حضرت انوند فروزہ صاحبہ سنگھ پاری	۳
۳۹	حضرت شیخ المشائخ شیخ رحیم کار صاحب المعروف کاکا صاحب	۴
۴۶	حضرت شیخ المشائخ حاجی محمد اسماعیل غوری	۵
۴۹	ابوالبرکات سید حسن بادشاہ صاحب قادی	۶
۶۲	حضرت شیخ یحییٰ صاحب المعروف حضرت جی صاحب	۷

صفحہ	مضمون	شمار
۶۸	حافظ عبد الغفور صاحب نقشبندی	۸
۷۲	حضرت شیخ الحدیث سید شاہ محمد عوث صاحب	۹
۹۲	حضرت عوث زماں میاں محمد عمر صاحب نقشبندی	۱۰
۱۰۱	حضرت غلام محمد صاحب المعروف حضرت جی صاحب پشاوری	۱۱
۱۰۲	حضرت قطب وقت فضل احمد صاحب معصومی المعروف حضرت بیوہ صاحب	۱۲
۱۱۳	حضرت علامہ حافظ غلام جیلانی صاحب المعروف "آسیا والے میاں صاحب"	۱۳
۱۲۲	حضرت علامہ حافظ محمد احسن صاحب المعروف حافظ دراز صاحب	۱۴
۱۲۸	حضرت بحر العلوم حافظ محمد عظیم صاحب المتخلص بہ واعظ	۱۵
۱۳۹	حضرت آقا سید پیر جان صاحب	۱۶
۱۴۹	امام المجاہدین شیخ الاسلام والمسلمین حافظ عبد الغفور صاحب صوت	۱۷
۱۵۸	مولانا مولوی قاضی طلا محمد صاحب طلا پشاوری	۱۸
۱۶۲	حضرت آغا میر جانی صاحب قلندر	۱۹
۱۶۷	شیخ العلماء حضرت میاں نصیر احمد صاحب المعروف میاں صاحب قصہ نخوانی	۲۰
۱۷۲	محمدت علی اعظم صوبہ سرحد حضرت مولانا مولوی محمد ایوب صاحب	۲۱
۱۷۶	مولانا قاری حافظ میاں محمد صاحب (بجانبہ ماڑی)	۲۲
۱۸۰	سید ملک شاہ صاحب قادری نوشاہی	۲۳
۱۸۲	حضرت خواجہ عبد الرحمان صاحب چھوہروی (ہری پور ہزارہ)	۲۴
۱۹۸	حضرت آقا سید سکندر شاہ صاحب قادری پستی	۲۵

۲۰۷	حضرت فضل احمد صاحب المعروف حاجی صاحب نوشہری	۲۶
۲۱۹	خواجہ عبدالرحمن صاحب نقشبندی بہادر کلی پشاور	۲۷
۲۲۶	حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب نقشبندی ساکن کوئٹہ محسن خان پشاور	۲۸
۲۳۱	جناب فقیر خدابخش صاحب نوشاہی	۲۹
۲۳۲	مفتی سرحد مولانا عبدالحکیم صاحب	۳۰
۲۳۹	حضرت میر آغا (آغو) جان صاحب کابلی	۳۱
۲۴۶	حضرت مولانا سید حبیب شاہ صاحب	۳۲
۲۵۲	حضرت شیخ الحدیث صاحب جزاؤہ حافظ علی احمد جان صاحب	۳۳
۲۵۸	حضرت مفتی اعظم علامہ دوران مولانا عبدالرحیم صاحب پوپلزئی	۳۴
۲۶۷	حضرت قزوۃ السالکین سید شریف حسین صاحب شاکر بغدادی	۳۵
۲۷۲	حضرت مولانا سید فضل محمدانی صاحب بنوری	۳۶
۲۷۶	الحاج حضرت حافظ گل فقیر احمد صاحب قادری چشتی	۳۷
۲۸۰	حضرت استاذ الاساتذہ سید محمد ایوب شاہ صاحب جعفری	۳۸
ترجمہ		
۲۸۵	حضرت شیخ بنید پشاور	۳۹
۲۸۸	حضرت حاجی سید اکبر شاہ صاحب بخاری نقشبندی	۴۰

مآخذ

- ۱- اسرار الطریقین : حضرت شاہ محمد غوث صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ
- ۲- اسرار التصوف : (قلمی)
- ۳- انوار الشیخ فی تذکرۃ الشیخ : (قلمی) حکیم محمد حسن صاحب چوٹوی (تصویر)
- ۴- بحر الجمان : سید غلام محبوب شاہ صاحب واثوی (ہزارہ)
- ۵- تذکرۃ الابرار والاشرار : حضرت اخوند درویش صاحب نگرہاری رحمۃ اللہ علیہ
- ۶- تاریخ پشاور : لارڈ میسنگز وغیرہ
- ۷- تاریخ کشمیر اعظمی : خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب کشمیری
- ۸- تاریخ کبیر کشمیر :
- ۹- تاریخ یوسف زئی پٹھان : جناب اللہ بخش صاحب یوسفی
- ۱۰- تاریخ اقوام کشمیر : جناب محمد دین صاحب فوق
- ۱۱- تازہ نوائی معارف : آقائے عبدالحمی جمیلی
- ۱۲- تخریبات قلمی : مؤرخ کشمیر جناب مفتی سعادت
- ۱۳- تحفۃ المرشد : مرزا نظام الدین نقشبندی کابلی
- ۱۴- تذکرۃ علمائے ہند : مولوی رحمان علی صاحب
- ۱۵- حالات حضرت جی صاحب پشاور والہ : جناب عبداللہ صاحب نقشبندی

- ۱۶- حدائق الحنفیہ : مولوی فقیر محمد صاحب بھلی
- ۱۷- حدیقتہ الاولیاء : مفتی غلام سرور صاحب لاہوری
- ۱۸- خیرینتہ الاصفیاء : مفتی غلام سرور صاحب لاہوری
- ۱۹- دبستان مذاہب : مؤید
- ۲۰- رسالہ کسب سلوک : (قلمی) حضرت شاہ محمد عوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- ۲۱- رسالہ خوارق عادات سید حسن بادشاہ صاحب (قلمی) حضرت سید غلام صاحب قادیان
- ۲۲- "روحانی ترقی و ترقی" (قلمی پشتو) : عبدالحلیم صاحب اثر افغانی
- ۲۳- روزنامہ انجام پشاور
- ۲۴- سمر الامراء (قلمی) حضرت میان محمد عمر صاحب نقشبندی ممکنی رحمۃ اللہ علیہ
- ۲۵- سفرنامہ مولانا غلام جیلانی صاحب (قلمی) از حضرت موصوف
- ۲۶- سیرت سید احمد شہید - از جناب غلام رسول صاحب ہر
- ۲۷- غوثیہ شریف : (قلمی) حضرت بہاؤ الدین متو کشمیری
- ۲۸- لباب المعارف العلمیہ : فہرست کتب اسلامیہ کالج پشاور
- ۲۹- آثار الامراء :
- ۳۰- ماہنامہ طور : اپریل ۱۹۶۶ء
- ۳۱- مجموعہ صلوٰۃ الرسول : حضرت خواجہ عبدالرحمان صاحب چھوہرودی رحمۃ اللہ علیہ
- ۳۲- مصباح السالکین : جناب خان پیر بخش خان صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی
- ۳۳- مقامات قطبیہ و مقالات قدسیہ : میان عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- ۳۴- نئی تاریخ چترال : مرزا محمد غفران مرحوم مصنفہ مرزا غلام مرتضیٰ (فرزند شمس) مؤلف

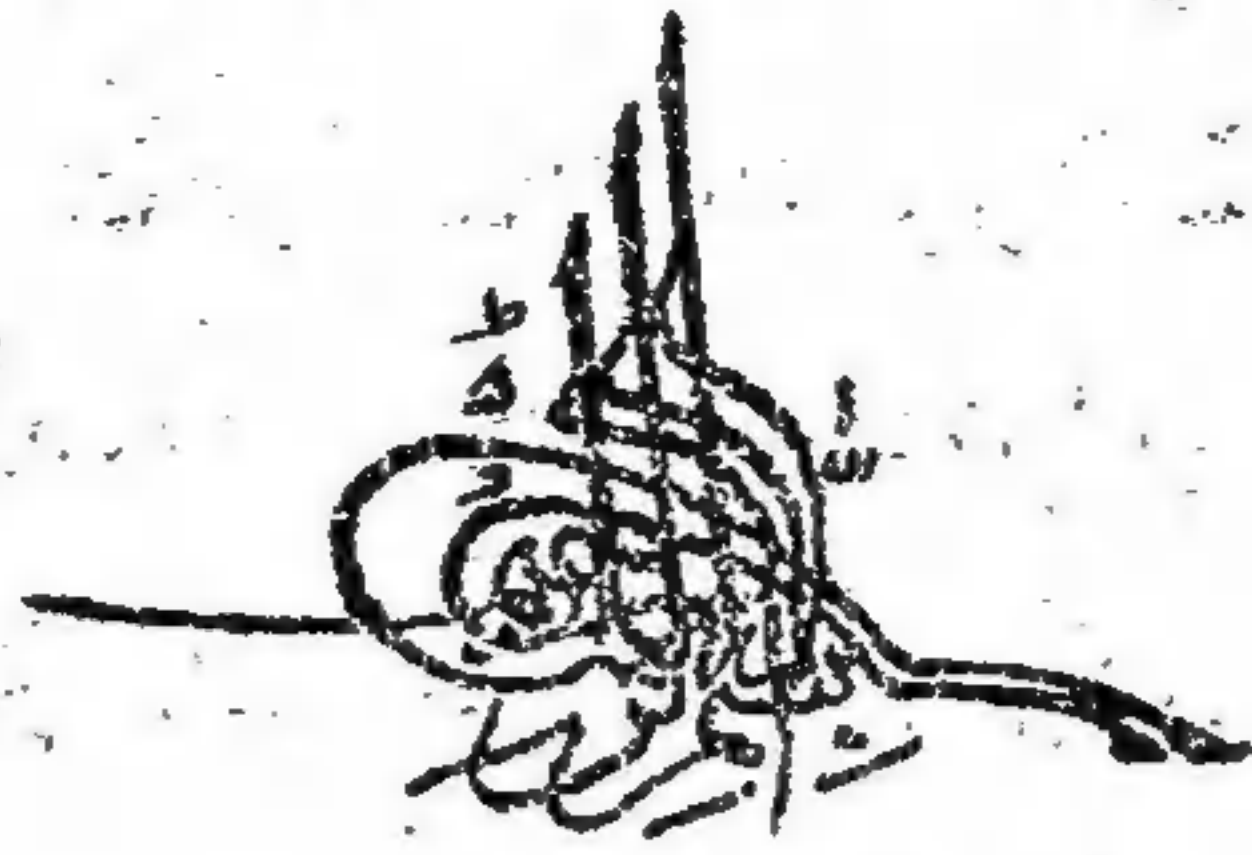
مَعْنُون

یہ فقیر پیدان اس کوشش کو اپنے مرشد ارشد والد گرامی قد
عزت مآب سید السادات حافظ آقا سید محمد زمان شا
صاحب نور اللہ مرقدہ کے نام نامی سے معنون کرتا ہے
فقیر محمد امیر قادری

دعا و سجادہ نشین

یکہ توت پشاور

الہدیٰ قعدہ ۱۳۸۳ھ



پیش لفظ

بادشاہوں کے پاس حکومت ہوتی ہے، دولت ہوتی ہے، خدم و حشم ہوتے ہیں، فوج اور سپاہ ہوتی ہے اور قوت و اقتدار کے سارے سامان ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود بسا اوقات ان کی حکومت لوگوں کی گرفتوں سے آگے نہیں بڑھنے پاتی۔ ان کی سطوت و جبروت کے سامنے بظاہر لوگوں کی گرفتیں جھکی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مگر بہت کم ایسے خوش قسمت سلاطین ہوتے ہیں جن کی حکومت گرفتوں کی حدود سے آگے بڑھ کر ان کی مملکت تک پھیل جاتی ہے اور لوگ غلوں پرست سے ان کی حکومت کو تسلیم کر لیں۔

اس کے مقابلے میں ہم ایک ایسے فقیر منش طبقہ کو جانتے ہیں جن کو ایک وقت کے کھانے کا سامان بھی ملتا نہیں ہوتا۔ وہ اپنے کمال میں مسست اور گڑھی میں گن رہتے ہیں۔ نہ نوکر نہ چاکر۔ نہ مال نہ منال۔ مگر دنیا کے بڑے بڑے اربابِ سطوت ان کے سامنے چائے سے گھبراتے ہیں۔ اور ان کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ایک لفظ اپنے حق میں نوشتہ تقدیر پھراتے ہیں۔ لوگ ان سے خود ان تاجداران اپنے تاج اور

سلاطین نے سلطنت کے سامنے پورے ششوار و خضوع کے ساتھ جھکتے ہیں۔ ان کے ہر حکم کو سہرا ٹکھنوں سے قبول کرتے ہیں اور ان کی ایک جنبش اور پیراپتی جان و مال کا متاع گزرا نہا چھا و کر دیتے ہیں۔ روحانی تاجداروں کا یہی سہرا بلند طبقہ ہے جن کا ذکر حافظ شیرازی نے نعت رسول میں یوں کیا ہے۔

غلام نرگس مست تو تاجدارانند
 خراب بادۂ لعل تو ہوشیارانند

صرف یہی نہیں کہ یہ غلامان تاجدار اور خرابان تیان ہوشیار جب تک زندہ رہتے ہیں تو لوگوں کے دلوں کو مٹھی میں تھامے رکھتے ہیں اور ان کو حسب فضا و مرضی جگہ کو چاہتے ہیں اور ہر کو موڑتے ہیں۔ نہیں، بلکہ جب ان کی ابد تک زندہ رہنے والی پاک روحیں جسم کی قید سے آزاد ہو جاتی ہیں تو ان کی حکومت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جاتا ہے۔ اور ان کے مضبوط ہاتھ قبر کے اندر سے دنیا کے رہنے والوں پر حکمرانی کرنے لگتے ہیں، لوگ دور و قریب سے ان کے مزاروں پر آ کر حاضری دیتے ہیں اور شاہی درباروں سے بڑھ کر اوب اور تعظیم سے پیش آتے ہیں معتقدین ان کے مزاروں کی خاک کو ہر آفت کا علاج اور ہر بیماری کا دوا سمجھتے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ

ہرگز نمیر و آنکہ دیش زندہ شد عشق
 ثبت است بر جریۃ عالم و اجم ما

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک فقیر بے نواس کے پاس اس قدر سرو سامان کہا سے آجاتا ہے کہ وہ سلاطین کی ہسری کرنے لگتے ہیں۔ جو شخص بظاہر نہ کسی کو جاگیر

بخش سکتا ہے نہ ملازمت دلا سکتا ہے۔ نہ کسی کو کوئی مادی منفعت پہنچا سکتا ہے وہ کیونکر انہی بے پناہ طاقت کا مالک ہو جاتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے طاقتور اس کے سامنے مات پڑ جاتے ہیں؟ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کی تحقیق و تفتیش میں ہمیں زیادہ سرگردانی کرنی پڑے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا سے کھٹ جاتے ہیں اور صرف "دنیا دالے" کے ساتھ لو لگاتے ہیں۔ جو تمام قوتوں کا مرکز اور ساری طاقتوں کا میدان ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس سعادت مند روح کو قوتِ حیات کا سرچشمہ مل گیا۔ اس کے پاس بے حساب طاقت اور بے انداز روشنی میدانِ اول سے مسلسل آتی رہے گی۔ وہ دنیا کے رنج و غم سے آزاد رہے گا۔ اور ہر محنت و ابتلا کو اپنے لئے باعثِ راحت سمجھے گا۔

الْاٰیٰتِ اَوْلِیَاۤءِ اللّٰہِ
لَا خَوْفٌ عَلَیْہُمْ وَلَا حَظَمٌ یَّعْزُبُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝
لہم البشریٰ فی الحیاة الدنیا و فی الآخِرۃ -

یہی وہ بزرگوار ہیں جنہیں قرآن مجید نے "اولیاء اللہ" کا پسندیدہ خطاب عطا فرمایا ہے۔ آج ہمارے عزیز وطن پاکستان میں اسلام کی جتنی روشنی پھیلی ہوئی ہے اور ہمارے جتنے بھائی دین کے سرفروش جانناز نظر آتے ہیں یہ سب انہی بزرگوں کی کرامت ہے، اور انہی روحانی پیشواؤں کی انتھک کوششوں کا ثمر ہے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہم!

وہ انسان کتنا خوش قسمت ہے جو اس نیک خمر قرہ کے ساتھ اپنی نسبت قائم کرے۔ ان کی بارگاہ میں حاضر ہو دیا کرے۔ ان کی جوئیاں سیدھی کیا کرے اور ان کے نور سے اپنے دل کے پیراع کو منور کرنے کی کوشش کیا کرے۔ یا کم از کم

ان کے سوانح کے مطالعہ میں مشغول رہے اور اسی طرح روحانی طور پر ان کی ہم نشینی کی سعادت حاصل کیا کرتے۔ ہم جتنی دیر تک کسی بزرگ کے حالات پڑھتے ہیں اتنی دیر تک اس کی مصاحبت و مجالست سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر روز اور ہر زمان میں نیک لوگوں کی کوشش لگتی ہے کہ وہ آسان زبان میں بزرگوں کے سوانح عوام تک پہنچائیں اور ہمارے دوست سید محمد امیر شاہ صاحب قادری کی کتاب تذکرہ علماء و مشائخ سرحد اسی سلسلہ کی ایک اہم اور بیش قیمت کڑی ہے۔

اس کتاب میں سید صاحب نے ان اولیاء اور علماء کے حالات قلمبند کئے ہیں جنہوں نے وادئی پشاور میں اسلام کی علمی یا روحانی خدمت کی ہے اور اس علاقہ میں دین کی رفتار کو اپنی وسعت اور حالات کے مطابق محفوظ اور بہت آگے بڑھایا ہے۔

پچھلے دو سو سال سے وادئی پشاور کے عظیم المرتبت دانشوروں نے ان گنت دینی تحریکوں اور سیاسی انقلابات میں نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ ان کی پشت پر ایسے اربابِ قلم موجود نہیں تھے جو ان کی قلمی تصویر تیار کر ان کو زندہ جاوید بنا دیتے۔ اس طرح بہت ساری بے مثال شخصیتیں سن گئیں اور اپنا فریضہ ادا کر کے رخصت ہو گئیں۔ زمانہ آگے بڑھ گیا اور وہ سچے رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج ان کے کارنامے تو موجود ہیں لیکن حالانکہ ناپید ہیں۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے شہیم

تو نے وہ گنہگارے گرا نما یہ کیا کئے

اس لئے ہمیں ہمسایاں اور جس جگہ سے بھی کسی بزرگ

کے بارہ میں کوئی لکھا ہوا حرف ملے وہ ہمارے لئے ”آبِ حیات“ کے برابر ہے اور ہمیں حرزِ جان بنا کر اسے محفوظ کر لینا چاہیے۔ تغافل کا وقت گزر چکا۔ اب قوم کے نشاۃ ثانیہ کا دور ہے اس لئے مولانا کی یہ خدمت ہر لحاظ سے قابلِ ستائش و لائق ہزار آفرین ہے کہ اکتھفل نے مختلف کتب خانوں کو کنگال کر ڈالا اور ان میں سے ہمارے بھولے بسرے بزدگوں کے کافی حالات جمع کئے۔ آپ کے پاس یہ کتاب ایسی حالت میں پہنچ رہی ہے کہ آپ اسے پڑھتے وقت مضمین کی دھچکپیوں اور مسائل کی افادیت میں ایسے مٹھک ہو جائیں گے کہ مصنف کو بھول جائیں گے اور اس کی محنت کی داد نہیں دے سکیں گے۔ سچی محنت کی داد ہمیشہ اسی طرح پیدا کی صورت میں ملا کرتی ہے مصنف نے پہلے جگہ جگہ سے حالات اکٹھے کئے۔ پھر اپنی ہی تشنگی کو بجھانے کے لئے گل گل گھونے۔ پڑے بوطھوں اور بڑی بوطھیوں سے ملے اور جو کچھ ہاتھ لگا اسے آسان اور شستہ زبان میں آپ کے سامنے پیش کیا۔ اور ایک فاضل مصنف بس یہی کچھ کر سکتا ہے۔ اس مجموعہ میں دو قسم کے بزرگوں کا ذکر آیا ہے۔ ایک وہ حضرات ہیں جن کے سوانح دوسری کتابوں میں مرتب ملتے ہیں۔ پیر بابا، انجمنہ ورونہ۔ حضرت حاجی صاحب اور انجمنہ صاحب صورت اس قسم کے بزرگ ہیں۔ دوسرے وہ حضرات ہیں جن کا تذکرہ دوسری کتابوں میں نہیں ملتا۔ جیسے حافظ دراز، حافظ محمد عظیم، مولانا غلام جیلانی، حاجی صاحب، رنگرنی، اس دوسرے میدان میں فاضل مصنف نے جو محنت کی ہے اسے عہدِ قدیم میں تحقیق یا اجتہاد کہتے تھے اور آج کل اسے ریسرچ کے بارعوب نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس میدان میں

مولانا نے جو محنت کی ہے۔ وہ انہی کی جواں ہمت کا حصہ ہے۔

مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ مصنف نے فرغی کرامات کی داستانیں نہیں
چھپی ہیں، بلکہ بزرگوں کے صحیح اور مستند حالات اور نئی خدمات کا نقشہ پیش کیا جس
کے لئے وہ ہمارے "مشکور" ہیں۔

کتاب کی زبان صاف اور سادہ ہے۔ مصنف جواں سال ہے۔ لیکن تحریر کا
طرز پختہ ہے اور ہر کام جسے شوق اور خلوص سے کیا جائے اس میں یہ انداز خود بخود
پیدا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو لہی بارگاہ میں قبول فرمائے اور قوم کے قلوب
کو اس کتاب کی طرف مائل کر کے اسے تمغہ و وام عطا فرمائے۔ آمین

کتابت کراچی

ایم۔ اے۔ عربی (گولڈ میڈلسٹ)

ایم۔ اے۔ فارسی

فاضل ڈابھیل

مولوی فاضل (میڈلسٹ)

مفتی فاضل - ادیب فاضل

صدر شعبہ عربی

پشاور یونیورسٹی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض حال

”تذکرہ علماء و مشائخ سرحد“ (جلد اول) قارئین کے ہاتھوں میں پہلے انشاء اللہ
جلد دوم جو ضلع پشاور، ضلع مروان، ضلع یزارہ، اور جلد سوم جو ضلع کوہاٹ، ضلع
بنوں اور ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے علماء و مشائخ کے حالات پر مشتمل ہوگی پندرہ
شائع کر دی جائے گی۔

جلد چہارم موسوم بہ ”تذکرہ حفاظ قرآن مجید پشاور“ بفضلہ تعالیٰ مکمل ہو چکی ہے۔
اس میں سنہ ۱۲۸۷ھ سے لے کر اب تک یعنی ۱۳۸۳ھ تک کے حفاظ پشاور کا ذکر ہے۔

”تذکرہ علماء و مشائخ سرحد“ لکھتے وقت یہ خیال تھا کہ یہ ایک سہل کام ہے
مگر جب لکھنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ یہ کتنا مشکل کام ہے بقول خواجہ شبیر زئی
کہ عشق آساں نمود اول و لے افتا و مشکل با
مگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اولیاء کرام کی روحانی برکات کی بدولت یہ مشکل کام مجھ جیسے
بے بصاعت سے انجام پذیر ہوا۔ فالحمد للہ علی ذالک

”تذکرہ علماء و مشائخ سرحد“ نقشِ اول ہے حرفِ آخر میں سرزمین سرحد وہ
مقدس ادبِ پیاری سرزمین ہے جس میں شریعت، طریقت، جہاد فی سبیل اللہ اور
آزادی وطن کی جہد و جہد کے وہ چشمہ چھوٹے جن سے پھر پھر پاکستان و ہند پر سبز و
سناواں ہیں۔

انہی مشائخِ کرام کے روحانی فیوض و برکات کی کطفیل پر صغیر پاک و ہند میں سلوک
طریقت کی نورانی شمعیں فروزاں ہیں، اور انہی کی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ
ہے کہ آج ہمیں یہاں اسلام اپنے حقیقی رنگ روپ میں نظر آ رہا ہے۔

انہی نفوسِ قدسیہ کی برکت ہے کہ آج جگہ جگہ ہدایت و معرفت کی خانقاہیں موجود
ہیں، اور یہی وہ ہمت و استقامت کے پیکر تھے جو سیم و زر اور دیگر دنیاوی وسائل
سے تہی دست ہونے کے باوجود قرآن، حدیث، فقہ، سلوک، طریقت، جہاد
فی سبیل اللہ اور آزادی وطن کا علم بلند کئے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔

یہی وہ الوالعزم مجاہدین تھے جنہوں نے اپنی زاہدانہ، عالمانہ اور مجاہدانہ
فضیلا باریوں سے ایک عالم کو منور کیا۔ اور لاتعداد گم گشتگانِ باویہ ضلالت کی صراط
مستقیم کی طرف راہ نمائی فرمائی، اور جب بھی کفر، الحاد، نذرتہ اور بد عقیدگی کا
بیلاب اٹھا تو دین اسلام کے ان مضبوط اور مستحکم قلعوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔
یہی وہ بزرگ شخصیتیں تھیں جن کی گروہیں اللہ جل جلالہ اور حضور رحمة اللعالمین
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی پیروی کے سوا کسی اور کے احکام کے آگے
نہ جھکیں اور انہوں نے ہمیشہ کلمہ حق کو بلند رکھا۔

بعض اولیاء کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے حالات تو اشارۃً بعض کتابوں
 ملے اور وہ بھی کرامات یا مکشوفات کے ضمن میں، مگر اکثر علماء اور مشائخ کے حالات
 فق کے لئے انتہائی تلاش، جستجو اور کاوش کئی پڑی، بالخصوص جس علماء کے
 متعلق جو ابھی تک صوبہ سرحد میں کسی نے لکھے ہی نہیں، بلکہ اس طرف تو توجہ ہی نہیں
 تو بالکل نایاب اور کم یاب تھے۔

۱۹۶۳ء میں "اباسین آرٹ سوسائٹی پشاور" نے "سزاگاہ علماء و مشائخ سرحد"
 ۱۹۶۷ء کی پمٹرین کتاب قرار دے کر اقل انعام بھی دیا۔ ذالک فضل اللہ
 ید میں یشاء۔

میں ان تمام حضرات کا جنہوں نے اس کتاب کی تکمیل اور اشاعت میں ہاتھ
 اپنے تہہ دل سے شکر یہ ادا کرتا ہوں خصوصاً حضرت علامہ مولانا مولوی حافظ
 دین صاحب صدر شعبہ عمری پشاور یونیورسٹی کا صمیم قلب سے شکر گزار ہوں
 جن نے انتہائی مصروفیات کے باوجود کتاب کو مطالعہ فرمایا اور "پیش لفظ" لکھ
 احسان مند فرمایا۔ نیز

محکمہ اطلاعات پشاور ڈائریل پبلسٹی برانچ نے حضرت پیر بابا صاحب
 سجد اور حضرت اخوند صاحب صوت کے مزار کے بلاک اور وزارت تعمیر نو
 پٹی نے حضرت اخوند صاحب پنچو (رحمہم اللہ علیہم اجمعین) کے مزار کا
 ل عنایت فرما کر کتاب کی خوب صورتی میں اضافہ کرنے کا موجب بنے۔

میں ان ہر دو محکمہ جات کے اس تعاون کا خلوص دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں

الحمد للہ کہ کتاب کاغذ کی ہوش ربا گرانی کے باوجود چھپ کر قارئین کے پہنچ چکی ہے۔ اگر اس میں کوئی غلطی یا کمی رہ گئی ہو تو درگزر فرمایا جائے۔ اور اگر متعلق مجھے مطلع کیا جائے تاکہ آئندہ تصحیح کر دی جائے

العذر عندك امر الناس مقبول
سب درگاہ عالیہ قادریہ سید حسن بادشاہ صاحب

فقیر محمد امیر شاہ قادری

یکہ نوبت پشاور

الرقی قعدہ ۸۳ ۱۳

۲۶ مارچ ۱۹۶۴ء





مسجد حضرت پیر بابا علیہ الرحمة



حضرت سید علی ترمذی المعروف پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۹۰۸ھ تا ۹۹۱ھ

آپ کا نام نامی ابراہیم گرامی جناب سید علی القاب خواص بحر حقیقت، غوث خراساں پیر بابا، اور ترمذ کے رہنے والے ہیں۔ آپ کی پیدائش "قدس" میں ہوئی، آپ کے والد کا نام سید قنبر علی تھا۔ آپ کے جدِ بزرگوار قندس سے آکر ترمذ میں آباد ہوئے۔ آپ حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

آپ کے والد گرامی سید قنبر علی رحمۃ اللہ علیہ بوجہ زہد و ریاضت، مشائختہ تقویٰ اور دمع کے اپنی نظیر آپ تھے بسلسلہ مبارکہ چونکہ پدی تھا، اس لئے مخلوقاتِ خدا، عوام اور خواص میں آپ کی بہت عزت و توقیر تھی۔ اور آپ کو امیر کے نام سے پکارا جاتا، آپ کے جد، جناب امام المسلمین سید احمد نور صاحب سجادہ متبع شدت تھے "امر بالمعروف والنہی عن المنکر" کے کرنے میں کمال انہماک رکھتے تھے، دنیا کی طرف التفات نہ رکھتے، اپنی عبادت و زہد میں مصروف رہتے اور بقول حضرت انون صاحب درویشہ "حضرت پیر بابا

صاحب ابتداء عمر میں مجذوب الحال تھے اس لئے آپ پر آپ کے دادا صاحب کی نظر کریم بہت زیادہ تھی۔ اور آپ اکثر فرماتے کہ ”یہ دیوانہ مجھے بہت پسند ہے“
حضرت پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تربیت آپ کے دادا صاحب نے فرمائی۔

”فقیر را بخدمت حضور مشرف ساختہ بودند و تحصیل علم توہیت می کردند تا آنکہ تحصیل شرح ملا را در ایام طفولیت از خدمت ایشان دریافت“
اس فقیر کو اپنے حضور میں مشرف فرما کر علم ظاہری سے آراستہ کیا۔ یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں رہ کر بچپن کی عمر میں ہی میں نے شرح ملا کو پڑھ لیا۔ چونکہ آپ کا ماحول پاکیزگی اور زہد و عبادت کا ماحول تھا اس لئے اس کا اثر آپ کی زندگی پر ضرور ہونا تھا۔ لہذا آپ بچپن ہی سے زہد و تقویٰ کے حامل تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ اس علم ظاہری کے ساتھ ساتھ

”و طریقہ زہد و ریاضت در دل من استحکام یافت“

جس وقت آپ کے دادا جناب سید احمد نور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہونے لگا آپ نے حضرت پیر بابا صاحب کو قریب بلا کر قرآن پڑھنے کا ارشاد کیا۔ آپ نے حضرت پیر بابا سے یہیں مرتبہ سورۃ ”تبارک الذی“ تلاوت کی، اور مجھے فرمایا
”اے فرزند ہر مکتے و نعمتے کہ مرالوہ، یعنی آترا از آبا و اجداد نسبا یافتہ
یوم یعنی آن را از سلسلہ تشریف کبری و پیراؤنا ہمہ را تو بخشیدم“
یعنی اے میرے بیٹے، جو برکت و نعمت مجھے حاصل تھی اگر وہ اپنے آبا و اجداد سے

لے تذکرۃ الابار والاشرار ص ۱۰۰ لے ایضاً لے تذکرۃ الابار والاشرار ص ۱۰۰

زور سے نسب کے حاصل تھی یا سلسلہ کبریٰ میں اجازت کے طور پر ان تمام نعمتوں اور
برکتوں کو میں نے مجھے بخشا، اسی لئے آپ نے فرمایا کہ
”افزون سلسلہ کبریٰ فقیرانہ نجاست۔“

یہ سلسلہ کبریٰ ہمارے خاندان میں نسلاً بعد نسل جناب شیخ جمال الدین کبریٰ سے چلا
آ رہا ہے۔

اسی اثنا میں آپ کے دادا حضرت امام المسلمین سید احمد نور یوسف صاحب کا انتقال
ہو گیا۔ ۹۳۷ھ میں جب بابر کی وفات ہوئی تو ۹۳۷ھ ۱۳ جمادی الاول میں بمقام آگرہ
ہمایوں تخت نشین ہوا جب یہ ۹۴۲ھ میں واپس کابل آیا تو جناب پیر بابا صاحب کے
والد کو بطور تبرک کے اپنے ہمراہ لے گیا۔

ہمایوں نے ہندوستان پر غلبہ حاصل کر لیا تو آپ کے والد نے آپ کو دربار میں لے
جانا چاہا۔ ایک دو بار آپ گئے بھی مگر اللہ جل جلالہ کو تو آپ کی ذات مقدس سے اپنے
دین کا کام لینا تھا۔ مخلوق خدا کی ہدایت کا سبب اور ذریعہ بنانا تھا۔ آپ خود ارشاد
فرماتے ہیں۔

”اما چون رتب جلیل در شان من آن خواستہ کہ از دنیا و اہل آل مجتنب سازند
یعنی اللہ تعالیٰ میرے لئے یہ چاہتے تھے کہ مجھے دنیا اور اہل دنیا سے بچا جائے
ایسا ہی ہوا۔ آپ جس طرح شاہانہ آداب تھے پورا نہ کرتے اور آپ کو ایسی مجالس سے
اتنی نفرت ہوتی کہ ایک بار ایسی مجلس سے واپس آتے ہی ان تمام پہناؤں کو اتار کر علماً
و صلحاً کی طرف لوٹ پڑے، اور علم کی تکمیل کرنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ تکمیل علوم کر لی تکمیل

علوم کے بعد روحانی فیوض و برکات کے حصول کے لئے آپ پانی پیت میں حضرت شاہ شرف الدین قلندر کے مزار پر حاضر ہوئے، اور فیض باطنی سے حضرت شرف الدین قلندر نے آپ کو نوازا۔ آپ فرماتے ہیں۔

”تو میری حضرت شیخ در دل میں تاثیر پیدا آئی، و جنبشی ہو گیا“

اس تاثیر قلبی کی کیفیت کا یہ نتیجہ نکلا کہ آپ پانی پیت سے نکل کر ایک نامعلوم گاؤں میں عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔

چونکہ آپ اکیلے بغیر کسی کو اطلاع کئے گھر سے نکلے تھے لہذا آپ کے والد کو بہت ہی پریشانی لاحق ہوئی اور بہت تلاش کے بعد آپ کو دریافت کیا۔ ان لوگوں نے جنھوں نے آپ کو پایا تھا، والد کی خدمت میں پیش کیا۔ والد نے بہت نصیحت فرمائی، مگر آپ پر کچھ اثر نہ ہوا، اور والد سے اجازت لے کر اب بالکل گھر کو چھوڑ دیا، اور تلاش حق کے لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت جاننے والوں کے لئے نکلے۔

مابک پور پہنچ کر حضرت امام المسلمین وارث علوم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کی صحبت میں تحصیل تہذیب و علم حاصل کیا۔

”تعلیم تحصیل بکتاب ہدایہ رسالہ“

گویا آپ نے دیگر علوم کے علاوہ علم فقہ حنفی کی بھی تکمیل کر لی۔ تکمیل کے بعد آپ نے ان سے مرید ہونے کی درخواست کی، مگر حضرت شیخ سیلو نے رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو حضرت سالار رومی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اجمیر شریف بھیج دیا۔ جب آپ حضرت سالار رومی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے تو آپ نے حضرت پیر بابا صاحب سے حسب و نسب اور دیگر کوائف دریافت کئے، اور آپ کو فرمایا کہ

”حصولِ طریقہ۔ وصولِ بے کیف جز بطولِ صحبتِ مُرشدِ کاملِ مُشرعِ جھمول نہ ہوئے“
 ”یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفتِ مُشرعِ مُرشدِ کامل کی طویلِ صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی“
 آپ نے نہایت ہی اخلاص و محبت کے ساتھ عرصہ دراز تک آپ کی صحبتِ بابرکت کو حاصل کیا۔ پھر حضرت سالارِ رومی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کو طریقہ چشتیہ میں خلافت عطا فرما کر ماڈوں فرمایا۔ صاحبِ اجازت ہونے کے بعد عوام و خواص آپ پر ٹوٹ پڑے۔ آپ کے اوراد و اشغال میں فرق آنے لگا، آپ نے اپنے شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس مصیبت اور بلا سے مجھے نجات دلائیے۔ جناب سالارِ رومی رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا کہ آپ کو ہستان کی طرف نکل جائیے۔ اور سلسلہ چشتیہ کو فروغ دیجئے آپ اجمیر شریف سے کشمیر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اثنائے سفر میں آپ گجرات کے ایک گاؤں پنڈواؤد میں جب پہنچے، اس گاؤں میں ایک شخص مسی کیلاکس نے آپ کو دیکھتے ہی تمام گاؤں کے لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ جس شخص کو میں نے خواب میں دیکھا تھا وہ یہی ہے۔ اس کی بیان کردہ خواب کے مطابق لوگوں نے آپ کا وہی علیہ مبارک پایا۔ لوگ آپ کے معتقد ہو گئے اور کافی سے زیادہ بیعت ہوئے۔ ان لوگوں نے آپ کو کہیں بھی جانے نہ دیا۔ چند سال آپ اس علاقہ میں سلسلہ کی اشاعت کرتے رہے۔ مخلوق کا اثر وہاں، آپ کے اوقاتِ عبادت میں خلل انداز ہوا۔ آپ نے پھر یہیں سے واپس اجمیر شریف جانے کا قصد کیا۔

واپسی پر دوبارہ راستے میں آپ کی ملاقات والدِ گرامی سے ہوئی۔ یہ ملاقات اس وقت ہوئی جبکہ شیر شاہ کے ہاتھوں ہمایوں کو شکست ہوئی اور ہمایوں نے کابل کا رخ کیا۔ اس لاقشکر میں آپ کی ملاقات والد سے ہوئی۔ آپ کے والد جناب سید قمبر علی صاحب

نے جب آپ کو ایک عرصہ کے بعد دیکھا اور ایک دوسری کیفیت سے دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ حضرت پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”اما آہ تھمروتا سفت میکشید کہ من بر غلط رفتہ بودم“ جانی آبا و اجداد را

شما گرفتید، در دین و دنیا کار ہمیں است کہ نو گرفتی الحمد للہ کہ بدیں رتبہ رسیدی“

یعنی استوس کرتے ہوئے فرمایا کہ میں غلطی پر ہوں، آپ نے اپنے اجداد کے راستے

کو اختیار کیا اور دین و دنیا میں یہی کام ہے جو تم کر رہے ہو۔ خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ

تم اس مرتبہ کو پہنچے۔ چونکہ سیاست ملکیہ خراب تھی ہمایوں اور شیر شاہ سوری کی کشمکش

سے لوگوں پر عرصہٴ حیات تنگ تھا۔ اس وجہ سے آپ چند دن ٹھہر کر پھر اجمیر شریف

روانہ ہوئے۔ آپ کے پیرو مشرفوت ہو چکے تھے جب آپ اجمیر شریف پہنچے تو حضرت

سالار دہلی کے فرزند جناب حسین صاحب (جو کہ صاحب سجادہ تھے) مراقبہ میں تھے۔

جب انہوں نے مراقبہ سے سر اٹھایا تو حضرت پیر بابا صاحب کو دیکھ کر بہت خوش

ہوئے۔ اور فرمایا

”اے سید علی دریں زمان و ہمہ این اوان و ہم درین مراقبہ وہم دریں مشاہدہ حضرت

پدر مشفق و پیر محقق را دریا فتم بعد از ملاقات فرمود، اے فرزند از من دو خرقہ

ماندہ یکے را پارچہ پارچہ ساخته در میان معتقدان قسمت ساز و خرقہ دوم را

پیش آئندہ این حال برسان کہ حق آن جانب است پس پیش آئندہ این

حال شمارا یا فتم“

یعنی اے سید! مجھے ابھی اس مراقبہ میں حضرت قبلہ گاہ نے فرمایا ہے کہ مجھ سے دو

خرفے باقی ہیں، ایک کو ٹکڑہ ٹکڑہ کر کے معتقدین میں بانٹ دو، اور دوسرا خرقہ اس کو دے دو جو ابھی آئے، پس آپ ہی اس کے لینے میں حق بجانب ہیں کہ آتے ہیں۔

چنانچہ وہ خرقہ آپ کو پہنا دیا گیا۔ چند دن قیام کے بعد حضرت حسین صاحب نے آپ کو ارشاد فرمایا کہ چونکہ میرے والد محترم نے آپ کو کوہستان میں رہنے کا حکم فرمایا تھا۔ لہذا آپ اپنے وطن کی طرف جا کر اس سلسلہ کی اشاعت کریں۔ اجمیر شریف سے روانہ ہو کر آپ براستہ پشاور و قندس کی طرف روانہ ہوئے۔ جب پشاور پہنچے تو یہاں پر پھٹیرے۔ حاجی سیف اللہ خان صاحب اور ملک گدا جو گلپانی قبیلہ کے خواتین سے ایک خان تھا آپ سے ملے۔ آپ کی ملاقات سے یہ ہر دو ملک بہت متاثر ہوئے اور آپ کو موضع دو آبہ لے گئے۔ بہت ہی احترام و عزت کے ساتھ مہمان رکھا۔ آپ کے اخلاق حمیدہ، اور نیکی و بھلائی کی تعلیم سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ شریعت کی پابندی، سنت رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی، کی تبلیغ شروع کر دی۔ ندیس کا سلسلہ بھی جاری کر دیا۔ لوگ بوق و دجوق آتے اور بیعت ہوتے۔ طلباء درس پڑھتے اکثر پیر کے دن و عظم فرماتے، سامعین کے ٹھٹ کے ٹھٹ بندھ جاتے، آپ کی شہرت عام ہو گئی۔ یوسف زئی علاقہ میں آپ کی تشریف آوری سے قبل دو بہت مشہور و معروف پیر تھے، جن کا نام پیرولی، اور پیر طیب تھا یہ دونوں آزاد خیال پیر تھے، احکام الہی کی پابندی کی پرواہ نہیں کرتے تھے، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا بھی لحاظ نہ رکھتے، یہاں تک کہ بعض اوقات پیرولی (استغفر اللہ) اپنے آپ کو خدا کہتا اور اس کے پیرو تصدیق کرتے، سرور سنت بلکہ حلال سمجھ کر مجالس کا انعقاد کرتے وغیرہ وغیرہ۔

۱۰ یہ پیر غمی قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے ۱۱ یہ پیر بریچی قبیلہ سے متعلق تھا ۱۲

آپ کا خیال تھا کہ دو آپہ میں ایک سال قیام کے بعد اپنے وطن کو روانہ ہو جائیگا
 مگر جب ان ہر دو پیروں کی باتیں سنیں جو مسلمانوں کو گمراہ کر رہے تھے اور شعاثر اسلام
 سے بہکا رہے تھے تو

”توجہ بدلاں حدود بر خود فرض دیدم“

اس علاقہ میں تبلیغ کرنا اپنے اوپر ضروری اور لازمی سمجھا۔ آپ ان ہر دو پیروں کے
 ساتھ بیٹھنے کے لئے علاقہ یوسف زئی کو روانہ ہوئے۔ اور سدوم (علاقہ سدوم موضع رستم سے
 شمال مشرق کی طرف موضع الی لنڈی میں آپ کے بیٹھنے کی جگہ اب تک موجود ہے اور لوگوں
 نے اس مقام کو مبارک سمجھ کر محفوظ رکھا ہے۔ جس کو آج کل سدوم کہتے ہیں) کے مقام پر
 قیام کر کے تبلیغ شروع کر دی۔ ان لوگوں کی جو اس علاقہ میں آباد تھے کیا حالت تھی فرماتے ہیں
 ”اما مردم می یافتم سادہ دل، کہ در حقیقت ہمگی ایشان دین طلب و دین جویان
 و خدا طلب بودند، جوانان ایشان ان پیروان در دین استوار تر، زنان ایشان از
 مردان ہنوز در دین موکد تر اطفال ایشان و در طفولیت دین طالب و دین جویان
 و خادمان ایشان نیز از مخالفت و منہیاتِ شرعیہ گریزاں۔“

یعنی اس علاقے کے لوگوں کو میں نے انتہائی سادہ دل ہر وقت دین کی طلب و تلاش
 کرنے والے اور خدا طلب، جوان بوزگھوں سے زیادہ دین میں استوار، عورتیں مردوں
 سے زیادہ دین پر مضبوط، بچے بچپن میں دین طلب کرنے والے اور تلاش کرنے والے اور
 ان کے علاوہ بھی شریعت پر حامل پاتا ہوں۔ ان کی گمراہی و فسق کی وجہ یہ تھی فرماتے
 ہیں۔ ”ان میں قبولیت حق کی صلاحیت تو موجود تھی مگر اس علاقے کے لوگوں میں نہ درس
 تھا نہ مدرسہ، نہ علم تھا اور نہ ہی علماء و فقہاء اس لئے شریعت سے بے بہرہ مشائخ اور

ایسے پیروں نے جو کہ مشائخ بھی نہیں رکھتے تھے ان لوگوں کی سادگی سے ناچائز فائدہ اٹھا کر ان کو غلط راستہ پر ڈال دیا۔ آپ نے وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبولیت عطا فرمائی۔ لوگ ایسے نام نہاد پیروں سے اجتناب کرنے لگے۔ بدعت رسم و رواج کو چھوڑ کر شریعت اسلامیہ کے پابند ہونے لگے۔ جب آپ نے دیکھا کہ لوگ نماز باجماعت پڑھنے لگے ہیں، سنتِ مطہرہ پر عامل ہو رہے ہیں، سرور و غیرہ بڑے اہمال سے پرہیز کرتے ہیں اور درس تدریس میں منہمک ہو گئے ہیں تو آپ نے ان دونوں پیروں سے ملنے کا ارادہ ظاہر کیا تاکہ انہوں نے جو اپنا دین بنا رکھا ہے۔ اس پر بحث مباحثہ کیا جائے۔ آپ کے ساتھ علماء و طلباء اور اس علاقہ کے لوگ بھی تھے، ان سب کے ساتھ آپ پیر طیب اور پیروں کے ہاں تشریف لے گئے۔ جب پیر طیب نے آپ کے تشریف لانے کا سنا تو راتوں رات ہزارہ کو نکل گیا اور پیروں نے بھی سامنے آنے سے اعراض کیا۔ لوگ سمجھ گئے کہ پیران بے پیر ناحق پر ہیں لوگ ان سے برگشتہ ہو گئے۔

چونکہ یہ آثار و قرائن سے اندازہ لگا کر غیب دانی کا دعویٰ کرتے تھے تو پیر طیب نے سنا تھا کہ آپ نے مستقل طور پر قدس میں رہنا ہے، اپنے ضعیف الاعتقاد پر تو میں یہ تہنیر کر دی کہ

”سید علی را ازین ولایت برواشتم و در قدس انداختمش“

یعنی (حضرت پیر بابا صاحب) سید علی کو میں نے اس وطن سے نکال کر قدس

میں پھینک دیا ہے۔ دوستوں کے مشورہ سے اور اپنی مرضی سے۔ آپ ایک برس تک

اس علاقہ میں تبلیغ فرماتے رہے تاکہ

”عوام زمانہ بگفتا پیر طیب کافر نہ شونہ۔“

علاقہ یوسف زئی کے ایک بڑے خان نے جس کا نام ملک دولت علی زئی تھا اور قبیلہ بارکشا زئی سے تعلق رکھتا تھا آپ کو اپنی ہمشیرہ بی بی مریم حبالہ عقد میں دے دی، اب آپ ایک قسم کے مستقل سکونت پذیر ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرزند اور لڑکیاں عطا فرمائیں۔ پھر آپ قدس شریف لے گئے تو آپ کے والد فوت ہو چکے تھے۔ والدہ زندہ تھیں، تمام حالات سے والدہ کو آگاہ کیا۔ انھوں نے آپ کو اجازت دی کہ آپ اپنے بال بچوں کے ساتھ اسی علاقے میں رہیں اور تبلیغ کرتے رہیں۔ واپس آکر آپ مقام یونیر میں مستقل قیام پذیر ہو گئے۔ اپنے شیخ کے حکم کے مطابق کوہستانی علاقہ میں خانقاہ قائم کر کے سلسلہ کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ لنگر جاری کر دیا۔ درس تدریس کا انتظام کیا۔ بڑے بڑے علماء اور صلحاء آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے سلسلہ چشتیہ میں داخل ہوئے۔ آپ کی تاریخ بیان کرنے والے لکھتے ہیں کہ آپ سے بیعت کر کے سات اخوند، اس سلسلہ میں ممتاز ہوئے، یعنی سات علامہ اور پندرہ علم آپ کے مرید ہوئے۔ ان میں پشاور کے حضرت اخوند درویش بھی تھے۔

حضرت پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں بایزید انصاری الملقب پیر ^{شن} المعروف پیر تاریک بھی اسی طرح کا ایک پیر پیدا ہوا، آپ نے اس کے مقابلہ

۱۰ بایزید ۱۵۲۵ء میں عبداللہ صاحب کے گھر جالندھر (یہ شہر پنجاب میں واقع ہے اور آج کل بھارتی پنجاب میں ہے) میں پیدا ہوا۔ صاحب دہستان مذاہب نے لکھا ہے کہ ”بہفت پشت شیخ سراج الدین انصاری ^{میر} یعنی ساتویں پشت میں شیخ سراج الدین انصاری سے بایزید انصاری جا ملتا ہے۔ بایزید انصاری کسی کا

میں بھی علماء اور صلحاء کے وفود بھیجے، اور خود بھی اس کو دعوتِ مباحثہ دی۔ آپ فرماتے ہیں۔

”اں ہنگام در میان اولس تفرقہ افتاد“

لوگوں میں بہت ہی بے اتفاقی پیدا ہو گئی، یہاں تک کہ لوگ اس پیر بے پیر کی دعوت پر اس کے گرد بہت تعداد میں جمع ہو گئے۔ مگر آپ نے حضرت علامہ اجل انور

مرید نہیں تھا۔ چونکہ اس کے والد کی دو بیٹیاں تھیں، اس لئے یہ والد کی نظروں میں محبوب نہیں تھا۔ بڑا عقلمند، ہوشیار، معاملہ فہم، اور نکتہ رس تھا۔ عقائد میں آزاد خیال تھا۔ اپنا فکر اور اپنا طریق عبادت رکھتا۔ صاحبِ الہام ہونے کا دعویٰ رکھتا، توحید کے متعلق اپنے نظریات رکھتا تھا۔ اخلاق کو بھی اپنی تعلیم کی روشنی میں پروان چڑھواتا۔ اس کی اس خود مبری کا نتیجہ نکلا کہ بقول صاحبِ ولستان مذاہب ”او خود را والستی و مرد مرا بر ریاضت فرمودی“ ”یعنی اپنے آپ کو نبی سمجھتا، اور لوگوں کو ریاضت کی تعلیم دیتا۔ اور لکھا ”ماز بگذاردے اما جہتہ تعین را از میان برداشت، کہ قَانِیْمَا تَوْلُوْا فِشْمًا وَحَہْ۔ اللہ“۔ یعنی نماز پڑھتا مگر قبلہ مبارک کے تعین کو ختم کر دیا۔ کیونکہ وہ کتا کہ جدھر بھی رخ کروا دھر اللہ تعالیٰ ہے۔ منسل کو ضروری نہ سمجھتا، سوائے اپنے ماننے والوں کے باقی تمام بنی نوع انسان کو نوع حیوان سمجھتا اسی لئے ان کے قتل اور ذبح کا حکم دیتا۔ وغیرہ وغیرہ (اللہ تعالیٰ ان ہذیبات سے محفوظ رکھے) عالم نہیں تھا مگر ایک کامل سیاسی اور منطقی دماغ رکھتا تھا۔ گفتگو میں کوئی بھی اس کے ہمسر نہیں ہوتا تھا۔ ابتداءً بحیثیت ایک پیر کے متعارف ہوا۔ کافی لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ اور اس پر پروانوں کی طرح قربان ہوتے۔ اپنی دولت اور مال بچھے تک قربان کرتے، اس نے حالنامہ خیر البیان، مقصود المؤمنین اور صراط التوحید نامی رسائل لکھے۔

صاحب دروینہ کی قیادت میں اس بے رہبر و مذہب کی پوری پوری مخالفت کی اور
پیر بے پیر کو مجبور کر دیا کہ وہ اس علاقہ کو چھوڑ کر نکل جائے۔ چنانچہ وہ تیراہ کی پہاڑیوں
میں نکل گیا۔ اب اس نے وہاں پر اپنا مرکز بنا کر سیاست کا رنگ اختیار کیا، اور حکومت
مغلیہ کو بہت پریشان کیا۔

جی میں اپنے الہامات، مکشوفات اور اپنی تعلیم دنیا کے سامنے پیش کی۔ اس کے فریدین اس کو باقاعدہ اس
علاقہ کا بے تاج بادشاہ سمجھتے، اگرچہ اس کی موجودگی میں یہ صرف اور صرف ایک مذہبی گروہ تھا۔
جس کا اپنا دین و آئین تھا۔ جب علماء اور مشائخ نے اس کی مخالفت کی اور اس کو ختم کرنے کے لئے
بحث و مباحثہ اور جنگ تک نوبت پہنچی۔ اور علماء و مشائخ نے اس کو پشاور کے علاقہ سے نکلنے پر مجبور
کر دیا تو یہ آفریدیوں کے دور دراز پہاڑی علاقوں میں چلا گیا۔

اب اس نے بجائے پشاور کے علاقہ کے اپنا رخ کابل کی طرف موڑ دیا۔ اس علاقہ کے علماء اس
کے مقابلہ میں نہیں آسکتے تھے۔ آخر ۹۹۲ھ میں انتقال کیا۔ اس کی عمر ۶۳ برس تھی۔ یعنی
۱۵۸۱ء میں مرا۔ یہاں بایزید نے سلطنت دہلی کو خوب پریشان رکھا، اور خوب لوٹ گھسٹ کی مار
یہ شخص مذہبی معتقدات میں رخنہ اندازی نہ کرتا تو مطالعہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس علاقہ میں یہ اپنی
پادشاہت قائم کر لیتا۔ مگر افسوس ہے کہ اس قسم کے سیاسی بیدار مغز لوگ خواہ مخواہ مذہب میں مداخلت
کر کے اپنے آپ کو ختم کروا دیتے ہیں۔ علماء اور مشائخ مجبور ہوتے ہیں کہ جو شخص بھی چاہے جس مقصد
کے پیش نظر اٹھے۔ اگر مذہب سے ٹکراتا ہے یا مذہب میں رخنہ اندازی کرتا ہے تو پھر یہ حضرات مدافعت
کرتے ہیں۔ اور اگر یہ مدافعت نہ کرتے تو یقیناً آج مذہب اسلام اس علاقہ میں موجود نہ ہوتا۔ بلکہ اس
کی شکل کچھ اور ہی ہوتی۔ میرے پشاور کے ایک بزرگ نے یوسف زئی پٹھان نامی کتاب لکھی ہے۔ اس

جناب سید علی ترمذی کا طریقہ مبارک تھا کہ عام لوگوں کو بیعت شریعت سے شرف فرماتے۔ اور علماء و فضلاء، اور صاحبانِ فرست کو بیعت طریقت سے بنور فرماتے۔ اس لئے کہ اس راہ میں جھلا کے گمراہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے لہذا شریعت حنفیہ پر عوام کا ثابت قدم رہنا ہی ان کی نجات کے لئے کافی ہے

کتاب کے صفحہ ۲۵۴ سے لے کر صفحہ ۲۹۳ تک پھیلے ہوئے تبصرہ پر میں نے ایک لگ بھگ مضمون لکھا ہے جس کا عنوان ہے "بایزید کی تحریک پر تبصرہ"۔ صرف اصولاً ایک بات یہاں بیان کرتا ہوں جس کا تعلق اس مضمون سے ہے اور وہ یہ ہے معاصر عزیز اللہ بخش صاحب یوسفی پشاوری۔ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۵۶ پر لکھتے ہیں۔ "اب گویا ایک علاقہ میں یا ایک قوم میں دو سجادہ نشین دکھائی دے رہے ہیں۔ دونوں اپنے اپنے مخصوص طریقہ سے تعلیم اسلام پیش کر رہے ہیں۔ صراطِ المستقیم کی طرف دعوت دے رہے تھے، لیکن ان دونوں میں اتفاق نہ ہو سکا"

جیرانگی ہے کہ یہاں بایزید "سجادہ نشین" کس طرح بنا۔ صاحب سجادہ تو وہ ہوتا ہے جو حضرات صوفیائے کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین کے کسی ایک سلسلہ (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ) سے منسلک ہو کر ان اوراد و اعمال کی تکمیل کر کے اپنے شیخ کی طرف سے سنا دے اور صاحب سجادہ ہو تو تب سجادہ نشین بنتا ہے۔ معلوم نہیں کہ جناب یوسفی صاحب نے بایزید انصاری کو کون سے سلسلہ کا شیخ تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ میاں بایزید انصاری کسی سلسلہ میں منسلک نہیں تھا۔ بلکہ وہ تو غیب سے الہام سن کر مذہب میں دخنہ اندازی کر رہا تھا۔ یقیناً حضرت پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اس کے ساتھ اتفاق و اتحاد نہیں ہو سکتا تھا۔ اتحاد و زندقہ کے ساتھ ایک اللہ تعالیٰ کا ولی کس طرح اتفاق و اتحاد کر سکتا ہے۔ اس دور میں جبکہ تحقیق حق ناپید ہے۔ یقیناً ایسی ہی غیر ذمہ دارانہ تحریک

آپ دیہاتوں میں "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کے لئے اکثر دورے کیا کرتے اور صرف اللہ جل جلالہ کی رضا کے لئے اہل بدعت اور گمراہوں سے بحث مباحثہ کرتے، اور بیانگ و ہل اعلان فرماتے کہ "ان سے بچو، ایسا نہ ہو کہ ہلاک کر دیئے جائیں" آپ کی توجہ کا ملکہ اس حد کمال تک پہنچ چکی تھی کہ جو بھی طالب مولیٰ آتا آپ کی توجہ کی برکت سے قید ماسوعاء اللہ سے آزاد ہو جاتا چند دنوں میں سیر باطنی مکمل کر کے فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مقامات حاصل کر لیتا۔ آپ اس شخص کو بہت پسند فرماتے جو تہذیبِ نفس، طلبِ علم اور طریقِ سلوک کو حاصل کرنے کیلئے آتا اور جو شخص دنیا و دنیاوی مطالب لے کر حاضر ہوتا اس کے لئے بھی دعا فرماتے۔ مگر اس شخص سے خوش نہ ہوتے حضرت اخوند درویش فرماتے ہیں کہ "کسی وجہ سے کچھ عرصہ میں آپ سے ملاقات نہ کر سکا۔ آپ نے سبب پوچھا میں نے عرض کیا کہ حضور خالی ہاتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہونا مناسب نہیں سمجھتا، آپ نے اعراض کرتے ہوئے فرمایا۔ وہ لوگ جو اونٹ گائے اور گھوڑے لنگر میں پیش کرتے ہیں ان کو میں دوست یا مرید نہیں خیال کرتا۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانتا ہوں، مگر ہاں میرے دوست اور مرید وہ ہیں جو مجھ سے

سامنے آئیں گی۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا نام خرد

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

باقی رہا اس کی صراطِ مستقیم اور اسلام کی دعوت، تو میرا خیال ہے کہ جناب یوسفی صاحب نے دہستان

مذہب ص ۲۴۴ سے لے کر ص ۲۵۱ کے آخر تک کا مطالعہ نہیں کیا۔

روحانی فائدہ حاصل کرتے ہیں اور میرے احوال پر نظر رکھتے ہیں۔“
 آپ کی طبیعت مبارک کہ میں اتنی سخاوت تھی کہ کوئی سائل بھی آپ کے دروازہ سے
 لی نہیں لوٹا، مسافروں کو زاوراہ مہیا کرتے۔ بیماروں کی عیادت کے ساتھ مالی امداد
 ہی کرتے۔ آپ کا لنگر ہر وقت جاری رہتا، اور ان گنت لوگ آکر روٹی اور کپڑا حاصل
 کرتے، علم اور عفو کو تو آپ کی ذات والا صفات پر ناز تھا۔ آپ کی ذات مبارک
 تمام اخلاقی حمیدہ سے متصف تھی جو ایک کامل و مکمل انسان کے لئے زیب ہیں،
 آپ کے مکشوفات، کرامات، خوارق عادات لاتعداد و لاتخصی ہیں اور جو شخص مقام
 و شہرت پر فائز ہو اس کے لئے ان باتوں کا ذکر ہی بے سود ہے۔ اپنے وقت پر اللہ
 کے حکم سے سب تصرف اسی شخص کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بخشش و عطا سے اس
 سستی کے سامنے غیب و شہود کے پردے اٹھ جاتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 امام القا کے ذریعہ مامور ہوتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام و المسلمین، خواص بکر تحقیقات، غوث وقت، سید علی ترمذی
 المعروف پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ بمقام بنیر (کوہستان) سلسلہ عالیہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور
 کبرویہ کو کمال عروج پہنچا کر ۹۹۱ھ میں واصل بحق ہوئے۔ آج تک آپ کی مزار پر لوگوں
 سے ہزار ہا کی تعداد میں لوگ آکر دینی، دنیوی اور روحانی برکات حاصل کرتے ہیں۔
 آپ کی اولاد بکثرت ہے۔ تقریباً ہر علاقہ میں ملتی ہے۔

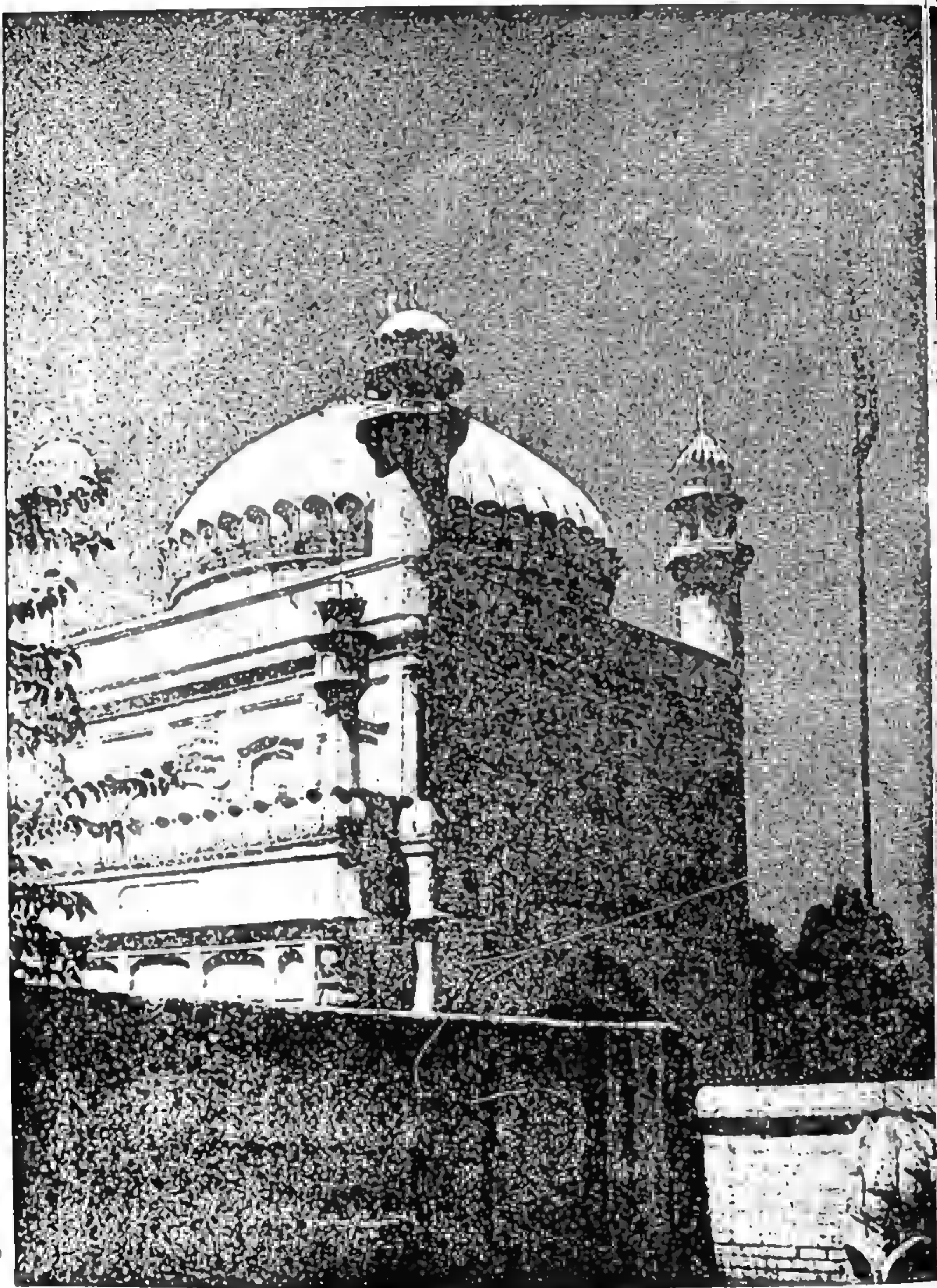
صاحبان کشف فرماتے ہیں کہ آپ اپنی قبر شریف میں اس وقت بھی باذن اللہ
 و بطریق سید پاک احمد محبتی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تصرف فرماتے ہیں۔

حضرت سید عبدالوہاب صاحب المعروف انخون پنجو صاحب رحمہ اللہ

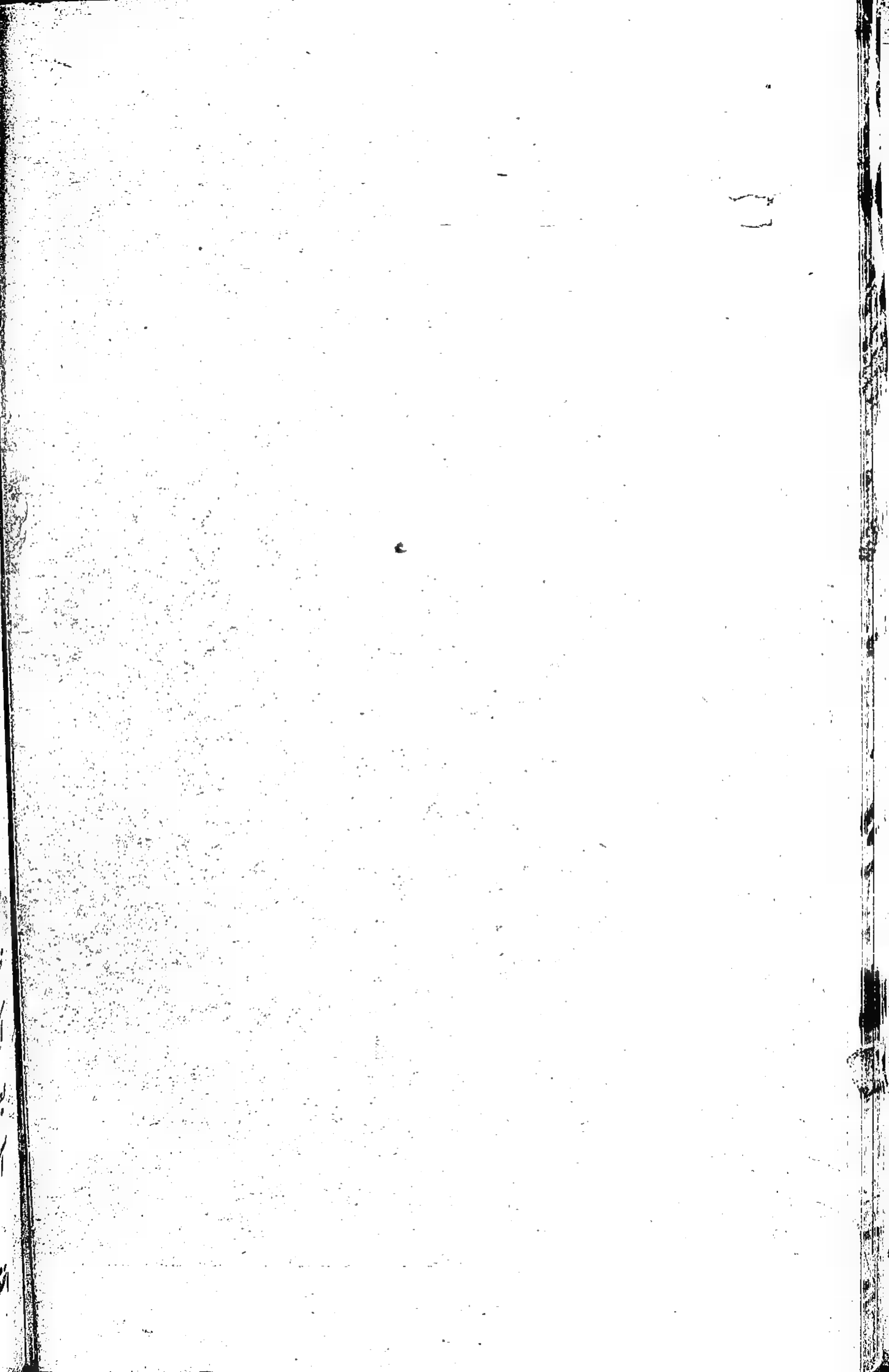
۹۲۵ھ تا ۱۰۴۰ھ

آپ کا نام نامی و اسم گرامی سید عبدالوہاب ہے۔ اور والد گرامی کا نام سید غازی بابا ہے۔ آپ انخون پنجو بابا کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کو کتب تاریخ و میر میں شیخ پنجو سنبھلی لکھتے ہیں۔ نیز آپ بھی اپنی نسبت سنبھلی سے کرتے، آپ کے جد بزرگوار وہاں سے ہی آئے تھے، اسی لئے آئین اکبری میں شیخ ابوالفضل نے (جو کہ جلال الدین اکبر کے وزیر تھا) آپ کو شیخ پنجو سنبھلی لکھا ہے۔ پنجو آپ کو اس لئے کہا گیا کہ جب پیروان پیر تاریکی (جس کا نام بازید انصاری اور لقب پیر روشن دین تھا) کو آپ نے ارشاد ہدایت شروع کی تو چونکہ وہ احکام شریعت اسلامیہ پر عمل نہیں کرتے تھے بلکہ استہزاء کیا کرتے تھے اس لئے آپ نے ان کو سب سے پہلے پانچ بناہ اسلام سے تعلیم دینا شروع کیا۔ انخون نے بوجہ مخالفت از روئے تحقیر کے آپ کو پنجو بابا کہنا شروع کر دیا۔ جب

۱۔ انخون، انخند کا مرتم ہے۔ یعنی آخری حرف گرایا گیا ہے انخند تو دانی لفظ ہے اور متحرک عالم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ آپ بلند پایہ مدرس تھے اور سنکڑوں علماء آپ کے شاگرد تھے اس لئے آپ کو انخند کے لقب سے پکارا گیا۔
۲۔ بروایت شمس العلماء قاضی میر احمد شاہ صاحب و دانی ساکن اکبر پورہ مرحوم :



مزار اخوند بنجو بابا عليه الرحمة



آپ کی خدمت میں یہ بات کہی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس سے بہتر اور کیا ہوگا کہ میرا لقب ”پانچ بنار اسلام“ ہو اور دعا فرمائی کہ اے اللہ قیامت تک میرا یہی لقب ہو، چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

آپ کے بزرگوار عرب سے آکر ہندوستان میں بمقام سنبھل آباد ہوئے۔ جب سلطنت لودھیہ کو زوال ہوا تو آپ کے والد محترم جناب سید غازی بابا صاحب براستہ چھ ہزارہ ہوتے ہوئے علاقہ یوسف زئی میں بمقام ترک قیام کیا۔ جناب سید غازی بابا صاحب نہایت ہی پربیزگار اور زاہد تھے۔ مذکورہ گاؤں میں قناعت اور عزت کے ساتھ وقت بسر کرتے، جناب صالح محمد صاحب المعروف ”ولیوانہ بابا“ کی خالہ سے شادی کی، اور اکبر بادشاہ کے زمانہ میں پیشاور شہر میں آکر سکونت پذیر ہوئے اور یہیں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کا مزار قلعہ بالا حصار کے نیچے وائرس گراؤنڈ میں درختوں کی گھنی چھاؤں میں موجود ہے۔

۹۲۵ھ میں جناب حضرت سید عبدالوہاب صاحب المعروف انخون شیخ بابا موضع ”اکائے“ علاقہ یوسف زئی میں پیدا ہوئے۔ آپ علم لدنی رکھتے تھے۔ مگر پیر بھی ظاہری طور پر آپ نے علوم ظاہری سے فراغت حاصل کی۔ موضع چوہا گجر میں ان دنوں ایک بڑے عالم دین قاضی تھے۔ ان کی خدمت میں پہنچ کر علوم متداولہ کو پڑھا، اس کے بعد ہندوستان تشریف لے گئے، اور کافی عرصہ مختلف علمائے پڑھتے رہے۔ ان ایام میں آپ زیادہ عرصہ روہیل کھنڈ میں مقیم رہے تحصیل علم کے بعد واپس صوبہ بہرحد لوٹے۔ ۹۹۰ھ میں بعمر ۲۵ سال اپنے چھوٹے بھائی کے ہمراہ موضع اکبر لویہ میں مستقل قیام اختیار کیا، اور مسند تلمیذیں پر جلوہ افروز ہوئے۔

حضرت علامہ شمس العلماء قاضی میراج محمد شاہ صاحب رضوانی تحفۃ الاولیاء میں فرماتے ہیں کہ تقریباً تین سو علماء و مشائخ میر وقت نے آپ سے علوم ظاہری میں دستار فضیلت یعنی سند حاصل کی، آپ نے کافی عرصہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، منطق اور اخلاق کا درس دیا، اور انتہائی جان فشانی کے ساتھ تبلیغ و اشاعت شریعت مطہرہ میں منہمک رہے۔

اکبر لویہ ان دنوں داؤد زنی قوم کا مرکز تھا۔ اس گاؤں میں چالیس محلے تھے، ہر ایک محلے میں ایک حجرہ تھا، ہر ایک محلے کے لوگ چرس اور بھنگ پی کر باب لے لے ہوئے دن رات ان حجروں میں مست رہتے۔ اور گاتے بجاتے، دین اسلام سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور یادِ الہی سے قطعاً بے پرواہ ہو گئے تھے۔ اتنے بڑے گاؤں میں ایک بھی قابل ذکر مسجد نہ تھی۔ اس تمام علاقہ کے لوگ پیر روشن المعروف پیر تاریکی کے خلیفہ "مہرست" کے مرید اور پیرو تھے۔

جناب انخون پنجو صاحب نے تمام کاموں سے پہلے یہ کام کیا کہ وہاں ایک جامع مسجد تعمیر کی، نماز جمعہ کا قیام کیا۔ امر بالمعروف کے لئے مختلف علاقوں میں جماعتوں کو بھیجا، اور اس بے خبر قوم کو جو فسق و فجور میں مبتلا تھی و عظ و نصیحت کرنا شروع کر دیا۔ عوام کے لئے آپ نے ابتدائے پانچ بنائے اسلام سے کام شروع کیا۔ طلباء کے لئے درس و تدریس کا انتظام کیا۔ سلوک و معرفت کے حصول کے لئے جو صاحبان طلب آئے ان کے لئے الگ انتظام کیا۔ آپ کی اس خدمت دین کا اتنا شہرہ ہوا کہ لوگ دور دور سے آئے لگے۔ اور حسب توفیق علوم حاصل کرنے لگے۔ نیز وہ علماء جو کہ ہندوستان اور دوسرے علماء سے سند فراغت حاصل کر لیتے تھے۔ وہ تبرکاً آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بھی تکمیل کی سند لیتے۔

۹۹۳ھ میں جناب میر الوافتح صاحب قنیاچی (جو کہ شیخ المشائخ جلال الدین صاحب
تھامسری کے خلیفہ تھے) پشاور شہر سے ہوتے ہوئے اکبر پورہ تشریف لائے اور آپ نے
طریقہ عالیہ چشتیہ میں ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت میر الوافتح صاحب قنیاچی رحمۃ اللہ علیہ
نے آپ کو خلافت سے نوازا، اور علم توحید باطنی سے مالا مال کر دیا۔ بیعت ہونے کے
بعد آپ اب اوراد و وظائف سے فارغ اوقات و بیات کی تعلیم میں صرف کرتے
اور باقی اوقات عبادت و ریاضت، ذکر و فکر، مجاہدہ و مراقبہ، میں گزارتے۔ بیعت
ہونے کے بعد صائم اللہ اور قائم اللیل ہو گئے۔ ذکر و فکر سے بسا اوقات آپ پر محویت کا
عالم بھی طاری ہوتا جس وقت آپ پر مسکری حالت ہوتی تو خادم آپ کو بانڈوں سے پکڑ
کر "یا حق یا حق" کہہ کر اٹھاتے تو آپ اٹھ کر نماز پڑھ لیتے۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر
بے ہوش ہو جاتے اور ماسواۃ اللہ سے بے خبر ہو جاتے۔

آپ کا معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد چاشت کی نماز تک "ذکر" میں مصروف رہتے
دوپہر تک "جلس و م" اور دیگر اوراد کرتے، نماز ظہر کے بعد قیلولہ کرتے، قیلولہ کرنے کے بعد
علوم متداولہ کی کتابیں پڑھتے۔ عصر سے مغرب تک "صلوۃ الوسطی" میں مشغول رہتے۔
مغرب کے بعد قرآن حکیم کا درس فرماتے۔ عشاء کے بعد اوراد و وظائف اور مراقبات میں
مشغول ہوتے۔ گریا آپ کا تمام وقت یاوالہی، اطاعت خدا اور شمول جلالہ صلی اللہ
علیہ وسلم اور مخلوق خدا کی خدمت میں گزارنا۔

آپ پر "عشق الہی" کا اتنا غلبہ تھا کہ چہرہ انور سے آگ کے شعلے نظر آنے لگتے تھے۔ سخت
سرویلوں کے دونوں میں آپ صرف ایک نعل کا کرتا پہنتے۔ آپ کے مقربین سے ایک
صاحب "جناب میاں علی بابا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انتہائی سرویلوں کے ایام میں

میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ ایک بار ایک کمرۃ اور ایک عمامہ پہنے ہوئے تھے
 دیکھتے دیکھتے آپ پر عشق الہی کا غلبہ ہوا اور آپ کی پیشانی مبارک اور چہرہ نور سے پسینہ
 بہنا شروع ہو گیا۔ عشاء کی نماز کے بعد آپ گھر سے اسی عالم میں نکلے، میں بھی آپ کے
 پیچھے ہویا۔ آپ کمال استغراق اور محویت کے ساتھ عشق الہی میں مست تھے۔ تمام رات
 زخمی چار باغ سے لے کر جہنم تک آتے جاتے جمال الہی اور عشق الہی میں مگن تھے جب
 صبح ہوئی تو نہایت اوب کے ساتھ میں نے عرض کیا کہ حضور رات کو عجب کیفیت تھی
 آپ نے فرمایا۔ اے علی! یہ نکتہ یاد رکھو ہر رات ربانی سے ہے، منصور نے محبت الہی
 کا جام چاہا اور ضبط نہ کر سکا۔ حتیٰ کہ "انا الحق" کا دعویٰ کر دیا۔ مگر تم نے دیکھا کہ محبت
 کے جام پر جام آج مجھے عنایت کئے گئے۔ اور کتنے ہی خم خالی کر دیتے گئے۔ مگر ایک قطرہ
 بھی باہر نہ گرا۔"

چونکہ آپ کے رخِ انور پر وقت انوار الہی کی بارش رہتی اس لئے کوئی بھی جی بھر
 کر آپ کے چہرہ انور کو نہ دیکھ سکتا، اور جو بھی آپ کے رخِ انور سے "توجہ" اور
 ہمت سے دیکھ لیتا، تو عارفِ کامل ہو جاتا۔ اگر کسی بھی مشرک کی نظر آپ کے
 نورانی چہرہ پر پڑ جائے تو فوراً کلمہ توحید پڑھ لیتا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندو آپ کا نام سُنتے
 ہی چھپ جاتے۔ ایک بار شہنشاہِ ہندوؤں کی ایک برات اکبر پورہ آئی۔ اس برات
 سے تقریباً دس نوجوان آپ کی مسجد میں آکر آپ سے ملاقی ہوئے۔ آپ کا چہرہ دیکھ
 کر بہوش ہو گئے۔ اور ٹپنے لگے، جب ان کو ہوش آیا تو مسلمان ہو گئے۔ اور آج تک
 اس شیخ کا گھر اکبر پورہ میں آیا ہے۔ گویا کہ آپ کی ذات والا صفات میں اتنی تاثیر اور اتنا

جذبہ تھا کہ جو بھی اُس وقت آپ کے سامنے آتا وہ بھی متاثر ہوتے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

جب آپ کے علم ظاہری و فیوضاتِ باطنی کا شہرہ چاروں طرف پھیل گیا، تو معاصرین اور مشائخ نے آپ کی مخالفت کی اور آپ سے بحث و مناظرہ کی ٹھانی اور اکتھے ہو کر فیصلہ کیا کہ آپ کی مسجد میں جا کر آپ سے مناظرہ کریں اور کسی قسم کی آپس کی تشظیر و تکمیر نہ کریں۔ جب وہ آپ کی مسجد میں پہنچے تو اس وقت آپ گھر میں تشریف نہ رکھتے تھے۔

آپ کے فرزند ارجمند جناب سید عثمان صاحب نے آپ کو ان کے آنے کی خبر دی۔

آپ تشریف لائے۔ ان علماء نے آپ کا رخ انور دیکھتے ہی فوراً قدمبوسی کی۔ اور

یک بارگی لا الہ الا اللہ لگا کر بے ہوش ہو گئے، باقی کہ نماز ظہر کا وقت آگیا۔ جب ظہر

کے نوافل سے فارغ ہوئے تو میاں علی صاحب نے عرض کیا کہ حضور اگر ان کی یہی حالت

رہی تو شریعت اور علم کی بہت بے قدری ہوگی اور بے عزتی۔ آپ نے ان پر توجہ کر کے

”الا اللہ“ کا نعرہ لگایا تو وہ سب ہوش میں آگئے اور تائب ہو کر مُرید ہوئے۔

آپ میں اتنی سخاوت تھی کہ جو بھی آپ کے پاس حاجتمند آیا خالی نہیں لوٹتا۔

آپ کے لنگر سے امیر و غریب سب کو برابر کھانا ملتا۔ مفلوک الحال اور غربا کی امداد کرنا

آپ کا خاص وصف تھا۔ استغناء کا یہ عالم تھا کہ امیر و حکام سے نفعی قبول نہ فرماتے۔

بادشاہِ مغلیہ کی طرف سے کئی بار لنگر کے مصارف کے لئے پیش کش کی گئی۔ مگر آپ نے

قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

آپ نے حضرت پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ اور انجن درویش رحمۃ اللہ علیہ کی طرح

بادشاہِ انصاری الملقب پیر روشن اور اس کے پیروان کے خلاف تبلیغی اور عملی طور پر کام

لے باذید انصاری کے حالات حضرت پیر بابا صاحب اور انجن درویش کے ضمن میں دیکھیے۔

۱۲۱۶۳

کیا۔ چونکہ اس علاقہ میں اس کے متبعین بکثرت تھے، اس لئے آپ ان کی مخالفت
 کا پورا نشانہ تھے۔ مگر آپ نے بہت استقلال اور کرامت کے ذریعہ اس علاقہ کو ان
 بے راہ روگوں سے پاک کیا اور ان کو گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی نورانی
 منزلوں پر ڈال دیا۔ پھر، بھنگ اور افیون جیسے رسولی زہارہ نشوں سے انھیں
 باز رکھا اور لوٹایا۔ چنگ و ریاب سے بچھٹکارا دلا کر یادِ اہلی میں مصروف کر دیا۔
 بد اعمالیوں اور بد اخلاقیوں سے توبہ کروانے نیک اعمال و صاحبِ اخلاق جمیدہ بنایا۔
 صاحبِ تحفۃ الاولیاء فرماتے ہیں کہ ۹۹۳ھ میں یازید انصاری الملقب پیر روشن نے
 جب حکومتِ ممبئیہ کے خلافتِ شورش کی تو جلال الدین اکبر خود مقابلہ کے لئے آیا۔ اس سفر
 میں اکبر بادشاہ آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کچھروالی مسجد میں مقیم
 تھے۔ طالبِ دعا ہوا، آپ نے توجہِ کاملہ کے ساتھ دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اکبر کو فتح و ظفر
 سے نوازا اور تاریکیوں کو پرانہ کیا۔ اس وقت اکبر نے آپ کی خدمت میں مخالف پیش
 کیے تو آپ نے کلی طور پر لینے سے انکار کر دیا۔ اکبر پورہ کے بالکل ساتھ دریائے بارہ
 بہتا ہے۔ آپ کے زمانہ میں اس دریائے بارہ میں ایک عظیم سیلاب آیا۔ اس وقت
 پیرِ مرست خلیفہ پیر روشن کا بہت بہت چرچا تھا اور اس کے متبعین اس کی نام نہا
 کرامات اور کشفات کا ہر حجرہ میں بیٹھ کر خوب پروپیگنڈا کرتے تھے۔ لوگ اس سیلاب
 سے عاجز آ کر پیرِ مرست کے پاس روحانی مدد طلب کرنے کے لئے گئے تاکہ وہ کرامات
 کے ذریعہ گاؤں کو تباہی سے بچالے۔ اس نے اپنی بھنگ رگڑنے کا ”تکدہ“ ان لوگوں
 کو دیا اور کہا کہ جاؤ اور گاؤں کی طرف بند باندھ کر یہ میرا تکدہ کھڑا کرو، سیلاب کم ہو
 جائے گا، اور پانی گاؤں کی طرف نہیں آئے گا۔ ہزار ہا لوگ اس کی یہ کرامت دیکھنے کے

لئے جمع ہو گئے۔ تکرر رکھا گیا مگر پانی نہ رکا۔ اب پیر بہرست خود آیا اور نہایت دلیری کے ساتھ بند پر کھڑا ہو گیا۔ مگر پانی کے ایک ہی دباؤ نے پیر کے ساتھ بند کو بہا دیا۔ پیر بہرست غصے پر غوطہ کھانے لگا۔ اس کے فریعوں نے پیر بہرست کو نکالا۔ عین اسی وقت حضرت انخون پنچو بابا صاحب نے اپنا عصا حضرت میاں علی بابا کو دیا اور فرمایا اس عصا کو پانی میں کھڑا کر دو۔ انشاء اللہ خداوند تعالیٰ افضل و کرم کر دے گا۔ جب حضرت میاں علی بابا نے عصا پانی میں کھڑا کر دیا۔ تو فوراً بند بندھ گیا اور سیلاب کم ہو گیا۔ گاؤں تباہی سے بچ گیا۔ جب ان ہزار ہا لوگوں نے آپ کی یہ کھلی اور روشن کرامت دیکھی تو پیر روشن المعروفا پیر تاریکی کے خلیفہ سے کلی طور پر برگشتہ ہو گئے اور ہزاروں کی تعداد میں آکر علاقہ مرہٹوں میں شامل ہو گئے۔ تحریک روشنائی جو حکومت وقت کی لڑائیوں، قتل و غارت، مشائخ کرام کے بھٹ و مناظرے اور جدوجہد سے ختم نہ ہو سکی۔ اس علاقہ میں آپ کی صرف ایک کرامت نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دی۔

آپ کی کرامت سے ایک زندہ کرامت یہ ہے کہ اس وقت آپ کی ایک مسجد اکبر پورہ میں موجود ہے۔ جس کو ہزاروں سیاح اور مومنین، ہر قوم ہر مذہب اور ہر ملت کے افراد دیکھنے آتے ہیں اور کسی کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ حضرت حاجی دریاحان (جن کا مزار موضع چکنی تحصیل پشاور میں مزاج عوام و خواص ہے) نے ایک بار آپ سے سوال کیا کہ قیامت کے علامات کیا ہیں۔ آپ نے جواب دیا: میری مسجد کا محراب زمین میں جب غرق ہو جائے گا تو قیامت آجائے گی۔ اب یہ بات مشاہدہ میں آ رہی ہے کہ محراب مسجد آہستہ آہستہ بتدریج زمین میں دھنس رہا ہے، اور اس وقت تقریباً تہائی حصہ دھنس چکا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آپ کی وفات شاہ بہان بادشاہ کے عہد میں عمر ۹۵ سال ۱۰۲۰ھ میں ہوئی۔ اور
 اس آفتاب علم ظاہری و باطنی، قطب الاقطاب، عورت وقت کو اکبر پورہ سے تقریباً
 ایک میل شرک شاہی کی طرف پیرو خاک کیا گیا۔ ہزار ہا لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے
 ہیں اور بڑے بڑے مشائخ نے آپ سے فیض لیا اور اب بھی فیضیاب ہوتے ہیں۔
 آپ کی تجہیز و تکفین میاں عثمان صاحب اخون ساک صاحب کابگراہی، میاں
 علی بابا صاحب، حضرت شیخ رحمکار المعروف حضرت کا صاحب اور شیخ عبد العفود
 صاحب المعروف چل گزی بابائے کی۔

حضرت انخوند درویشہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شکرگاہی

۹۵۶ تا ۱۰۴۸ھ

آپ کا اسم گرامی درویشہ ، والد کا نام گدا ، دادا کا نام سعدی اور لقب رئیس الفضل ہے۔ آپ علاقہ شکر ہار ملحقہ کابل کے رہنے والے تھے۔

خواص میں آپ انخوند صاحب اور عوام میں انخون کے نام سے مشہور ہیں ، چونکہ آپ متبحر عالم تھے اور بہترین مدرس بھی اس لئے آپ کو انخون کے نام سے پکارا گیا۔ جب آپ کے دادا جناب سعدی کو شکر ہار میں شہید کر دیا گیا تو آپ کے والد جناب گدا ہمدول میں آکر آباد ہوئے۔ جناب درویشہ صاحب کی ابتدائی عمر کا بیشتر حصہ ہمدول ہی میں گزرا ، آپ کو ابتداء ہی سے طلب علم ، اتبایع سنت اور ترک بدعت ، زہد و ریاضت کا شوق دامگیر تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ ”مہر فی الہی اورد ہول قیامت وقبر کا جذبہ پچپن ہی سے مجھ پر اتنا غالب تھا کہ میں لیس اوقات روزانہ

۱۔ ”انخون“ انخوند کا مرثم ہے۔ یہ توراتی لفظ ہے جس کے معنی متبحر عالم کے ہیں۔ ہم اپنی اصطلاح میں اس کے معنی علامہ کر سکتے ہیں۔ ترخیم اس وقت ہوتی ہے جبکہ آخری حرف زبان پر ثقیل ہو۔ چونکہ یہاں بھی وال جو کہ آخری حرف ہے زبان پر ثقیل تھا، لہذا گرا دیا گیا اور ”انخوند“ سے ”انخون“ رہ گیا۔

اور نہ سمجھتا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ والدہ صاحبہ میری اس کیفیت کو دیکھ کر مجھے ٹھپڑ بٹھپڑی رسید
 کر دیتیں۔ مگر فوق و شوق الہی کی طالب برہمستی ہی گئی۔

آپ سب سے پہلے اس وقت کے بہت بڑے عالم حضرت مصر احمد کی خدمت
 بابرکت میں بطور شاگرد پیش کئے گئے۔ حضرت مولانا مصر احمد صاحب جناب سید محمود
 صاحب بخاری ولی کامل کی اولاد سے تھے۔ انھوں نے درویشہ صاحب کو اپنے
 مکتب میں داخل کر کے اسباق میں مصروف کرویا۔ پہلے سال میں قرآن مجید یاد کیا،
 چند ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ دوسرے برس متوسط کتابیں پڑھ لیں، آپ کا قوت حافظہ
 اتنا مضبوط تھا کہ آپ جو کتاب پڑھتے ازبر ہو جاتی۔

اس کے بعد مزید علم کے حصول کے لئے آپ مولانا جمال الدین ہندوستانی کے
 پاس حاضر ہوئے۔ ان کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہری سے آراستہ ہو گئے۔ آپ تقریباً
 سات برس ان کے پاس رہے۔

علوم متداولہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حصول معرفت میں کوشاں ہوئے۔ آپ
 خود فرماتے ہیں، روحانی بے قراری اور بے چینی بہت پریشانی کرتی، اور حصول علم کے
 بعد بھی اطمینان قلب میسر نہ تھا۔ آپ نے اُس وقت کے ایک جامع شریعت و طریقت
 عالم جناب ملا سنجہ صاحب کی خدمت میں اپنی اس پریشانی کا اظہار کیا۔ حالانکہ اس
 وقت آپ کے بیسیوں شاگرد تھے اور آپ کے علم و فضل کا کافی شہرہ ہو چکا تھا۔ جناب
 ملا سنجہ صاحب، جناب اخوان صاحب کو لے کر حضرت شیخ الاسلام والمسلمین جابین
 حضرت عوث اعظم جناب سید علی ترمذی المشہور پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت
 میں حاضر ہوئے۔ جناب اخوان صاحب نے اپنے علم، زہد، ریاضت اور عبادت کا

تمام حال عرض کیا اور ساتھ ہی اپنی پریشانی کا بھی تذکرہ کیا۔ جناب پیر بابا صاحب نے
مہربانانہ انداز میں فرمایا۔

”شیخ کامل افغان گشتہ“

یعنی افغانوں کے شیخ کامل بن گئے ہو۔ مگر ارشاد فرمایا

”اما خوب نرفتنہ پچہ اقدام نمودن بر ریاضت بے اذن شیخ فانی فی اللہ عاقبت

آدمی را بضالت اندر آرد، زیرا کہ بتندی را باید کہ اول علم نہد و ریاضت
برہندی بجا آرد کہ از گفتار و کردار حضرت خیرالمشر علیہ الصلوٰۃ والسلام معلوم باد

یعنی یہ طریقہ صحیح نہیں اس لئے کہ بغیر شیخ کامل کی اجازت کے نہ بدو ریاضت کا

انجام گرا ہی کے کھڑے میں گرنا ہوتا ہے۔ لہذا بتندی کو چاہیے کہ نہ بدو ریاضت اس

طریقے پر کرے جو طریقہ جناب سید پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور یہی ^{اصح} ہے

فرمائیں۔ اور اس کے بعد خون صاحب سے تجدید توبہ کر وائی، اور نماز باجماعت ایام

بیض کے روزے۔ صلوٰۃ اوابین، اور دیگر واجبات و سنن پر مستقیم رہنے کی تاکید فرمائی

ان خون صاحب فرماتے ہیں۔

”اگرچہ در انواع این معاملات پیش ازین نیز مستقیم بودم۔ اما حضرت ایشان

از جنت سقوط این شرائط از ذمہ خویش فرمودند۔

تقریباً پانچ برس کے بعد حضرت علامہ مولوی حاجی محمد صاحب المشہور زنگی پاپی

کو وسیلہ بنا کر جناب ان خون صاحب نے پھر درخواست پیش کی، اور عرض کیا۔ ”علم ظاہر

سے آراستہ ہوں، عبادت پر استقامت حاصل کر چکا ہوں، اب ذکر الہی کی تلقین کی

جائے۔ جناب پیر بابا صاحب نے آپ کی درخواست قبول کرتے ہوئے طریقہ عالیہ
 چشتیہ میں داخل کر کے "ذکر الہی" کی تلقین کی اور فرمایا۔ "اس وقت کا انتظار کرو جب
 تمہارا قلب ذکر الہی سے معمور ہو جائے، تو تم مٹھان ہو جاؤ گے" آپ کو ذکر الہی میں اتنا
 حضور حاصل ہو گیا کہ آپ کئی طور پر مٹھان ہو گئے، اور شیخ کامل کی توجہ سے بہت حضور
 عرصہ میں مقامات جلیلہ و عظیمہ آپ کو نصیب ہوئے۔ حضرت پیر بابا صاحب نے
 آپ کو فرمایا کہ علوم متداولہ کی تمام کتابیں تم نے پڑھ لیں ہیں، تصوف کی بھی چند کتابیں
 پڑھو تاکہ طلباء تصوف کو بھی فائدہ پہنچا سکو، چنانچہ جام جہاں نما، دیوان انوار خواجہ قاسم
 لمعات، لوائح اور دیگر تصوف کی کتابیں حضرت پیر بابا صاحب سے سبقاً سبقاً پڑھیں
 آپ نے اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر روحانی تربیت حاصل کی اور اوراد و اشعار
 کو مکمل کیا، تو جناب پیر بابا صاحب نے آپ کو ارشاد فرمایا کہ اب بلا و وامصار میں
 جاؤ۔ "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کرو۔ نیز مختلف ممالک کی سیاحت کرو۔

چنانچہ حضرت انھن صاحب خود فرماتے ہیں

پس بنا بامر حضرت شیخ از وطن و مکان خویش پیوند بریدم و اطراف
 عالم رو بہاوم۔

آپ نے ایک طویل سفر اختیار کیا، راستے میں تبلیغ اسلام، اشاعت سنت رسول کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم مناسی بدعات و رسوم کرنے ہوئے "قاشقار" پہنچے۔ ان و شوار گزار
 پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے وارو "دکشمیر" ہوئے۔ اور پھر واپس لوٹے، اشعار سفر میں بھی
 آپ علماء، صلحاء اور فقہار سے استفادہ حاصل کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں جناب
 فضیلت مآب حضرت ملا یاسی صاحب کی خدمت میں رہ کر خوب فیض پایا۔ فرماتے ہیں

سوالات واضح نمودہ ودلیل گشتہ فارامعدن علوم حقیقی رہا نید۔

جب واپس اپنے شیخ کی خدمت بابرکت میں پہنچے تو حضرت پیر بابا صاحب نے ہر چہ سار سلسلے میں آپ کو ماذون اور محتعن فرمایا۔ (یعنی سلسلہ ہشتیہ کاسہرورہ کبریہ اور شطاریہ میں) اور سلسلہ عالیہ منصورہ علاچیہ میں اجازت مرحمت نہیں فرمائی فرماتے ہیں۔

”اما این فقیر بشریف این (یعنی منصورہ علاچیہ) اذن مشرف نشدہ“

ماذون اور صاحب اجازت ہونے کے بعد آپ مسند آملی شریعت و حقیقت ہو کر علم ظاہری و باطنی کی اشاعت میں مصروف ہو گئے۔

حضرت انخون صاحب کا دور فرض و بدعت اور الحاد و زندقہ کا دور تھا شیخ الاسلام والمسلمین حضرت پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ آپ نے بھی سر و سر کی بازی لگا کر اس الحاد و زندقہ کا مقابلہ کیا۔ اگر اس دور میں جبکہ ہر طرف مذہب سے آراوی کا رواج تھا اور خصوصاً اکبر جیسا دین اسلام سے برگشتہ بادشاہ تھا۔ اگر حضرت پیر بابا صاحب کی شخصیت اس غیر متدن اور وراقتادہ علاقہ میں تبلیغ نہ فرماتے تو اس وقت یہ اسلام جو اپنی صورت میں نظر آتا ہے کبھی کا ختم ہو گیا ہوتا۔ انخون صاحب خود فرماتے ہیں

”اگر دوران حضرت شیخنا دین حدود نبوی سے معلوم نیست کہ فردے از افراد

این مردم مسلمان ماندے“

آپ نے ان تمام جماعتوں، بے پیریوں، بے عمل علما و ربذنی مشائخ کے خلاف عملی قدم اٹھایا۔ ان لوگوں کی دین اسلام سے بے سروبی کو اسلام کے لئے ایک خطرہ عظیم سمجھ کر ایک مرد حق کو اور مرد خدا کی طرح اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اپنے شیخ کے ارشاد پر

عمل پیرا رہے۔ اور ان منکرین کے خلاف جہاد با القلم اور باللسان اس سرمد تک
جاری رکھی۔

اس وقت جن گراموں کے خلاف آپ نے قدم اٹھایا، بحث و مباحثہ کیا، ان میں
سے مشہور ترین پیر پہلوان، بابا قلندر رافضی، پیر طیب غلجی، پیر ولی بڑچی یا بھڑاچی، کپڑا
ملا رکن الدین۔ شیخ حسن تیراہی، خواجہ خضر افغانی، حاجی محمد، حاجی عمر عوردی خیل، شیخ
قاسم عوردی خیل، بایزید انصاری الملقب پیر روشن المعروف پیر تاریک، پیر قاسم لوگ خیل
آپ نے ان میں سے دو فرقوں کے خلاف اپنے شیخ کی معیت میں اور ان کے انتقال
کے بعد بہت کام کیا۔ آپ اتنے مشہور ہو گئے کہ جب بھی کوئی عقائد کا دعویٰ وار پیدا
ہوتا تو اس علاقہ کے لوگ آپ کو بلا کر تمام علاقہ کے لوگوں کو جمع کر کے، اس شخص کے
ساتھ آپ کی گفتگو کرتے، اگر وہ طریقہ اہل حق اہل سنت و جماعت پر ہوتا تو بہتر اور نہ
اس کو وہ لوگ اپنے علاقہ سے نکال دیتے، فرماتے ہیں۔

افغانان این ایام را نیز سند بر این بویچہ ہر گاہ کہ شیخ و عالم دران ایام در میان
ایشان پیدا شدے تا از نظر حضرت شیخنا و امامنا و از نظر فقیرہ گذشتی ایشان
اقوال و افعال اور قبول نمیکردے بل بعضی کہ خدایان اولس جمع شدہ ما و
او تو آئندہ را از بہر بحث و امتحان احوال یکجا کردندے تا کیفیت احوال معلوم
شدے۔

وہ فرقے جن کے خلاف آپ نے سختی سے قدم اٹھایا، ایک کا پیشوا میر قاسم تھا، یہ
شخص رافضی تیراہی تھا۔ اور دوسرا بایزید انصاری الملقب پیر روشن المشہور پیر تاریک تھا۔

۱۰ حضرت انون صاحب کے استاد حضرت ملا صاحب پاپیتی نے اس کا نام پیر تاریک رکھا۔

اخون صاحب نے تین بار اس شخص سے مناظرہ کیا۔ ہر بار اس نے شکست کھائی
آخر چوتھی بار فیصلہ کن مباحثہ کے لئے آپ گئے تو وہ سامنے نہ آیا۔

بقول آپ کے پیر تارکی شریعتِ اسلامیہ کے بنیادی اصولوں کا منکر تھا۔ سنت
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تارک تھا۔ سرورِ مہدی تھا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کا تارک کرنا تھا
نیز اس شخص میں اتنی استدراجی قوت تھی کہ ہزاروں لوگ اس پر قربان ہوتے تھے۔ اس
نے اپنے پیروں کی باقاعدہ تنظیم کی ہوئی تھی۔ وہ خود اور اس کے خلفاء جن میں فصیح شاکر
بھی تھے اس کے خیالات کی تبلیغ کرتے۔ اس نے خود بھی عربی، پشتو میں کتابیں لکھیں۔
بہت ہی موقع شناس اور فہیم تھا۔ جب پیر بابا صاحب اور اخون صاحب کی
گوشدشوں سے اس کا مذہبی تقدس بے نقاب ہو گیا اور لوگ اس کی گمراہی سے واقف
ہو گئے تو اس نے یک دم مذہب کے لباس کو سیاست کے لباس میں تبدیل کر دیا۔
اور نیم فوجی تنظیم اپنے معتقدین کی بنالی۔ یہ اس کا امام تھا۔ قافلوں کو ٹوٹنا۔ حاجیوں کو
ٹوٹنا، بے گناہ مسلمانوں کو تاراج کرنا اس جماعت کا کام تھا۔ آخر دلی کی حکومت اس
کی خود سہری سے متاثر ہوئی۔ اور کافی عرصہ تک دلی حکومت کو انھوں نے پریشان رکھا۔
اگرچہ مذہبی اعتبار سے حضرت پیر بابا صاحب اور اخون صاحب کے بھٹا و مباحثہ
اور مناظروں نے اس کو ختم کر دیا تھا۔ مگر سیاسی اعتبار سے مغللوں کے خلاف پٹھانوں
کو لڑانے میں بہت مضبوط رہا۔ اگرچہ یہ پٹھان نہیں تھا، مگر پٹھانوں کا لیڈر ضرور بن گیا
یہی اس کی کمال دانشمندی اور ہوشیاری تھی۔

ایک اور شخص جس کا مقابلہ اخون صاحب کو کرنا پڑا وہ میرت اسم تھا۔ علی الاعلان
اصحابِ ثلاثہ پر تبرا کرتا۔ امامت کے بغیر نبوت کو بے کار سمجھتا۔ جبراً لوگوں سے اپنے

خیالات منواتا۔ شہباز قلندر کا پیرو ہونے کا دعویٰ کرتا۔ آپ نے اس کے ساتھ بحث
مباحثہ کر کے لاچار کر دیا۔ غرضیکہ ان کے پیچھے جا جا کر عقلی اور علمی لحاظ سے ان کے عقائد
باطلہ کو عوام کے سامنے بے نقاب کر دیا۔ آخر آپ نے اپنی تمام تصانیف میں (جو غالباً
بیس کے قریب ہیں اور جن میں سے پانچ تو چھپ چکی ہیں) ان لوگوں کے اعمال و افعال
اٹھان کے اسلامی اصولوں کے خلاف سرگرمیوں کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان
کیا اور پھر عقلی طریقہ پر ان کا رد بھی کیا۔

اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو نصیحت بھی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: "ان
ظاہری ریا و نمائش کو چھوڑ دو۔ یہ غیب دانی، غیب گوئی اور استدراجی قولوں سے لوگوں
کو نہ بہکاؤ، بلکہ قرآن و سنت کے پیرو بن جاؤ، اور جناب حضرت شیخ الاسلام و امین
سید علی ترمذی المعروف پیر بابا صاحب جیسے پیر کامل کے آگے زانوئے ادب طے کرو،
تاکہ اسلام، قرآن اور حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھ سکو۔ بدعتوں کو روہل کو
اور خلاف شرع محمدیہ طریقوں کو چھوڑ دو" یہ وہ تعلیم تھی جس کی طرف اخون صاحب نے
دعوت دی۔ اُس وقت کے نام نہاد پیر، اور گندم نما جو فروش معلمین نے آپ کی پوری
مخالفت کی اور ہر ممکن طریقہ پر آپ کو بدنام کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ آپ
کو "شمن اہلبیت" کے نام سے پکارا، مگر آپ حق و راستی کا پیغام بغیر کسی خوف و حزن
کے پہنچاتے رہے اور عقائد باطلہ کا مروانہ وار مقابلہ کرتے رہے۔ جناب اخون صاحب
باوجود انتہاک مسلسل تبلیغ کرنے کے شب بیدار تھے۔ اپنے واد و وظائف کے اوقات
میں غسل پڑھنے نہ دیتے۔ خشیت الہی کا یہ عالم تھا کہ جب بھی ذکر الہی کرتے تو آنسوؤں
سے ڈاڑھی تریز ہو جاتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اتنی غالب تھی کہ آپ اکثر

دور و شریف ہی پڑھتے رہتے، اور آپیں بھر بھر کر دیتے۔ آپ کے تصوف پر آپ کا علم غالب تھا۔ آپ سے کشف و کرامات کا صدور ہوا مگر کبھی بھی اپنی طرف ان کی نسبت نہیں کی۔ اس کی یہی وجہ تھی کہ فقہ و سنن کا دور تھا۔ لوگوں میں علم کی سیاب تھا۔ جس شخص سے بھی کوئی ترقی عادت دیکھ لیتے بس اس کی پرستش شروع کر دیتے، اسی لئے آپ نے ان امور کو بہت چھپایا۔ آپ کے مخالفین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ کرامات اولیاء کے منکر تھے۔ مگر یہ آپ پر سراسر الزام اور بہتان ہے۔ بلکہ آپ تو فرماتے ہیں کہ میرے پیرو مرشد حضرت پیر بابا صاحب نے فرمایا کہ اب جبکہ آخری بار پرورش المعروف پیر تارک سے بحث ہو تو اس دفعہ کرامات کا اظہار کر کے اس کو خائب کر دوں گا۔ انشاء اللہ مگر وہ سامنے نہ آیا۔ اور آپ نے حضرت شیخ سیارہ اور اپنے پیرو مرشد کی کتنی ہی کرامات کا ذکر مختلف مقامات پر کیا ہے۔ تذکرۃ الابرار ص ۱۰ پر فرماتے ہیں۔

”اگرچہ اولیاء اللہ کشف و کرامات یا شد اما دعویٰ نمی باشد، چہ ایشان مامود بہ احتفاء اند“

جناب انجمن صاحب نے بہت کتابیں لکھیں مگر خصوصاً یہ رہ سکیں ضائع ہو گئیں یا ایسے لوگوں کے پاس ہیں جو کسی کو دکھانا بھی گوارا نہیں کرتے۔ آپ کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا علم بہت تھا، مطالع و سیخ تھا اور علوم متداولہ کے ہر ایک فن پر آپ کی نظر تھی۔ عقائد باطلہ کے رد میں آپ نہایت ہی متشدد و بوجاتے اور اسی تشدد کی وجہ سے بعض اوقات آپ انجمن کے دامن کو ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں اگر آپ کی طبیعت میں مخالفین کے خلاف انتہا پسندی نہ ہوتی تو یقیناً مخالف بھی آپ

کے علم و استقامت کی تعریف کئے بغیر نہ رہتا۔ آپ کی کتابوں میں یہ تشدد نمایاں ہے۔

آپ کی تصانیف جو کہ شائع ہوئی ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ تذکرۃ الابرار والاشرار : یہ کتاب جیسا کہ اس نام سے ظاہر ہے، علماء متقیین، اولیاء اللہ اور (بقول ان کے) اس وقت کے ملحدین کے حالات پر مشتمل ہے، اس میں پہلے تذکرہ میں جناب حضرت پیر بابا صاحب کا ذکر خیر ہے، دوسرے تذکرے میں افغان قوم کی تاریخ، کہ اس قوم کی ابتداء کیا ہے۔ اور کس طرح مختلف ملکوں کے تحت ہوئی۔ ماہیت النساب کا بیان، اور اپنا اس قوم سے تعلق، اس کے بعد سلسلہ ہائے طریقت کا ذکر، تیسرے تذکرہ میں ان تمام (بقول ان کے) اشقیاء اور ملحدین کا ذکر ہے جن کے ساتھ آپ کے پیر و مرشد یا آپ نے بحث و مناظرہ کئے۔ یہ کتاب ۲۳۵ پر مشتمل ہے اور آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالکریم صاحب نے تصحیح کی ہے۔

۲۔ ارشاد الطالبین : یہ کتاب ساڑھے پانچ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کتاب میں چار ابواب اور ایک خاتمۃ الکتاب سے پہلے باب میں چار فصلیں ہیں۔ پہلی فصل توحید، دوسری ایمان، تیسری وضو اور چوتھی نماز کے بیان پر مشتمل ہے۔ دوسرے باب میں بھی چار فصلیں ہیں۔ پہلی فصل توبہ، دوسری علامات پیر کامل، تیسری علم اور چوتھی ذکر الہی کے بیان پر مشتمل ہے۔ تیسرے باب میں کوئی فصل نہیں اور اس باب میں سیر سلوک یعنی سیر من اللہ، سیر فی اللہ، اور سیر مع اللہ کا بیان ہے، چوتھا باب پھر چار فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں اخلاق حمیدہ، دوسری میں اخلاق ذمیہ، تیسری صبرا اور چوتھی فصل میں شکر کا بیان ہے۔ خاتمہ میں فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل علامات قیامت دوسری کیفیت استخوان مخلوق، اور تیسری فصل میں مختلف مسائل ہیں۔

۳۔ ارشاد المریدین : آپ نے اس کتاب کی ضرورت کی وجہ یہ لکھی ہے کہ پیر اور مرید دونوں صحیح طریقہ طریقت اختیار کریں، ملاحظہ کی اطاعت نہ کریں۔ نیز مشائخ طریقت کا حصول کیسے ہو سکتا ہے اور وہ کیا ہے۔ آپ کتاب کے پہلے چھ میں لکھتے ہیں۔

”می خواہم کہ رسالہ جامع لطائف احوال و اسرار اہل سائیم بجمادات واضح کتاب اسرائیل سعادت و دیانت باشد و دریا بد کہ طریقت حصول مشائخ چہ بود است و چہ گونہ است“

یہ کتاب ایک مقدمہ، سات نکات اور خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ میں مریدین کے استغاضہ کرنے کا بیان ہے۔ اور پیران متقدیمین کے اس طریقہ کا بیان ہے جس سے ہزاروں لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ نکتہ اول میں حصول طریقت کے لئے شریعت کتنی اہمیت کی حامل ہے، کا بیان ہے۔ نکتہ دوم میں وہ فوائد جو نکتہ اول سے مترتب ہوتے ہیں۔ نکتہ سوم، صوفی، شیخ، پیر، درویش اور مرید وغیرہ اسماء و احوال طریقت استعمال کرتے ہیں۔ ان کا استنباط کہاں سے ہوتا ہے اور ہوا ہے بیان کیا گیا ہے۔ نکتہ چہارم میں مرتبہ پیر کا حصول، اور اس کے شرائط کا بیان ہے۔ نکتہ پنجم ایمان لانے کا بیان ہے۔ نکتہ ششم میں بعض اذکار متداولہ کا بیان ہے۔ نکتہ ہفتم نماز کے بیان میں ہے۔ خاتمہ دیگر متعلقات طریقت کے بیان پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب علم تصوف میں ایک بلند پایہ کتاب ہے۔ اور خصوصاً اس کتاب کا مقدمہ مسائل توحید باری تعالیٰ میں اپنی نظر آتی ہے۔

۴۔ مخزن الاسلام : آپ کی یہ کتاب ادھوری رہی، مگر آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے اس کو مکمل کیا۔ صرف یہ کتاب پشتو زبان میں ہے۔

اور باقی تمام کتابیں فصیح و بلیغ فارسی زبان میں ہیں۔

مخزن الاسلام کے متعلق جناب مفتی غلام سرور صاحب لاہوری تحریر فرماتے ہیں کہ
 ”مخزن الاسلام کتاب ہے است کہ اور مولانا بزبان افغانی (پشتو) تالیف
 نمونہ است۔ امانا تمام مائداً و بعد ایشان مولانا عبدالکریم پیر شمس آن کتاب
 بہ تمام رسائید۔“

اس کے بعد اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”آپ نے از تالیف مولانا است و روی حقائق و معارف تذکرہ احکام شریعت
 بسیار است، و آنچه از تالیف پیروی است و رو اکثر حقائق و معارف
 مذکور است۔“

نیز اسی کتاب مخزن الاسلام کی شرح کلمات الوافیات صاحب معارج الولاہیت
 نے لکھی ہے۔

۵۔ قصیدۃ الامالی کی شرح فارسی زبان میں آپ نے لکھی۔ حقائق پر یہ کتاب عربی نظم
 میں ہے اور آپ نے فارسی میں شرح نثر میں لکھی ہے۔

۶۔ شرح اسرار المحسنی : اللہ تعالیٰ کے ۹۹ ناموں کی شرح فارسی میں لکھی ہے
 آپ کی شخصیت پر مولانا مفتی غلام سرور صاحب لاہوری تبصرہ فرماتے ہیں کہ

”جامع علوم ظاہر و باطن بود، و جمال ولایت خود را در پرده تدریس و تعلیم
 و ملائی پوشیدہ می داشت، و در دفع زناوہ و ملاحظہ و رفضہ بسیار می کرد
 و ہر جا کہ می یارافضی شنیدے نزد او رسیدے۔ و با او تذکرہ کرے و اورا

ملزم ساتھ تھے۔

آپ کے ایک فرزند جناب مولانا مولوی عبدالکریم صاحب بھی بہت فقیر عالم تھے اور حضرت پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرید تھے۔ تکمیل علوم اپنے والد ارشد صاحب سے کی۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے۔

”از محققان ابن طائفہ و عارفان این جماعت است، صاحب شریعت و طریقت

و حقیقت بود۔“

یعنی صوفیائے کرام اور عارفان الہی کی جماعت کے آپ بھی ایک فرد تھے۔ صاحب شریعت، طریقت اور حقیقت تھے۔ آپ کو خود کرید اور بھی کہتے ہیں۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء خلاصۃ البحر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

”ور کتاب خلاصۃ البحر“ محقق افغانستان ”مخاطب سنت“

آپ محقق افغانستان کے نام سے لقب تھے۔ اپنے والد کی کتاب ”مخزن الاسلام“ کو تکمیل کیا۔

حضرت اخوند درویش صاحب کامزرا پشاہی مشرق کی طرف ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور مرجع عوام ہے۔ آپ کے مزار کے گرد میلوں میں پھیلا ہوا قبرستان بھی آپ کے نام سے موسوم ہے۔

اس وقت تک آپ کے مزار کے احاطہ میں کوئی عورت داخل نہیں ہوتی، باہر سے کھڑے ہو کر عورتیں فاتحہ پڑھتی ہیں۔ پشاور میں یہ بات عام طور پر موجود ہے کہ جو بچہ غبی یا کند ذہن ہو، جس حافظ قرآن کو قرآن حفظ نہ ہوتا ہو وہ آپ کے مزار پر جا

تین یا پانچ یا سات جمعرات قرآن پڑھے، اللہ کے فضل سے اس کی زبان رواں رہتی
 جاتی ہے۔ آپ کی وفات ۱۰۳۸ھ میں ہوئی۔
 اور آپ کے صاحبزادہ عبدالکریم کی وفات ۱۰۶۲ھ میں ہوئی اور ان کا مزار
 علاقہ یوسف زئی میں ہے۔

حضرت شیخ المشائخ شیخ رحمکار صاحب المعروف کا کاہنا

۹۸۳ھ تا ۱۰۶۳ھ

آپ کا اسم گرامی رحمکار، والد کا اسم شریف شیخ بہادر المعروف ایک بابا صاحب،
 دادا کا نام مست بابا صاحب اور پروا کا نام غالب بابا صاحب تھا۔ آپ تمام صوبہ
 سرحد اور اکناف و اطراف میں کا کا صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا لقب
 ”شیخ المشائخ“ تھا۔

شمس العلماء قاضی میر احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکبر لوہروی اپنی کتاب تحفۃ الالباب
 میں لکھتے ہیں کہ ایک رات ایک صاحب نے ایک خواب دیکھی کہ ”میں نے چھوٹا بول کیا۔
 اور اس کی جھاگ میرے سر سے اونچی ہو گئی“ آپ نے محترم جناب انخون پنجو صاحب رحمۃ اللہ علیہ
 کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ انھوں نے فرمایا۔

۱۔ ایک بابا صاحب حضرت انخون پنجو صاحب اکبر لوہروی سے عقیدت رکھتے تھے اور ان کی صحبت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

آپ کی مزار تحصیل نوشہرہ میں کا کا صاحب کی مزار سے چھ میل دور واقع ہے۔ بڑی بابرکت مزار ہے۔

۲۔ مست بابا صاحب، آپ کی مزار بھی تقریباً کا کا صاحب کے مزار سے سات میل دور ہے۔ آپ کی زیارت مرجع ضلالت ہے۔

۳۔ غالب بابا، آپ کی مزار چرٹ کے پہاڑ کے نیچے واقع ہے بڑا دشوار گزار علاقہ ہے، مگر لوگ زیارت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تم کو ایک فرزند مرحمت فرمائے گا۔ اور اس ارط کے کی شہرت اور زندگی بھر سے
 پڑھ چھڑھ کر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بابا کو جناب کا صاحب عطا فرمایا۔ انھوں نے
 صاحب کی خدمت میں آپ کو والد لے کر آئے اور انھوں نے صاحب نے دعائے خیر
 آپ کے لئے فرمائی۔ ابتدائے عمر سے ہی آپ ہونہار، نیک شخصیت تھے۔ آپ کی
 پیشانی سے نور ولایت ہوتا تھا۔ آپ کی نیک طبیعت سے آپ کی والدہ بہت خوش
 تھی اور ہمیشہ آپ کو عافوں سے یاد کرتی اور نصیحت کرتی رہتی۔

آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے استاد انوار الدین صاحب سیمونی جو اللہ دین کے نام سے
 مشہور تھے، نے یا حسن و بچہ کی، اور ظاہری علم کی تکمیل کر لی۔

آپ صاحب نام الدھر، شب بیدار، انتہائی راست گفتار، متواضع، ہنسکسر المزاج، سخی،
 صاحب قلب سلیم، عفاوق خدایہ شفقت کرنے والے، ہر وارد و صادر پر حمدی کرنے
 والے تھے، ہر ایک مرید پر توجہ باطنی فرما کر اس کو محبت الہی میں سرشار فرما دیتے۔ وہ
 مریدین جو آپ سے دود و درمہ تک میں سکونت پذیر تھے ان پر بھی آپ کی توجہات
 باطنی مرکوز رہتی۔

”و بعض از مخلصان حضرت ایشاں را یہ غیب کہ او نشان اگرچہ بعد مکانی و شہنی

مشہور ہندوستان وغیرہ توجہ باطنی اور قدس سرہ فیض می رسیدے، و انہا مستفید

گشتے، و بہ ایشاں فائدہ رسیدہ۔“

یعنی آپ کے بعض مخلصین جو کہ غیر موجود ہوتے بسبب بعد مکانی کے، مثلاً ہندوستان

۱۰۰ موضع اکوٹہ، دریائے گندہ کے کنارے پر آپ کا فرار ہے۔

۱۰۱ مقالات طبییہ و مقالات قدسیہ

وغیرہ میں ہوتے تو آپ کی توجہ باطنی سے ان کو فیض پہنچتا، اور وہ مستفید ہوتے۔“
 آپ تبارک و تعالیٰ کے زاہد مترجم، قرآن مجید کے بحرِ فخر و حقائق و معرفت کے
 روز و اسرار کے واقف تھے۔ صاحب مقامات قطبیہ و مقالات قدسیہ آپ کی تعریف
 میں لکھتے ہیں۔

حضرت ایقان اور علم الیقین و حق الیقین و عین الیقین حنظل عظیم و علم کامل
 ہو، و وہیں مقامات و رک وافر می داشت۔“

یعنی حضرت کا صاحب علم الیقین، حق الیقین اور عین الیقین کا کامل و مکمل علم
 رکھتے تھے اور ان سے اور ان کے مقامات سے بہت عظیم اور دافر واقفیت کے
 مالک تھے۔ صاحب علم لدنی تھے۔ آپ کی نظر کیمیا اثر تھی، آپ مستجاب الدعوات تھے
 انتہائی یک سو، گوشہ نشین اور کم گو تھے۔

حضرت کا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی کے دست گرفتہ نہیں تھے۔ آپ کا طریقہ
 اولیٰ تھا۔ صاحب مقامات قطبیہ و مقالات قدسیہ فرماتے ہیں

۱۰ ایضاً ص ۷

۱۱ آپ کے فرزند میاں عبدالعلیم صاحب مقامات قطبیہ و مقالات قدسیہ ص ۱۱ پر لکھتے ہیں، کہ ایک روز
 میں نے اپنے شیخ سے عرض کیا۔ ”کہ یا حضرت شیخ، پیر شاکعیست“۔ آپ کا پیر کو کہا ہے تو فرمایا۔ ”درد
 خواہم دید“۔ اور اکثر اوقات یہ بھی کہتے۔ ”شیخ بشیخان بخشیدم، و پیری یہ پیراں بخشیدم و سوا کہ سبارکنا
 بخشیدم و تصوف بھو فیماں بخشیدم، ذمن برآئم کہ اللہ تبارک تعالیٰ زنجیر بندگی در گردن من انداختہ و
 نو تعالیٰ زنجیر از گردن من بردارند“

۱۲ ۱۹ ص ۱۹ مصنف میاں عبدالعلیم صاحب فرزند ارجمند کا صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

”اویسی طریقہ واثقت ، نوازشش زہنی یافت“

یعنی اویسی طریقہ رکھتے تھے ، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت سے سرفراز
کئے ، ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

”پس طریقہ حضرت اویسی بود ، و مرئی او نور حضرت نبی بود صلی اللہ علیہ وسلم“
یعنی آپ کا طریقہ اویسی تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک آپ کی پرورش
کرنا تھا۔

آپ کے فرزند جناب میاں عبدالحلیم صاحب فرماتے ہیں کہ ”اگرچہ آپ نے
کبھی نہیں فرمایا۔ مگر میرے خیال میں آپ اپنے والد حضرت شیخ بہادر صاحب رحمۃ اللہ
سے سلسلہ سہروردی کی نسبت رکھتے تھے۔

”بخاطر می رسید کہ بطریقہ سلسلہ سہروردی از جناب پدر خود شیخ بہادر
ہم نسبتی وارو ، و از قول صریح اوقدس سرہ طریقہ اویسی معلوم شدہ است“
آپ نے اپنی عبادت کا مقام اپنے والد گرامی کی قبر مبارک پر مقرر کیا ، اور جتنا بھی
آپ کو فیض حاصل ہوا اور فتوحات و برکات ملے یہ سب اپنے والد عالی مرتبت کی
قبر مبارک سے حاصل ہوئے۔ آپ سے اتنی کثرت کے ساتھ کرامات
کا صدور ہوا کہ ان کے جمع کرنے کے لئے پورا ایک دفتر چاہیے۔ اس وقت آپ کی قبر
مبارک سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ آکر فیض حاصل کرتے ہیں۔ میاں عبدالحلیم صاحب
لکھتے ہیں۔

بعد وفات و رحلت حضرت ایشاں بسیار کسان فیض پایافتہ و می یابند بدستور

۱۰ ایضاً ص ۲۰ ۱۱ ایضاً ص ۲۱ ۱۲ ایضاً ص ۲۲

بعض را اور خواب ، وبعض را اور حضور مزار حضرت ایشاںؓ۔

یعنی آپ کی وفات کے بعد بہت لوگوں نے آپ سے فیض حاصل کیا ہے اور
 کہہ رہے ہیں ، بعض کو تو خواب میں بھی آپ نے فیضیاب کیا ہے اور آپ کے مزار ثمر لیا
 پر بہتوں کو فیض حاصل ہوا ہے۔

حضرت شیخ دریا صاحب ساکن چمکنی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا
 کہ حج کا ارادہ ہے اجازت مرحمت ہو، آپ نے اجازت نہ دی ، میں چار بار ایسا ہی ہوا
 آخر ایک بار آپ نے ان کو اجازت دے کر فرمایا۔

”یا شیخ دریا۔ این دیدن مثل دیدن قیامت می نماید“

یعنی یہ ملاقات اس طرح معلوم ہوتی ہے جیسا کہ قیامت کو ملاقات ہو۔ حضرت
 شیخ دریا صاحب حج سے فارغ ہو کر جب قندھار پہنچے تو وہاں پر پتہ چلا کہ حضرت
 کا صاحب کا انتقال ہو چکا ہے۔ آپ کو بہت صدمہ ہوا اور آپ کے اس کشفی قول
 کو یاد کر کے روتے تھے۔

فقیر جمیل بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مجھے حضرت کا صاحب نے
 تین راتوں سے آگاہ کیا ہے ، اور وہ ایسے رات ہیں کہ میں ان کو ظاہر نہیں کر سکتا ہوں
 اور اگر ظاہر کروں تو اس میں میری ہلاکت ہے۔

”ادنیٰ اذال این است کہ شیخ جی صاحب فرمودہ کہ ہر وقت من انگشت فرمود

۱۔ حضرت شیخ دریا صاحب کی مزار چمکنی کے باہر ہے۔ شیخ دریا صاحب پہلے حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ
 کے مرید ہوتے ، پھر کا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر خلافت سے نوازے گئے۔ یہ بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے۔

”نہم از مشرق و مغرب کل جہان بتصرف من می آید“

یعنی اس راز کی ادنیٰ بات یہ ہے کہ حضرت کا صاحب فرماتے تھے، کہ اگر میں اپنی توانگی کو برقرار رکھ دوں تو تمام جہان میرے زیر نگیں ہو۔“

آپ وفات سے ایک سال پہلے سے علیل رہتے تھے۔ مگر باوجود علیل رہنے کے آپ نے نماز قضا نہیں کی۔ اکثر اوقات قیام کی طاقت نہ رکھتے تو دو آدمی آپ کے بازو پکڑ کر آپ کو کھڑا کر دیتے، پھر آپ نماز کی تکمیل کر دیتے۔ اپنے معمولات کو آخری وقت تک پورا کیا۔

۲۲ رجب ۱۰۶۳ھ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے جب امام منبر پر خطبہ پڑھنے کے لئے نکلا۔ آپ کی روح نفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

آپ کی عمر اسی برس تھی۔ گویا آپ کی پیدائش ۹۸۳ھ میں ہوئی۔ آپ کے پانچ فرزند تھے۔ آزاد گل صاحب، محمد گل صاحب، خلیل گل صاحب، عبدالعلیم صاحب، نجم الدین صاحب۔

آپ کی اولاد میں علماء، فضلاء اور صاحبانِ دولت و حکومت ہیں، عوام میں اور خصوصاً علاقہ خشک میں آپ کی اولاد کو بڑی قدر و منزلت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔

آپ کے بہت خلفاء ہیں ان میں یہ خلفاء بہت مشہور ہیں جو صاحبانِ علم و فقہ اور صاحبِ کرامات تھے۔

غازی خان صاحب، عزیز شیخ صاحب، عبدالرحیم مشہور، شیخ رحیم خشک علی گل و

ملی گن (یہ دونوں آپ کے خاص خادم بھی تھے، ان دونوں کی قبریں بھی آپ کے روضہ
 میں ہیں)۔ فقیر صاحب شنگی، شیخ جمیل صاحب یہ خوشحال خاں خٹک جو کہ مشہور شاعر
 اس کا بھائی ہے اور آپ کا مرید ہونے کے بعد فقیر جمیل بیگ کے نام سے مشہور ہے۔
 یہ خٹک قوم کا امیر تھا۔ میرزا گل صاحب یہ ولی کامل تھے۔ شیخ بابر صاحب دریاخان
 صاحب چمکنی، شیخ فتح گل صاحب، شیخ اوین صاحب، شیخ کمال صاحب، شیخ حیات
 صاحب، پیر میاں حاجی صاحب، احسن بیگ صاحب، اخوند ہلال صاحب یہ قلندری
 تھے۔ اخوند اسماعیل صاحب۔

حضرت شیخ المشائخ حاجی محمد اسماعیل ٹوڑی رحمۃ اللہ علیہ

۹۹۶ھ تا ۱۱۱۱ھ

آپ کا نام گرامی محمد اسماعیل ٹوڑی ہے، تحصیل علم کے بعد آپ نے بہت اقلیم کا سفر اختیار کیا۔ عربین الشرفین بغداد شریف، کربلائے معلیٰ، بسطام بخارا یعنی تمام ممالک پھرتے ان ممالک کے علماء، مشائخ اور فقہار کو ملے۔ اور طریقہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کے کامل ترین افراد سے مل کر روحانی فیوضات کا وافر حصہ پایا اور نہایت ہی مستفید و مستفیض ہوئے۔ اس کے بعد ہندوستان کا سفر کیا، اور لاہور پہنچ کر حضرت شیخ سعدی لاہوری سے بیعت کر کے سلوک و معرفت کی تکمیل کی۔ آپ نے جناب محمد اسماعیل صاحب کو صاحب مجاز اور معین کیا اور وصیت کر دی کہ ”کسب معاش کر کے وزی حلال کھاؤ، اور اللہ ورسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرو“ آپ نے اپنے پیرو مرشد کے شیخ حضرت سید آدم ٹوڑی کی صحبت کی کیا اثر سے بھی فائدہ حاصل کیا۔ صاحب

۱۔ حضرت شیخ سعدی لاہوری، حضرت سید آدم ٹوڑی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم تھے۔ شیخ سعدی لاہوری کی پرورش بھی سید آدم ٹوڑی کی تھی۔ پھر مرید اور خلیفہ بنایا۔ آپ ماوراء النہر تھے اور طریقہ قادریہ کی بھی رکھتے تھے۔ صاحب کرامات و اخلاق حمیدہ تھے۔ اپنے شیخ کی صحبت کو ایمان سمجھتے تھے۔ بروز بدھ ۳ ربیع الثانی ۱۱۰۸ھ میں وفات پائی۔

خزینۃ الاصفیاء فرماتے ہیں۔

”صحبۃ کیمیا خاصیت حضرت آدم ہنوز ہی ہم فائز گشتہ“

نیز آپ کے پیرو مُرشد کے پیر بھائی حضرت یار محمد گل ہماری سے بہرہ کامل اور فائدہ
 وافر حاصل کیا۔ اپنے مُرشد کے ارشاد کے مطابق پشاور میں آکر تجارت شروع کی اور سلسلہ
 عالیہ نقشبندیہ کی ترویج و اشاعت میں بھی منہمک ہو گئے۔ خوردہ فروشی کی دکان کر لی تاکہ
 رزقِ حلال حاصل ہو اور عبادت کے لئے مسجد مہابت خاں کو منتخب کیا۔ صاحبِ روضۃ السلام
 شیخ شرف الدین کاشمیری فرماتے ہیں کہ آپ مسجد مہابت خاں پشاور میں جب فکر و عمراہ
 میں مشغول ہوتے تو باوجود اتنا پختہ اور مضبوط عمارت ہونے کے ملنے اور حرکت کرنے لگتی،
 ان کے الفاظ ہیں

”آجنا بے مسجد مہابت خاں کہ عمارتش در سنگینی و استحکام ثانی نہ دار و با چون نیکو

مراقبہ مشغول می شد مسجد بچنبش می آمد“

غزنی بخارا اور قندھار سے لوگ آکر آپ سے بیعت ہوئے اور اس علاقہ میں آپ
 سے بھی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی خوب اشاعت ہوئی۔ سنت مبارکہ سید و عالم صلی اللہ علیہ
 وسلم کے بہت ہی پابند تھے۔ اگر کسی کو بھی سنت مبارکہ کے خلاف کرتے دیکھتے تو نہایت
 ہی سختی سے منع فرماتے۔ آپ کے اخلاق کا ہر ایک شخص مداح تھا۔ محل و بیرو باری اور عفو و درگزر
 تو کمال درجے کا تھا۔

صاحبِ روضۃ السلام لکھتے ہیں کہ

”خواجہ اسماعیل خوری جامع خوارق و کرامت بود، و ہر چند کہ وی با خفائی خوارق

می گویشید بے اختیار از وی سر می زد“

یعنی آپ شہداء خوارق و کرامت تھے اور اگرچہ آپ کرامات کو ہر ممکن چھپاتے اور اظہار نہ کرتے تھے، مگر آپ سے بغیر اختیار کے کرامات کا صدور ہو جاتا ہے۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء، شیخ شرف الدین سے نقل کرتے ہیں۔

”چوں محراب آن مسجد (یعنی مسجد مہابت خاں) از وقت بنائے مسجد قدس
کچی از سمت قبلہ داشت و بسبب کمنگی شکست و ریخت شدہ بود، ساکنان
آن محلہ رجوع بشیخ اسماعیل آوردند کہ دیں باب توجہ بکار بزند، کہ کچی مسجد را
گردو، و مرمت و شکست و ریخت بوقوع آید، عرض اہل محلہ بمعرض قبول آورد
و آنحضرت دیں باب توجہ بکار برد، و شبان شب کچی مسجد ہم رو برآستی نہاد
و شکست و ریخت عمارت ہم درست گردید۔“

اللہ تعالیٰ نے آپ کو طویل عمر عطا فرمائی تھی۔ بقول مولانا مولوی مفتی غلام سرور صاحب

لاہوری۔

”عمرے طویل داشت بیک صد و پانزہ سالگی رسیدہ بود۔“

یعنی آپ کی عمر ایک سو پندرہ برس کی تھی۔

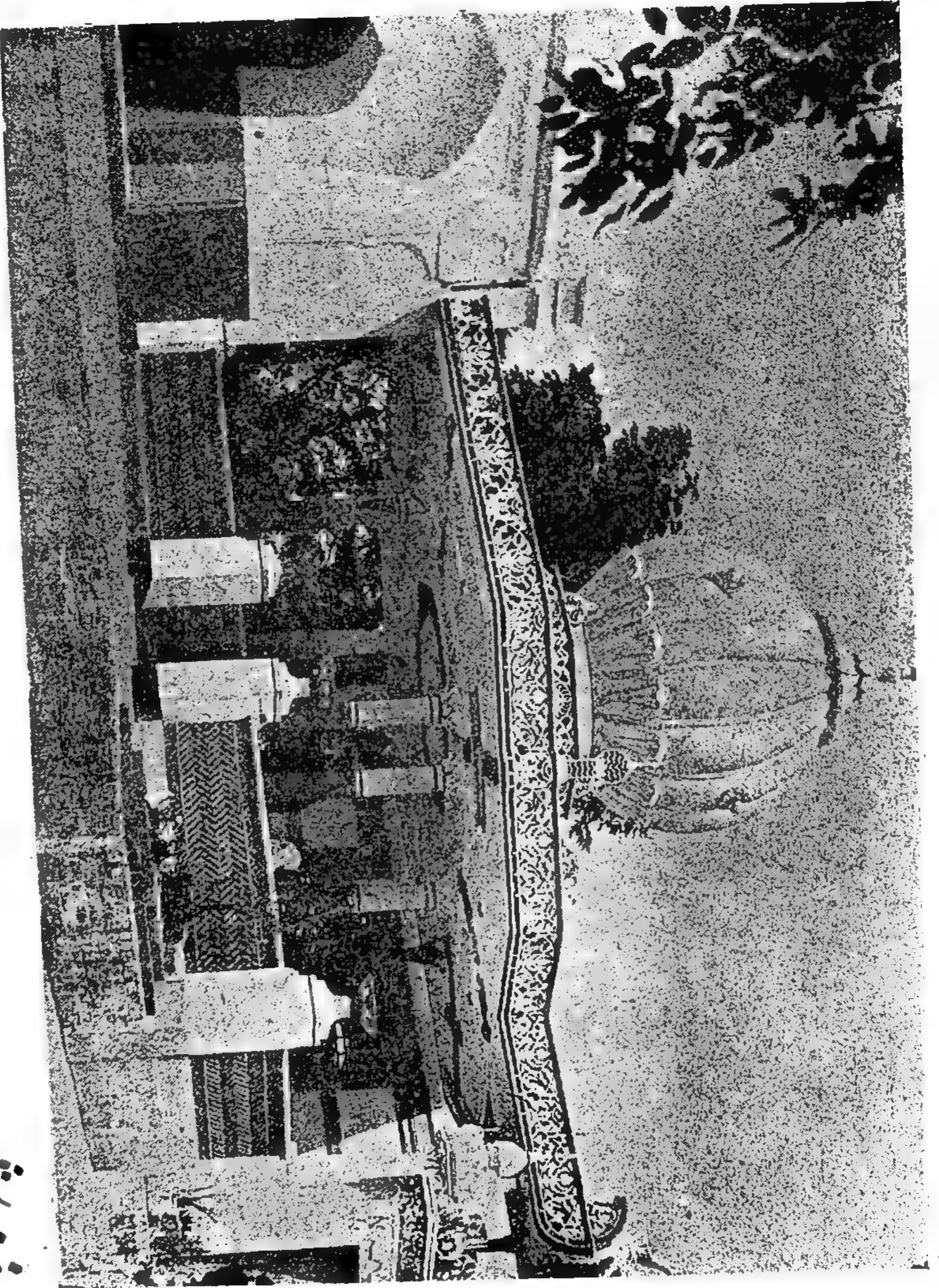
آپ کی وفات ۵ رجاوی الآخر ۱۰۰۰ھ میں ہوئی۔ پشاور میں تھا، مشرقی کے سامنے

متصل کچھری با دفن گئے گئے۔

۱۔ جب مسجد مہابت خاں کی تعمیر ہوئی، تو مسجد کا قبلہ کج دکھائی دینا تھا اور مرمت کے قابل ہو گئی تھی۔ اس علاقہ
کے لوگوں نے آپ کی طرف توجہ کی یا حضرت توجہ فرمادیں کہ کچی قبلہ جو نظر آتی ہے درست ہو جائے اور مرمت بھی ہو جائے۔ آپ نے

اہل محلہ کی درخواست پر ایسی توجہ فرمائی کہ راتوں رات قبلہ کی کچی بھی جاتی رہی اور مسجد کی مرمت بھی ہو گئی۔

۲۔ آپ کے پہلو میں سورج ڈوبنے کی طرف آپ کے مرید حضرت عبدالغفور صاحب دفن ہیں۔



مزار فخر آغا حضرت سلطان العارف قطب الأقطاب
رحمۃ اللطیف

ابوالبرکات سید حسن بادشاہ صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۲۳ھ تا ۱۱۱۵ھ

اسم شریف آپ کا نام نامی و اسم گرامی سید حسن ہے۔ مگر مختلف ممالک میں آپ مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔ برصغیر ہند و پاکستان میں آپ کو سید حسن علاقہ ہائے کشمیر و پونچھ میں شاہ ابوالحسن، اور صوبہ سرحد میں سید حسن بادشاہ کے نام سے پکارا جاتا ہے اہل پشاور آپ کو ازراہ خلوص و عقیدت "میراں سرکار" کے دل پسند نام سے یاد کرتے ہیں مؤخر الذکر نام حضور کی اس نسبت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جو آپ کو حضرت عوثؓ عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی ذریعہ بابرکات سے ہے۔

نسب آپ کا نسب صحیح و سبطوں کے بعد قطب الدائرہ حضرت سید عبدالرزاق صاحب بن حضرت محبوب سبحانی عوثؓ اعظم سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ اور پھر تیرہ واسطوں سے منظر العجائب والغرائب حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک منتهی ہوتا ہے۔

۱۔ خزینۃ الاعضیاء

۲۔ تاریخ کشمیر، تاریخ اعظمی، تاریخ اقوام کشمیر، محمدین فوق، قلمی مسودہ از مفتی محمد شاہ صاحب مفتی دہلوی کشمیر۔

۳۔ تاریخ پشاور۔

ولادت آپ مجاوی الاخر سنہ ۱۰۲۳ھ میں ٹھٹھہ (سندھ) کے مقام پر عارفِ کامل

عالمِ اجل حضرت سید عبداللہ صاحب المشہورہ صحابی رسولؐ کے ہاں کتمِ عدم سے منعمہ شہرہ پر جلوہ گر ہوئے۔

جناب سید عبداللہ صاحب حجاز سے بغیر عنی تبلیغ و سیاحت سندھ تشریف لائے تھے اور سلسلہ و رشد و ہدایت جاری فرما کر سرزمین ہندوستان کو قرآن و حدیث سے متورق فرمایا۔

تعلیم و تربیت آپ کا گھر علم و حکمت اور تصوف و عرفان الہی کا دارالعلوم تھا۔ آپ کا ناسم عمل یاوالہی اور اشباحِ سقیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت سے جگمگا رہا تھا۔ انہی وجہ سے آپ نے اپنی خاندانی عظمت و شرافت علمی فضیلت اور فقر

نبوت سے وافر حصہ پایا۔ آپ کی تعلیم و تربیت اپنے والد گرامی کے زیر سایہ ہوئی، چونکہ آپ کا گھر علم و فضل اور فقر و طریقت کا گوارہ تھا لہذا آپ نے چھوٹی عمر میں ہی دینی ۱۶ برس کی عمر میں) جملہ علوم و رسید کی تکمیل کر لی۔ ۷ برس کی عمر میں درسِ تدریس کا کام نبھالا اس کے ساتھ ساتھ کمال استقامت و استقلال سے منازل سلوک و تصوف طے کرنے میں مصروف ہو گئے۔ جناب سید غلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”تربیت از پدر مشفق خود بے حد و بے عدویافتند و زیر سایہ لطف ایشان معرفت حاصل نمودند و بہ درجہ انتہا رسیدند“

مؤرخ کشمیر مفتی سید محمد شاہ صاحب سعادت ایک مرحمت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں: ”اپنے والد“

۱۰ قلمی رسالہ از سید غلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۱ حضرت مؤرخ کشمیر سے ۱۰۲۶ھ و ۱۰۲۷ھ میں مسلسل ملاقات رہی۔ علاقہ کشمیر میں آپ تاریخ میں سنہ تسلیم کرنے

گئے ہیں۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۵ برس تھی۔ معلوم نہیں کہ اب زندہ ہیں یا نہیں؟

سید شاہ عبداللہ صاحب سے روحانی تعلیمات کا سرمایہ حاصل کیا۔

آپ اپنے والد محترم حضرت سید عبداللہ صاحب سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے تھے۔ نیز صاحب مجاز و معتمد بھی تھے۔ آپ کے سلسلہ عالیہ قادریہ

بیعت

کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس سلسلہ کے ہر ایک فرد نے اپنے والد سے ہی فیوض اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اور تمام فیوض باطنی کا اکتساب کیا۔ اس سلسلہ طیبہ کے سب کے سب ائمہ و صاحب ولایت تھے۔ اور استقامت فی الدین میں درجہ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ دنیوی لحاظ سے بھی ایک پابند اخلاق، صاحب عزت و شرافت شہری تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے لے کر سید حسن صاحب اور ان کے بعد اب تک سب کے سب ائمہ و بفضلہ تعالیٰ عالم، فاضل، متورع اور مبلغ اسلام صاحب کرامت تھے۔ اور آج تک ان کے مزایا، ان کی پاکیزہ زندگی اور عظمت کے شاہد ہیں۔ جہاں ہر وقت تلاوت قرآن مجید، و رُو شریف اور یا والہی ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ سلسلہ عالیہ اسی طرح اللہ کے فضل و کرم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس وقت تک جاری ہے۔

والد گرامی کے انتقال کے بعد آپ فکر، فکر، مراقبہ، رہبانہ استقامت نفس اور کمال خلوت میں مصروف تھے کہ یکایک آپ کی طبیعت میں وحشت و نفرت پیدا ہوئی۔ حضرت علامہ امام اطریشیہ سید شاہ محمد غوث گھمسا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ والد گرامی سید حسن صاحب فرماتے ہیں۔

جہاد و تزکیہ

”و لم ازالن النساء وحشت کلی گرفت، وار خویش و بیگانہ نفرت محض پدید آئی۔“
اس کے بعد کیا ہوا آپ فرماتے ہیں۔

”پس بعزم ریاضات و مجاہدات در ہزار شورش و فتنہ و ہفت سالہ چلہ کشیدم“

تاستر عورت تمام شب در میان آب می استاوم و روزانہ بر کنار آب می نشستم و

تقوم از برگ درختان بود کہ خودی ریختند“

یعنی آپ ریاضت و مجاہدہ کیلئے دریائے شورش تشریف لے گئے اور مسلسل سات برس کا چلہ کاٹا

سات ستر عورت تک اس پانی میں گزارنے اور تمام دن اس پانی کے کنارے پر بیٹھے رہتے

آپ کی غذا درختوں کے پتے تھے جو خود بخود گرتے تھے۔ جناب حضرت محدث جلیل

شاہ محمد عوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ رسالہ ”در کسب سلوک و طریقت“ میں تحریر فرماتے ہیں

”دراکثر بلا و خدمت بزرگان در خلوت و اربعین ششستہ فوائد حاصل نمودند“

یعنی اکثر شہروں میں بزرگان کرام کی خدمت میں رہ کر چلنے کاٹے اور فوائد حاصل کئے۔

اپنے آبائے کرام کی سنت کے مطابق جب آپ کمالات ظاہری

و باطنی سے مزین ہو گئے تو تبلیغ اسلام کے لئے ہمدوستان کے کونے

س

کونے میں پھرنے کے لئے نکلے۔ ایک ایسے وقت میں آپ نے یہ تبلیغی سفر اختیار کیا جبکہ

مسافر کو آج کی سہولتیں پیشتر نہ تھیں۔ تقریباً تمام سفر پیدل کیا۔ اثنار سفر میں ہر قسم کی تکالیف

کا سامنا کرنا پڑتا، اور پھر یہ کہ یہ سفر سی دنیاوی طمع یا لالچ کے لئے نہ تھا بلکہ تبلیغ اسلام

تلاش حق، اشاعت سنت نبوی اور یاد الہی کے لئے تھا۔ اس سفر میں آپ کے چھوٹے

بھائی ابوالکارم حضرت شاہ محمد فاضل خاویاریؒ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اس سفر میں کن کن

بے دین اور بد اخلاق لوگوں سے آپ کو واسطہ پڑا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ جس علاقہ میں بھی

ہم تبلیغ کے لئے گئے وہاں۔

”بغیر از کفر و بت پرستی بوسے از دین و آئین و راکں سرزمین نہ بود“

یعنی سوائے کفر اور بت پرستی کے اس سرزمین کا دین و آئین تھا حقیقت بھی یہی ہے کہ بت پرستی میں روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ خشک اور بخر زمین کو پانی کی اشد ترین حاجت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور مقبول بندوں کا وجود بوجہ یادِ الہی کے فوراً اور رحمت ہوتا ہے۔ جہاں بھی ایسے بابرکات حضرات پہنچتے ہیں وہاں سے تاریکیوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ کفر اور معصیت کا دور ختم ہو جاتا ہے۔ ان حضرات کے وجود باوجود کی برکت سے اس وطن کے رہنے والوں کو رحمتِ الہی اپنی آغوش میں لیے لیتی ہے۔ وہی سرزمین جہاں کفر اور بت پرستی کا دور دورہ تھا آپ وہاں تبلیغ کا کام کرتے تھے۔ نتیجہ کے طور پر ہزار ہا لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر توبہ کر کے داخل اسلام ہوتے۔ وہ مقام جہاں پر اللہ جل جلالہ کا نام لینے والا کوئی نہیں تھا۔ اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اوصافِ حمیدہ سے کوئی واقف نہ تھا۔ عدل و انصاف کا نام تک نہ تھا۔ وہاں پر خشوڑھی مرتب تھی آپ کی کوششوں سے اسلام کو اتنی ترقی ہوئی کہ ہزاروں لوگ مسلمان ہوئے۔ مساجد تعمیر کی گئیں۔ آپ نے جہاں پر بھی تبلیغ کی نہایت ہی منظم طریقہ پر کی۔ مساجد بنا کر باقاعدہ قرائنِ حمید کی تعلیم کتب اور تبلیغ کی ایک جماعت کا انتظام کرتے۔ صرف کاٹھیاواڑ اور گجرات کے علاقہ میں دو سو پچاس مسجدیں تعمیر کیں اور پانچ خلفاء مقرر کئے جو باقاعدہ اپنی تبلیغی جماعت کے ساتھ دورہ کر کے "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کرتے تھے، ان کے مواعظ و نصیحت کا مرکزی نقطہ "صدق مقال" اور "اکل حلال" ہوتا، گجرات سے ہوتے ہوئے "شاہ جہاں آباد" تشریف لائے۔ وہاں پر بھی اسی نہج سے تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھیں اور مخلوق خدا کو اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ بتاتے رہے۔ غرضیکہ تبلیغ کرنے کے لئے پنجاب پہنچے۔ لاہور میں قیام فرمایا۔ مگر وہاں بھی آپ مستقل نہ

ظہر کے اور آپ کیسے ٹھہر سکتے تھے۔ جبکہ آپ کو سرکار بغداد و سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے پشاور میں رہ کر کشمیر، ہزارہ، کابل، غزنی، اور ہرات تک تبلیغ کرنے کا حکم تھا۔ اور اس تمام علاقہ میں سلسلہ عالیہ قادریہ کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح کروانی تھی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۱۰۸۲ء میں آپ پشاور پہنچے، پشاور سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ (سلطان پور کے نام سے موسوم تھا اور اس کو علامہ بگرام کہتے تھے) میں قیام کیا۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو امر فرمایا کہ اسے بیٹا بہ نیرے رہنے کی جگہ ہے۔ یہاں اقامت اختیار کرو۔
 ”وہاں اور ہر حال بخود مقصود واری“

آپ کو جناب سرکار بغداد نے اپنے عہدے سے بتایا کہ ”اس جگہ مسجد اس جگہ مکان اور یہ تمھاری قبر ہوگی۔ اشتر جبل جلالہ کو اپنے ہر کام میں کارروا اور مشکل کشا جان کیونکہ وہی اس قابل ہے، اور جو کچھ میں نے بتایا ہے خود بخود ہو جائے گا۔“
 آپ صبح کو اٹھے اذان دی، نماز پڑھی فرماتے ہیں۔

”ہنوز اشراق نہ خواندہ بودم کہ مردم شہر و اطراف و جوانب فوج و فرج می آیند، بر سر سوخ و اعتقاد ملاقات می کنند، کہ گویا آشنائے صدر سالہ من بودند۔“
 پٹھانوں کے بڑے بڑے سردار اور اہل باب بھی آنے لگے، مخلوق خدا کا اثر و حکم ہو گیا۔ آپ نے تبلیغ کا کام شروع کر دیا، لنگر جاری کر دیا۔ جس جس جگہ سرکار بغداد نے تعمیر کی جگہیں بتائی تھیں وہاں پر لوگوں نے خود بخود تعمیر کر دی، جو کبھی آسمانی قسمت اور قابلیت کے مطابق معرفت الہی حاصل کرتا اور نجات اخروی پاتا، آپ فرماتے ہیں۔

”ہرگز بطلب مولیٰ ہی آمد موافق استعداد و تعلیمش ہی کروم“

چونکہ تمام علاقوں میں آپ نے تبلیغ کا کام کرنا تھا، لہذا آپ نے اس تمام علاقہ کا مرکز پیشاور کو بنایا اور تبلیغی سفر کے لئے نکلے آپ

سفر کشمیر

نے ۱۰۸۵ھ میں جناب عنایت اللہ صاحب گجراتی (پنجاب) کو صاحبِ مجاز کر کے یہاں کی خانقاہ کی تعلیم و تربیت کا تمام کام سپرد کر کے خود براستہ و ہمتور، پھلی، ہزارہ کشمیر روانہ ہوئے۔

جناب مولانا کشمیری مفتی سعادت صاحب فرماتے ہیں کہ ”آپ نے ۱۰۹۱ھ میں کشمیر پہنچ کر تشنگانِ ہدایت کو علوم باطنی سے سیراب کیا۔ خواجہ عبدالرحیم قادری، میر افضل اندرانی شاہ عنایت اللہ قادری وغیرہم حاضر ہو کر آپ کی توجہات اور فیوضِ رحمت سے بہرازدہ ہوئے۔ جناب حضرت علامہ وقت محمد افضل صاحب نے مرید ہو کر شرفِ خلافت بھی حاصل کیا۔ اس سفر میں بھی حضرت ابوالکارم شاہ محمد فاضل صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم رکاب تھے۔ بقول سید غلام رحمۃ اللہ علیہ۔

”ور محلہ عید گاہ و رخاڑہ منصب واری نزول فرمودند۔“

آپ چھ ماہ کشمیر رہے۔ تبلیغ، سخاوت، بخشش کا طریقہ جاری رکھا، لنگر جاری کیا۔ سینکڑوں غریب، فقرا، عاجز، مسافر اور بے وسیلہ لوگوں کی خدمت کی۔ خواجہ بہار الدین مثنوی اپنی کتاب بنام عوثیہ شریف میں فرماتے ہیں۔ ”آپ کے لنگر سے چھ سو آدمی روزانہ بیٹا بھر کر کھانا کھاتے۔ اور جو مفلوک الحال ہوتے ان کو پیرا بھی عنایت فرماتے۔“ آپ کا اپنا ارشاد ہے۔

”حق تعالیٰ چنان لو از شتم فرمودہ است و چنانہ و متم عطا فرمودہ است کہ اگر اہل
مشرق و مغرب جمع شوند و ہر روز از من نفقہ خواہند ہمہ را بدعم و ہرگز بجز ما متم
نیابم۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنی لو از نہیں کی ہیں اور اس قدر دولت مرحمت فرمائی ہے
کہ اگر تمام دنیا کے لوگ جمع ہو کر مجھ سے نفقہ طلب کریں تو سب کو روں اور کسی قسم کی کمی
نہ ہو۔ آپ کے اس وجود عطا کو دیکھ کر صاحب تاریخ اعظمی کشمیر فرماتے ہیں۔
”باوجود انہیں قلیل البضاعت احتیاج استکشاف ہوا۔“

آپ کی بے لوث تبلیغ اسلام اشاعت سنت رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم یا و الہی
خدمت فقرار، اور نہ دیر یا صنت کی شہرت اتنی عام ہوئی کہ ہر طرف سے لوگ جوق در جوق
آنے لگے چھ ماہ کے بعد آپ نے واپسی کا قصد فرمایا۔ اپنی جگہ اپنے چھوٹے بھائی حضرت
الوامکارم سید شاہ محمد فاضل رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت عطا فرما کر کشمیر میں مریدین کی تعلیم و تربیت
اور تبلیغ کے لئے مقرر فرما کر پشاور واپس ہوئے۔

کشمیر سے واپس پشاور پہنچ کر چند ماہ آرام فرمایا، اور پھر کابل کے سفر کا ارادہ
سفر کابل فرمایا۔

آپ نے کابل کا سفر تین بار کیا۔ ان تینوں سفروں میں صوفیاء، علماء، مشائخ اور فقہاء
سے ملتے رہے۔ ہزار ہا تشنگان ہدایت کو سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کر کے عرفان الہی سے
سیراب کیا۔ گورنر کابل امیر خان سلسلہ بیعت میں داخل ہوئے۔ دوسری بار گورنر کابل امیر خان

آپ کا مزاج اور کشمیر کے دارالخلافہ سری نگر کے قلب میں موسم بہار ”خانیا“ مرجع عام خلاق ہے۔ آپ کی وفات ۱۱۰۰ھ میں ہے۔

کی دعوت پر کابل تشریف لے گئے۔ آپ نے تمام حکام کو جمع کر کے ان کو وعظ و نصیحت فرمائی۔
تشریح اسلام کی پابندی، غریبوں مسکینوں کے حقوق کی حفاظت، خصوصیت کے ساتھ
غریب اور نادار طالب علموں کی اعانت کی ترغیب دی۔ بیواؤں اور یتیموں کے وظائف
ان حکام سے مقرر فرمائے۔

آپ نے کابل میں بھی لنگر جاری رکھا۔ اس سفر میں آپ غزنی ہرات اور وردگان
مقامات پر بغرض تبلیغ تشریف لے گئے۔ تیسرا سفر بالکل تنہائی کا تھا۔ اس سفر میں صرف
ان حضرات سے ملے جو شہری ساکب تھے اور جن کا مقصد اعلیٰ مقامات اور مدارج علیا
ملے کرنا تھا۔ البتہ لنگر بدستور سینکڑوں افراد کو روزانہ ملتا۔ یہ سفر صرف چند دن کا تھا۔
غرضیکہ ان تمام سفروں میں آپ نے انتہائی پختہ عزم و یقین کے ساتھ تبلیغ اسلام فرمائی۔
قرآن مجید کی تعلیم عام کی۔ اشاعت سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوشش فرمائی۔
اٹھارہ گنا اور سلسلہ عالیہ قادریہ کو اس عروج و کمال تک پہنچایا کہ آج جبکہ ۱۲۷۰ھ تک آپ
کو بیت چکے ہیں سرزمین نرحم پنجاب، افغانستان اور کشمیر کے گوشہ گوشہ میں آپ کی روحانی
تعلیم کے چشمے ابل رہے ہیں اور لوگ ان سے فیضیاب حاصل رہے ہیں۔

پشاور شہر کے قریب بظرف مغرب ایک گاؤں کو تاج حسن خان کے نام سے
مشہور ہے۔ اس کے ایک بڑے خان نے جس کو وہ "ارباب" کہتے ہیں

شادی

اپنی صاحبزادی کی پیشکش کی، آپ نے قبول فرمایا۔ اس کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ
کو ایک فرزند عطا فرمایا، جو اپنے وقت کا محدث جلیل، فقیہ عظیم، شیخ الشیوخ بنا۔ ان
کا نام تاج الدین تھا۔ اس شادی کے کچھ عرصہ بعد آپ نے موصوف کٹر کے صحیح التفسیر

آپ کا مزار ضلع ہزارہ میں تحصیل ہری پور میں جو بلیاں ریلوے اسٹیشن سے ہری پور و پور سلطان پور گاؤں میں واقع ہے

سادات گھرانے میں شادی کی خواہش گھاری کی یہ گھرانہ عظیم المرتبت ولی اللہ غوث خراسان
حضرت سید علی ترمذی المعروف پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کا گھرانہ تھا۔ یہ صاحبزادی جس کے ساتھ
آپ کی شادی ہوئی حضرت پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کی پوتی تھی اور بقول صاحب خزینۃ
» در طاعات و عبادت رابعہ عصر بود «

کچھ روز قندھار کے بعد آپ کی شادی اس عابدہ صالحہ بیوی کے ساتھ ہو گئی۔ جس
کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو فرزند عنایت فرمائے۔ ایک حضرت علامہ اہل
محدث اعظم، عارف باللہ شارح صحیح البخاری حضرت سید شاہ محمد غوث صاحب شادی
لاہوری۔ دوسرے حضرت سید علی صاحب، ان بیٹوں صاحبہ کا مزار آپ کے پہلو میں واقع ہے
اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو اخلاق حمیدہ اور اوصاف ستورہ سے مزین
فرمایا تھا۔ غرباء کی دلجوئی، مسافروں کے ساتھ حسن سلوک، امراء اور حکام
سے تحائف قبول نہ کرنا، اور ان کی غیر شرعی حرکات پر بغیر کسی خوف و حزن کے آپ
ان کو متنبہ فرمائے۔ پیرواؤں اور غریب کنواری لڑکیوں کی اپنے اخراجات سے شادیاں
کرواتے۔ یہ سب وہ باتیں تھیں جو مقناطیس کی شمش کی طرح قلوب خاص و عام کو شرمندہ
احسان کرتی تھیں۔

محدث جلیل حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

۱۔ آپ کی وفات ۹۹۱ھ میں ہوئی اور آپ کا مزار بونیر میں مرجع خلافت ہے۔

۲۔ بنت محمد جمال بن سید عبدالوہاب المعروف میاں عبدل مزار موضع تختہ بند علاقہ بونیر میں سید مصطفیٰ محمد

المعروف میاں مصطفیٰ ابن سید پیر بابا۔ مزار موضع دونائی پشت علاقہ کنتو۔ سمت مشرقی (افغانستان)

”خدمتِ فقرا و مساکین بسیار جی کر و ندر و بر عام خلائق چنان شفقت می

فرزند کہ گو یا عیال ایشان بودند“

حضرت علامہ سید غلام صاحب تخریر فرماتے ہیں -

”بر عموم خلقت چنان شفقت و رافت و مہربانی داشتند کہ پدر یا پسر و اشہ

باشند“

عفو و کرم ، علم و بردباری ، تواضع و انکساری کے ایسے عملی نمونے آپ کی زندگی میں ملتے ہیں کہ گو یا آپ کمال طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی عملی تفسیر تھے۔ یہی وہ اخلاق کریمانہ تھے جن کی بدولت ہزار ہا گمشدگان باوہ صدمات کو نیک اعمال کی ہدایت ہوئی۔

آپ کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی بھی حکام و قہتا سے تحفہ یا نذرانہ قبول نہیں کیا بلکہ ان لوگوں کو ان کی زندگی کا صحیح مقصد یعنی انصاف ، دیانت و اری ، مساوات ، اخوت ، عدل ، غریب پروری اور حسن سلوک کی نصیحت فرماتے۔ نیز ان لوگوں کو قوم کو سچ کرنے کا صحیح مصروف بتاتے۔

ایک بار گورنر کابل نواب امیر خان نے اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ سے آپ کے فرزند جناب حضرت سید شاہ محمد عارف رحمۃ اللہ علیہ کے نام گنہ گران معیشت کے لئے قطعہ ارضی کا فرمان لکھوا کر حضرت سید حسن صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے ملاحظہ فرما کر فرمایا۔

”یا امیر جزاک اللہ! کہ خیر خواہی فقراء مرکوز خاطر واری ، اما من طالب این

نیستہم و احتیاج این ندارم“

کہہ کر وہ فرمان واپس کر دیا اور گورنر کابل کو نصیحت فرمائی کہ

”باید کہ بہ حاجت مندان و مستمندان بدی کہ قوت لایموت نشان شود“

یعنی ان لوگوں کو جو محتاج اور ضرورت مند ہیں یہ زمین و سوا کا کہ وہ زندگی بسر کر سکیں

اللہ اکبر! انشا پر حاکم اپنی کمال عقیدت سے آتا ہے۔ اور نگ زیب عالم گیر بادشاہ

کی طرف سے زمین کا ایک قطعہ دیا جاتا ہے۔ مگر آپ اس کو قبول نہیں فرماتے۔ نیز اس

حاکم وقت کی صحیح رہنمائی فرماتے ہیں۔ یہی عذریہ کاملہ و عداوتہ تھا جس کی وجہ سے بڑے

بڑے امراء و بادشاہ، پوریہ نشین فقراء کی خدمت کو مایہ صدف نازش و افتخار سمجھتے تھے۔

آپ کے اس ارشاد و گرامی کا ایک ایک لفظ سچائی، بیانت، امانت اور اخلاص کا مظہر ہے۔

کرامات جناب سید غلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

”کرامات ایشان مثل قطرات و مطرات لایعد و لا یحصی است“

یعنی آپ کی کرامات باران رحمت الہی کے قطروں کی طرح ان گنت اور بے شمار ہیں

جناب محدث جلیل حضرت شاہ محمد عارف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

”مخوارق عادات انہیں شاہان بحدے ظہور یافتہ کہ تحریر آں دیریں مختصر گنجائش

ندارو“

یعنی آپ کی کرامات اس حد تک ظاہر ہوئیں کہ ان کی تمام تفصیل اس مختصر مجال میں

نہیں سا سکتی“

اولیاء کرام سے کرامات کا صدور ایک مستحسن امر ہے۔ مگر اولیائے کرام نے ہمیشہ

شریعت مطہرہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑا۔ ان کی

زندگی کا مقصد ہی اتباع سنت ہوتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ قرب الہی حاصل کریں۔

دوسرے امور ان اولیاء کرام کی نظر میں ضمنی حیثیت رکھتے ہیں۔

سید غلام صاحب فرماتے ہیں۔ آپ کا ایک خادم ہر وقت گذشتہ اولیاء کرام کی کرامتیں بیان کرتا اور پھر آپ سے کرامت طلب کرتا۔ آپ نے اس کو فرمایا۔ اسے درپیش کرامت کے درپے نہ ہو۔ یادِ الہی میں ہمہ تن مشغول رہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ کی متابعت کر، کیونکہ نجات اسی میں ہے، لیکن وہ کرامت طلب کرتا رہا۔

اتفاق ایسا ہوا کہ آپ ”امر بالمعروف“ کے لئے دو آپ (مشتنک تشریف لے گئے۔ راستہ میں وریا بہتاتے جس کو بذریعہ کشتی عبور کرنا پڑتا ہے۔ آپ اس وقت ایک عراقی گھوڑے پر سوار تھے اور وہی خادم رکاب تھا، ہونے لگا۔ جب آپ کشتی کے قریب پہنچے تو آپ نے گھوڑے کی رگام کھینچی، گھوڑا بجائے کشتی کے وریا میں کود گیا۔ وہ خادم جو رکاب تھا ہونے لگا وریا میں گر پڑا۔ تمام مرید اور معتقد گھبرا گئے کہ آپ بمعہ خادم و سواری وریا میں غرق ہو گئے ہیں۔ لیکن گھوڑی ویر بعد آپ بمعہ سواری اور خادم وریا کے دوسرے کنارے پر نظر آ گئے۔ اب حیرانگی و تعجب کا عالم تھا۔ کوئی آپ کے قدم چومتا کوئی ہاتھ، آپ کے کپڑے گھوڑا اور خادم بالکل خشک تھے۔ آپ نے اس خادم کو فرمایا۔

”یا عبد اللہ ویدی قدرت اللہ را“

یعنی اے اللہ کے بندے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ دیکھ لیا۔ اس نے عرض کیا ہاں جناب، پھر آپ نے فرمایا کہ پہلے تو گذشتہ اولیاء کی کرامتیں بیان کرتا تھا اب اپنی آنکھوں سے یہ واقعہ بھی دیکھ لیا، مگر یہ بات یاد رکھنا

”اے ہمہ آہنچہ ویدی و شنیدی بازی طفلانست و کار ویکر است سالک“

این کار آفت است و مانع غلو و رجات است

یعنی ”یہ سب کچھ جو تم نے دیکھا اور سنا بچوں کا کھیل ہے۔ اصلی مقصد کچھ اور ہے۔
پیرسٹاک کے لئے یہ کرنامات جتلا نا باعث آفت ہے اور راہ سلوک میں بہت بڑی
رکاوٹ ہے“

جب حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو ہر گاہوں اور
ہر شہر سے لوگ آئے۔ ان میں وہ لوگ بھی آئے جن کے آپ قرض دار بھی تھے۔ حضرت
شاہ محمد ثوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اس قسم کے لوگ آپس میں گفتگو کرنے
لگے تو میں نے خیال کیا کہ یہ حضرات اپنے قرضہ کی وصولی کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں اس
لئے میں نے ان سے پوچھا کہ تم کیا سرگوشیاں کرتے ہو، تو انہوں نے جواب دیا۔

”اے صاحبزادہ سخن از کشف و کرنامات پدید آید گوار شمامی گویم و صحت

پروردگار بلامی مینم کہ بندگان خدا را چسبان تربیت کروہ ہر اتب رسائیدہ کہ

عقل در عودہ این معنی عاجز و نظر صاحب نظران قاصر است“

حضرت شاہ محمد ثوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے بھی اس حقیقت سے

آگاہ کرو تاکہ ذوق حاصل کروں۔ انہوں نے مل کر عرض کیا کہ چند دن پہلے جب ہم نے

سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شدتِ علالت کے متعلق سنا تو ہمیں خیال ہوا کہ اگر حضور

کا انتقال ہو گیا تو ہمارے قرض کا کیا بنے گا۔ ہم سب نے فیصلہ کیا کہ آپ سے بالمشافہ

گفتگو کریں گے۔ جب رات ہوئی تو چند اشخاص جن کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں نمودار ہوئے

ان کی جیبیں اشرفیوں اور روپوں سے بھری ہوئی تھیں۔ انہوں نے ہم سب کو ایک جگہ

جمع کیا اور کہا کہ ہمارے ساتھ حساب کرو، تاکہ حضور سید حسن صاحب کا قرضہ ہم ادا کر دیں

انہوں نے ہر ایک کا قرضہ چکا دیا اور تمسکات و جہتیں لے کر چلے گئے۔ جب اس بھری مجلس نے یہ واقعہ سنا تو سب زار و قطار رونے لگے۔ جناب شاہ محمد عورت صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس واقعہ کا قطعاً علم نہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ ورویشی اور فقر کیا ہے۔ ایک شخص کے لاکھوں مریب ہیں جن میں گورنر، حکام، اُمراء، فقراء، اور ہر قسم کے لوگ شامل ہوں۔ مگر اس ورویشی کا مل کی وفات پر پیرا مرعیاں ہوتا ہے کہ آپ چند ہزار روپے کے قرضدار بھی تھے، اور قبل از وفات وہ ادا بھی کیا۔

حضرت قطب الاقطاب سلطان العارفين عورتیٰ زماں ابوالبرکات
وفات حضرت سید حسن بادشاہ صاحب گیلانی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے بروز
 جمعہ بتاریخ ۲۱ رذی قعدہ ۱۱۵۱ھ بوقت عصر وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت شیخ یحییٰ صاحب المعروف حضرت بی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۲۱ھ تا ۱۱۳۱ھ

آپ کا اسم شریف شیخ یحییٰ والد کا نام پیر داد، کنیت شیخ ابواسماعیل یحییٰ اور لقب
عمر الاعظم تھا۔ آپ چغتائی (مغل) تھے۔ آپ کے بزرگ ماوراء النہر (سمرقند اور بخارا) سے
تشریف لائے تھے۔

سلسلہ نقشبندیہ میں آپ حضرت شیخ المشائخ شیخ سعدی لاہوری کے دست گرفتہ
تھے اور انہی سے صاحب عجاز اور محقق تھے۔ آپ اپنے شیخ کی نظر میں بہت مقبول
تھے۔ اور آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ چنانچہ جب حضرت شیخ سعدی لاہوری
۱۰۵۰ھ میں پشاور تشریف لائے تو اپنے تمام مریدین و مخلصین کو ارشاد فرمایا کہ۔
اب سے وہ جناب شیخ یحییٰ صاحب کی صحبت اختیار کریں اور ان سے فیض حاصل کریں

۱۔ مرالاسرار مصنفہ حضرت میاں عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن موضع چکنی پشاور۔

۲۔ شیخ سعدی لاہوری ۱۰۸۰ھ میں فوت ہوئے۔ شیخ سعدی لاہوری حضرت سید آدم بونوی کے مرید تھے اور حضرت

آدم بونوی حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفہ تھے۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے شیخ کی نظر میں آپ کا مقام کتنا بلند تھا اور زود ما
زہد و اتقار میں آپ کی شخصیت مثالی اور قابل تقلید تھی۔

حضرت میاں محمد عمر صاحب المعروف چکنی بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب
توضیح المعانی کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں۔ ”اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ
علیہ وسلم سے جو راز کی باتیں معراج میں کی تھیں وہ سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
پر آشکارا کی گئیں، اور وہ راز کی باتیں سلسلہ و سلسلہ حضرت امیر الاعظم شیخ یحییٰ کو بخشی
گئیں۔ اور ان کے ذریعہ ان باتوں سے مجھے سرفراز کیا گیا۔“

چکنی بابا نے آپ کی تعریف میں ایک قطعہ لکھا، فرماتے ہیں۔
قطب ہفت اقلیم شیخ رہنما شیخ یحییٰ بسندہ خاص خدا
مخزن لطف و عنایات خدا غوث اعظم خواجہ ہرود ہرا
حضرت شیخ المشائخ محدث جلیل سید شاہ محمد غوث صاحب قادری پشاور سی ثم
لاہوری آپ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے، اور آپ سے سلسلہ نقشبندیہ میں وافر
حصہ پایا، ان کی آپ پر خاص نظر عنایت تھی۔ آپ حضرت شیخ یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کے متعلق لکھتے ہیں کہ ”

”حضرت یحییٰ جو صاحب کہ از افراد زمانہ بودند“

یعنی جناب شیخ یحییٰ حضرت جی صاحب افراد زمانہ میں سے ایک فرد تھے۔
آپ نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی بہت ہی ترویج و اشاعت کی، انتہائی بفتح سنت

تھے۔ خوش خلق، متواضع، منکسر المزاج اور سخی تھے۔ ہر وقت یادِ الہی میں مستغرق رہتے۔

کوئی لمحہ بھی یادِ الہی سے غفلت میں نہ گزارتے، آپ کی نظر میں شاہ و گدا ایک تھے۔ آپ

کا لشکر ہر وقت جاری تھا اور سینکڑوں افراد سیر ہو کر جاتے۔ ہر ضرورت مند کی حاجت پوری

کرتے۔ قدم قدم پر آپ سے کرامات کا ظہور ہوتا۔ حضرت محبت جلیل سید شاہ محمد سعادت

صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ”چونکہ آپ (یعنی حضرت جی صاحب) جس نفس بہت

فرماتے تھے۔ اس لئے رات میں ایک، دو یا تین دم لیتے تھے، بڑے ریاضت کش تھے۔

خدا کے سوا کسی کی طرف دھیان نہیں لگاتے تھے۔ ان کی نظر میں خاک و زر، شاہ و گدا ایکسا

تھے۔ مشغول حق کے سوا ان کو مطلق فرصت ہی نہ ہوتی تھی، کہ کسی چیز کی طرف متوجہ ہوں۔

کسی کو آپ کی مجلس میں بات کرنے کی جرات نہ تھی۔ آپ کی مجلس میں جو ہوتا خدا ہی کی

طرف متوجہ رہتا۔ چار پائی پر نہیں سوتے تھے۔ تیکہ بھی نہ رکھتے تھے۔ ہمیشہ اپنے پیر کی

زیارت کے لئے انکے سے لاہور ۱۲ دن میں پیدل سفر کرتے۔“

بڑے بڑے اکابر علماء اور فضلاء آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے اور تکمیل

سلاوک کر کے اجازت و ارشاد کے نتیجہ پر پہنچے۔ آپ نے تمام عمر ارشاد و تلقین میں بسر کی

اور آپ کے ذریعہ ہزاروں لوگ مراتبِ قرب تک پہنچے۔ آپ اپنے وقت میں گنگا نہ آفاق

تھے۔ آپ کا صوبہ سرحد کے علاقہ میں عموماً اور پنجاب کے علاقہ میں خصوصاً علمِ شیخت بلند تھا

جس مریہ پر آپ کی نظر پڑ جاتی، کئی کئی دن بے ہوش پڑا رہتا اور سارک الہیہ ہو کر یادِ الہی

میں مستغرق ہو جاتا۔ آپ کے خلفاء میں صوبہ سرحد کے علاقہ میں دو عظیم شخصیتیں ہوتی ہیں،

جو ہر لحاظ سے جامع کمالات صورتی و معنوی تھیں۔ ایک حضرت محبت جلیل سید شاہ محمد سعادت

صاحب رحمۃ اللہ علیہ پشاور میں، دوسرے جناب شیخ المشائخ حضرت میاں محمد عمر صاحب

المعروف میاں صاحب چکینی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما، اور ہندوستان، پنجاب اور ہندو
میں کافی خلفاء تھے۔

آپ کے دو فرزند تھے، ایک حضرت شیخ اسماعیل اور دوسرے خواجہ محمد عیسیٰ۔
آپ کی وفات ۳۱۱ھ ہجری میں واقع ہوئی۔

اس وقت آپ کا مزار پرنوار ضلع کیمبلی پور، موضع اٹک، بلب دریائے اٹک
واقع ہے اور مرجع خلافت ہے۔

حافظ عبد الغفور صاحب نقشبندی پشاوری

۱۰۵۲ھ تا ۱۱۱۶ھ

آپ کا اسم گرامی عبد الغفور، والد کا نام صالح محمد، اور آبائی وطن کشمیر ہے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد درس نظامی کی تکمیل کی، جب علم ظاہری سے آراستہ ہو گئے تو روحانی تسکین کے لئے مرشد کامل کی تلاش میں نکلے، کشمیر میں سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ پر حاضر ہو کر روحانی فیوضات و برکات کا وافر حصہ پایا۔ کشمیر کے گرد و نواح میں بہت سے مشائخ کو ملے اور سلوک و معرفت کے علم کو سبقتاً سبقتاً پڑھا۔ کشمیر سے روانہ ہو کر لاہور آئے۔ ان دنوں لاہور علماء و مشائخ کا مسکن تھا اور علم و ادب کا مرکز۔ وہاں کے علماء اور مشائخ کی صحبت سے فیضیاب ہو کر پشاور تشریف لائے۔ شیخ محمد عمر صاحب پشاوری کتاب *ظواہر السرائر* میں فرماتے ہیں کہ

”حافظ عبد الغفور اول در پشاور بار اوت حافظ محمد اسماعیل خوری پشاوری مستفید شد و بہرہ وافر حاصل نمود بعد ازاں در لاہور تشریف آوردہ و شرف بشرف بیعت شیخ سعدی لاہوری گردید، و خرقہ خلافت و اجازت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ قادریہ و چشتیہ و سہروردیہ یافتہ و از کمالان وقت شد و تا دو نیم سال حاضر باش

پشاور میں علاوہ دوسرے علماء و مشائخ کی صحبت کے جناب حضرت حافظ محمد اسماعیل صاحب غوری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت بابرکت سے خوب فائدہ اٹھایا۔ انہی کے ارشاد کی تکمیل کرتے ہوئے آپ دوبارہ لاہور تشریف لے گئے، اور حضرت شیخ سعدی لاہوری ^{رحمۃ اللہ علیہ} سے طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ اپنے شیخ محترم کی صحبت میں مسلسل اڑھائی برس گزار کر منازل سلوک و تصوف عملاً طے کئے۔ گیارہ برس کے بعد شیخ سعدی لاہوری ^{رحمۃ اللہ علیہ} نے آپ کو ہر چار سلاسل یعنی قادری، چشتی، نقشبندی اور سہروردی میں خلافت عطا فرما کر اڑھائی سال کے بعد رخصت کر دیا۔

آپ نے تبلیغی مساعی اور اصلاحِ عام کے لئے صوبہ سرحد میں پشاور و جو اس وقت کابل کا مضافہ تھا، کو اپنا مرکز بنا کر تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ خانقاہ قائم کر کے لنگر دینا شروع کیا۔ سینکڑوں بچوں کے پیٹ بھر کر کھانا کھاتے۔ بیسیوں برہمن کپڑے پہنتے اور بہت سے روحانی تعلیم کی تکمیل کرتے۔ نیز بہت سے آپ کے مبلغ و بیاتوں میں پھر کر امر بالمعروف کر کے واپس اپنے مرکز پر آتے۔ ان کے کھانے پہننے کا سب انتظام خانقاہ کی طرف سے ہوتا۔

آپ خود تبلیغ کے لئے گاؤں گاؤں، قریہ قریہ، شہر شہر پھرتے، بدعات اور رسوبات بد کے خلاف عملاً کوشش کرتے عقیدہ یوگان کرواتے، صرف نکاح پر شادیاں کرواتے، لوگوں میں جو دشمنیاں اور خصومتیں ہوتیں ان کا تصفیہ کروا کر ان کو بھائی بنا دیتے۔ اگرچہ آپ کو ان مسائل کے حل کرنے میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان مشکلات پر قابو پالیتے۔

آپ نے تبلیغی مساعی اور اصلاحِ عام کے لئے صوبہ سرحد میں پشاور و جو اس وقت کابل کا مضافہ تھا، کو اپنا مرکز بنا کر تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ خانقاہ قائم کر کے لنگر دینا شروع کیا۔ سینکڑوں بچوں کے پیٹ بھر کر کھانا کھاتے۔ بیسیوں برہمن کپڑے پہنتے اور بہت سے روحانی تعلیم کی تکمیل کرتے۔ نیز بہت سے آپ کے مبلغ و بیاتوں میں پھر کر امر بالمعروف کر کے واپس اپنے مرکز پر آتے۔ ان کے کھانے پہننے کا سب انتظام خانقاہ کی طرف سے ہوتا۔

آپ خود تبلیغ کے لئے گاؤں گاؤں، قریہ قریہ، شہر شہر پھرتے، بدعات اور رسوبات بد کے خلاف عملاً کوشش کرتے عقیدہ یوگان کرواتے، صرف نکاح پر شادیاں کرواتے، لوگوں میں جو دشمنیاں اور خصومتیں ہوتیں ان کا تصفیہ کروا کر ان کو بھائی بنا دیتے۔ اگرچہ آپ کو ان مسائل کے حل کرنے میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان مشکلات پر قابو پالیتے۔

اشاعت سنت نبوی کریم علیہ التھیة و التسلیم آپ کا خاص وصف تھا۔ اگر کوئی شخص حضور اکرم
 سید دو عالم مالک و مختار امیر مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کی پابندی
 نہ کرتا تو آپ اس کو سمجھاتے، اگر نہ سمجھتا تو پھر سختی کرتے اور اس معاملہ میں کسی
 بڑے سے بڑے حکمران اور دولت مند کی بھی پرواہ نہ کرتے۔

اپنے مواخط میں حکمران طبقہ کو غربا، فقرا، اور بے چارے مفلوک الحال لوگوں کی حالت
 پر خاص کر توجہ دلاتے۔ غرضیکہ ہر طبقہ کے افراد کی آپ اصلاح فرماتے، آپ کی اس
 غربا پروری کا شہرہ تمام علاقہ میں پھیلا ہوا تھا۔ آپ کے لنگر سے بیک وقت پانچ پانچ
 سو آدمی لنگر کھاتے۔ آپ کے معاصر حضرت علامہ سیدنا و مرشدنا حضرت سید سخی
 شاہ محمد عوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”در بیان کسب سلوک و بیان طریقت و
 حقیقت میں تحریر فرماتے ہیں میں کو صاحب خزینۃ الاصفیاء نے نقل کیا کہ

حضرت علامہ سید شاہ محمد عوث قادری گیلانی لاہوری در رسالہ خود تحریر فرمودند
 کہ حافظ عبد الغفور پشاوری تمام شب بچس نفس و مراقبہ می گذرانید و انتفا
 بدنیہ و اہل دنیا نداشت، و دمام و خدمت مساکین و مسافریں مشغول ماند
 و قریب پان صد کس ہر روز و مطبخ وی طعام می خوردند، و دیگران و سے گاہے
 سر و نمیشد، و خدام عالی مقام از صبح تا شام در پیشگی طعام و تقسیم آن معروف
 می ماند و شیخ سولے طعام، بجا جمنندان نقد و لباس ہم مرحمت می فرمودند
 و این ہمہ خدیش سوامی دخل ظاہری صرف از خزانه غیبی بود۔

کہ "حافظ عبدالغفور صاحب اپنا وری تمام رات "عجس و عم" اور "مراقبہ" میں بسر کرتے،
 دنیا اور اہل دنیا کی طرف التفات نہ کرتے، ہمیشہ مساکین اور مسافروں کی خدمت میں مصروف
 رہتے۔ آپ کے "لنگر" سے پانچ سو آدمی روزانہ کھانا کھاتے۔ جناب حافظ صاحب کھانا
 دینے کے علاوہ ضرورت مندوں کو کپڑے اور نقدی بھی مرحمت فرماتے۔ آپ کا جو تعلق اللہ
 جل جلالہ کے ساتھ تھا وہ حضرت علامہ شاہ محمد ثوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ
 سے واضح ہوتا ہے۔

"وہ عشق الہی بدیں آگاہی می گذرانید کہ کسے آیتے از آیات قرآن روبرو
 وے می خواند یا لفظ "اللہ" بر زبان می آورد، گریہ و اضطراب بہ حافظ طاری می شد"
 آپ کی توجہ کا یہ عالم تھا کہ بقول صاحب خزینۃ الاصفیاء ص ۴۵۷ کہ جناب حافظ صاحب
 جب مریدین پر توجہ فرماتے تھے تو محلہ کا پینے لگتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہت بڑا
 زلزلہ آیا ہے۔ پہلے پہل تو اہل محلہ کو خوف و ہراس دامنگیر ہوا۔ مگر جب ان کو معلوم ہو گیا
 تو پھر حرکت زمین کے وقت جان جاتے تھے کہ حضرت حافظ صاحب طلباء پر توجہ کر
 رہے ہیں۔

اگر آپ کے کرامات کو جمع کیا جائے تو ایک الگ مضمون بنتا ہے۔ اس جگہ آپ
 کی چند کرامات لکھی جاتی ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ کرامات اولیاء کرام حق میں
 "قرب نوافل" کے ذریعہ اولیاء کرام کا ہر کام یعنی سماعت، بصارت، چھونا، چلنا پھرنا
 غرضیکہ سب کام مشیت الہی کے تابع ہوتے ہیں۔ علماء اہل حق اہل سنت و جماعت
 اولیاء عظام سے کرامات کا صدور مستحسن امر سمجھتے ہیں۔

صاحب روضۃ السکرام جناب مولانا شرف الدین صاحب کشمیری فرماتے ہیں کہ یہ

راقم جناب حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ حاضرین پر شہزادی تقسیم کر رہے تھے۔ آپ کے خادموں سے ایک خادم نے اپنا حصہ لیا۔ اس کو دوسرا حصہ بھی دے کر فرمایا یہ تیرے بیٹے کے لئے ہے۔ وہ خادم فوراً قدموں ہوا، اور عرض کرنے لگا کہ اس وقت میرے دل میں خیال آیا تھا کہ اگر حضرت حافظ صاحب کو کشف ہے تو مجھے دوحصے دیئے۔ آپ میرے خیال پر آگاہ ہو گئے ہیں، لہذا میں امید کرتا ہوں کہ مجھے اس قصور پر معاف کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا۔

”حالا عفو کروم و آئندہ گاہے بامتحان احوال درویشان تیری وادی“

یہی صاحب روضۃ السلام لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ مریدین کی خبر گیری کے لئے پشاور کے دیہات میں تشریف لے گئے۔ عصر کا وقت تھا مسجد میں مریدین کے ساتھ ذکر و فکر اور مراقبہ میں مشغول ہو گئے۔ اسی اثنا میں لیٹروں کا ایک گروہ مسجد کی طرف آیا۔ بعض مریدین جو مراقبہ نہ تھے یہ ماجرا دیکھ کر شور و غوغا کرنے لگے، قبلہ حافظ صاحب نے ہر اٹھایا اور فرمایا کہ اس شور و غوغا سے کیا فائدہ، بیٹھے رہو اور سچا مشغول باشید، سب کے سب مراقبہ ہو گئے۔ جب ذکر الہی اور مراقبہ سے فارغ ہو گئے تو شیخ بمعہ مریدین کے پشاور میں اپنے سکونتی مکان پر موجود تھے۔ صاحب خزینۃ الاعضیا لکھتے ہیں کہ سید ابوالمعالی کشری فرماتے ہیں کہ ”میں ایک دن حضرت حافظ صاحب کے ساتھ پشاور کے ایک بازار میں جا رہا تھا جب میں نے آپ کے ہمراہ چند قدم لئے تو اپنے آپ کو حضرت موصوف کے ساتھ کشری میں موجود پایا۔ میں اور آپ زینہ کدل پر جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ مسجد نگین (جو کاغذ فروشوں کے بازار میں ہے) پہنچ گئے۔ وہاں سے واپس ہو کر زینہ کدل پہنچے۔ تو حضرت حافظ صاحب نے میرا ہاتھ چھڑا لیا۔ معاً ہاتھ چھڑانے کے میں اور حافظ صاحب

آپ کی یہ زندہ کرامت ہے کہ جو شخص اپنے بدن میں جس جگہ بھی درد پاتا ہو، آپ کے مزار پر انوار پر حاضر ہو اور آپ کے توسل سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس تکلیف سے آرام دے دیتا ہے۔ اس فقیر کے سامنے آپ کے مزار پر ۱۲ مارچ ۱۹۲۹ء کو ایک فرنگی موٹر میں پٹا ہوا آیا۔ اس کے مسلمان بہروں نے اس کو موٹر سے اٹھا کر آپ کے مزار مبارک کے پاؤں کی طرف لٹا دیا۔ لیٹے لیٹے وہ انگریزی میں دعائیں کرتا رہا۔ تقریباً آدھ گھنٹہ کے بعد وہ اٹھا بغیر سہارے کے موٹر تک گیا، پھر واپس لوٹا اور آکر مزار پر انوار کو چار بوسے دیئے اور بالکل تندرست ہو کر چلا گیا گویا کہ اسے درد تھا ہی نہیں۔

آپ کی وفات زمانہ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ ۱۲ شعبان المعظم ۱۱۶۷ھ

میں ہوئی۔ مزار پر انوار پشاور چھاؤنی میں مخانہ مشرقی کے سامنے مرجع عوام ہے۔

پہر سال اسی تاریخ کو جناب حضرت شیخ المشائخ سید میر اصغر صاحب المعروف پیر میر آغا جان صاحب کابلی رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی نہایت اہتمام سے عرس کرتے تھے۔ اب آنجناب کے فرزند عرس کرتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث سید شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۸۲ھ تا ۱۱۵۲ھ

آپکا اسم گرامی سید محمد غوث لقب شیخ الحدیث غوث وقت اور شاہ محمد غوث کے نام سے مشہور ہیں
 آپ کے والد محترم حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری
 شادی خانمان ساوات کنٹر حضرت سید علی ترمذی المشہور پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ
 کی لڑائی سے کی۔ یہ بی بی صاحبہ اتنی نیکوکار اور صالحہ تھیں کہ آپ کا لقب "زابعہ عصر" پڑا
 چکا تھا۔ آپ اسی عقیدہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

آپ کی تعلیم و تربیت اپنے والد محترم کے زیر سایہ ہوئی، چنانچہ آپ خود فطران

پڑے۔

بچوں احقر و ہفت سالگی بسید پر چند قرآن می خواہد ضبط فرمائی شد و قاصر الفہم بود
 قبلہ گا ہی بجناب حضرت پیر دستگیر رضی اللہ عنہ در باطن عرض کردند کہ ایں پیرا
 مہربانی فرمایند از جناب مہربانی شد کہ بہر از علم ظاہر و باطن بخشیدم، بعداں

بفضل الہی فتح یاب علم شد و اندک زمان تحصیل علم ظاہر شد۔^۱

یعنی جب اس احقر کی عمر سات سال کی ہوئی تو بہت ہی قرآن مجید پڑھا مگر ضبط نہ ہوا۔ پڑا ہی قاصر لغو تھا۔ جناب قبلہ گاہ والد صاحب نے باطنی طور پر حضرت پیر و شکیب (موت علم) رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں عرض کی کہ اس بیٹے پر ہر باطنی فرماویں۔ آپ نے عنایت فرمائی۔ اور ظاہر و باطن کے علوم سے نواز دیا گیا۔ اس ہر باطنی کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے علوم کے دروازے کھل گئے اور بہت تھوڑی مدت میں علم ظاہری حاصل ہو گیا۔

”چنانچہ دس ہزار ساگی از تحصیل کتب متداولہ فارغ شدم، مطول و شش ماہ خواندم، و دیگر کتب را نیز بہت تمام خواندہ شد۔“

چنانچہ اٹھارہ برس کی عمر میں تمام علوم کی مروجہ کتابیں پڑھ لیں، مطول کو چھ ماہ میں پڑھ لیا۔ نیز دیگر کتابوں کو بھی جلدی جلدی پڑھ لیا۔ مروجہ توضیح جناب عالم علوم ظاہری و باطنی مولانا محمد نعیم صاحب سے پڑھی۔ جناب مولانا صاحب کمال کے ہو گئے ”مجموعہ کار“ میں رہتے تھے۔ جب آپ علوم متداولہ سے فارغ ہو گئے تو احوال پر پڑھنے کے لئے لاہور تشریف لے گئے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

”کہ استماع حدیث از خدمت میاں جان محمد صاحب کلاں کہ در منڈی قابلہ آباد بودہ می نمودم۔ و اذن حدیث گرفتہ۔“

یعنی استماع حدیث میاں جان محمد صاحب کلاں جو کہ منڈی قابلہ آباد میں سکونت رکھتے تھے،

۱۔ میاں جان محمد صاحب کلاں جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب کے مدرس اور خلیفہ تھے۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء ص ۷۳

پکھتے ہیں۔ ”و طریقت و شریعت و فقہ و حدیث عالم کامل و مقتدائی زمانہ بود۔“ آپ کی تاریخ وفات ۱۲۰۲ھ ہے۔

کی اور حدیث شریف کی اجازت بھی (انہی سے) لی۔ بعض علوم آپ نے میاں نور محمد مدق
حاجی یار بیگ صاحب، مولانا مولوی عبدالہادی صاحب اور میاں محمد مراد نابینا سے
اخذ کئے، فرماتے ہیں۔

”در خدمت میاں نور محمد صاحب مدق، و حاجی یار بیگ مولوی عبدالہادی
صاحب، و میاں محمد مراد صاحب نابینا کہ این ہمہ فضائل کمال تخریر و تالیف استغناء
از بعض علوم نمودہ شد۔“

آپ دوران تعلیم ہی میں والد گرامی مرتبت کی خدمت میں عرض کیا کرتے تھے کہ سلوک و
معرفت کے علوم سے بھی آپ کو حصہ عطا فرمایا جاوے مگر والد محترم ہمیشہ آپ کو ارشاد فرماتے
کہ پہلے علوم ظاہر کی تکمیل کرو، اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ فرماتے ہیں۔

”در اثنائے تعلیم ہم شوق و طلب حق یابین فقیر غالب بود، اما قبلہ گامی فرمودہ
کہ بعد از فراغ تحصیل چیزے گفتہ خواہد شد۔“

جب آپ تحصیل علم کر چکے تو اس وقت آپ کی عمر شریف اٹھارہ برس کی تھی جناب
قبلہ والد گرامی کی خدمت میں عرض کیا کہ اب حصول علم سے فارغ ہو چکا ہوں۔ راہ حقیقت کی
طرف رہنمائی کیجئے۔ جناب ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ
کی اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے طریقہ عالیہ قادریہ میں بیعت فرما کر ”ذکر الہی“
کی تلقین کی۔ خلوت میں بیٹھا دیا اور چار چلے والد محترم کے حضور میں یہی ذکر الہی کے پورے
کئے۔

”پچنا پچہارار بعین حضور والد نمودہ شستم“

اس کے بعد آپ چھ سال تک ایک علیحدہ تنہائی کے مقام پر عبادت و تہذیب میں مصروف

رہے اور سلوک و معرفت کے دُشوار گزار منازل کو پورا کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس عرصہ میں اپنے واروات اور اپنی کیفیات اپنے والد کی خدمت میں عرض کرتا رہتا۔

”آپچہ صواب بود تحسین می فرمودند اور اگر لغزش ہوتی تو تدارک آں نمودند آپ ارشاد

ہے کہ۔

”تفصیل آں در نشستی نمی آید از کسب و شغل معلوم می شود“

یعنی ان باتوں کی تفصیل جیٹہ تحریر سے باہر ہے کہنے سے ہی ان کا علم ہوتا ہے۔“

غرضیکہ چھ برس تک آپ ذکر لسانی، جہر، خفیہ، ذکر قلبی اور مراقبات میں مصروف رہے۔ چھ برس کے بعد جناب والد گرامی قدر نے اپنے فرزند ارجمند کو سلسلہ عالیہ قادریہ کا مشورہ خلافت تحریر فرمایا۔

آپ نے اولیاء اللہ کو ملنے اور ان سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے متعدد سفر کئے۔ سب سے پہلے پشاور شہر ہی میں جناب حافظ عبدالغفور صاحب کشمیری نقشبندی کی صحبت میں حاضر ہوئے، آپ فرماتے ہیں۔

”اگرچہ صحبت ایشان مفید بود۔ لیکن فقیراً اصلاً نشستی نمی شد“

یعنی اگرچہ ان کی صحبت فائدہ مند تھی، مگر حقیقتاً اطمینان خاطر پیش نہ تھا۔

مختلف فقر اکمل کر آپ ”اٹک“ تشریف لے گئے۔ اٹک میں حضرت حاجی صاحب

یعنی بحبی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی۔ حضرت حاجی صاحب آپ سے انتہائی شفقت اور

محبت سے پیش آئے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

”مہربانی بسیار کردند، ذکر قلبی و صحبت ایشان غالب بود، چنانچہ ذکر قلب و

طریقہ جیس و بعضی مقامات پر در عین ضرور بودند از صحبت ایشان حاصل شد“

و نیز اجازت طریقیہ نقشبندیہ فرمودند۔

یعنی حضرت پیر صاحب نے (حضرت جی صاحب) بہت مہربانی فرمائی، ان کی صحبت میں ذکر قلبی غالب ہوا، ذکر قلبی، عیس کا طریقہ، اور بعض دیگر مقامات جو کہ عیس کے لئے ضروری ہیں، ان کی صحبت سے حاصل ہوئے، نیز آپ نے طریقہ عقلمندیہ نقشبندیہ کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ اٹک کے گرد و نواح کے فقرا کو مل کر راولپنڈی کے قریب ٹور پور شاہی میں شاہ اعطیف مجذوب سے بھی ملے۔ آپ خود قمر طرائف ہیں۔

توجہ در حق فقیر کروند، اثر آں در معلوم شد۔ لیکن بعد یک روز اثر آں محترم گشت و باقی ماند۔

نوشرہ (نواح گجرات) میں حاجی گلگو صاحب کجاہ میں درویش محمد صغیر صاحب سے مل کر لاہور پہنچے۔ لاہور آپ کے وقت میں علماء، مشائخ، فقراء اور مجازیب کا مرکز تھا۔ لاہور کے تمام حضرات سے ملاقات کی، آپ فرماتے ہیں۔

”مجازیب و گوشہ نشینان و سائلگان و اہل شوق را بسیار دیدم در مزارات بزرگان ہم شب ہا گذرانیدہ شد“

میاں جان محمد صاحب کلان، میاں جان محمد صاحب قصاب پورہ ولے، میاں نور محمد صاحب مدق، حاجی یاریگ صاحب، مولوی عبدالہادی صاحب، میاں محمد اور صاحب نابینا، حاجی محمد سعید صاحب اور ڈوسرے بزرگان کی ملاقات کی۔ لاہور سے چل کر نواح سرسند شریف میں حضرت سید بھیکہ چشتی سے ملے، آپ فرماتے ہیں۔

۱۔ یہی امام کے نام سے مشہور ہیں۔

”اجازت واستفادہ بعضی افکار و اشغال حاصل ہووم چنانچہ اجازت شغل

سہ پایہ بہشت رکنی را از خدمت اوشان حاصل کردم“

سرمہند شریف تشریف لائے۔ یہاں پر جناب شیخ صدیقتہ اللہ صاحب، حضرت
میاں عبد اللہ صاحب، المعروف بہ میاں گل صاحب اور میاں فرخ شاہ صاحب سے
ملاقات کی۔ حضرت میاں گل صاحب نے آپ کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے
مزار پر لے جا کر توجہ دی۔ اور اپنی کتاب مسہلی بہ معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم عنایت فرمائی۔
سرمہند شریف سے رخصت ہو کر وہ ہلی تشریف لے گئے۔ دہلی میں شیخ محسن حشری اور شیخ کلیم
صاحب اور دوسرے بزرگان کرام سے ملاقات کی۔ شیخ کلیم اللہ صاحب نے اپنی مصنفہ
کتاب لقیات آپ کو عنایت فرمائی۔ مزارات پر بھی جہاں آیا وہیں راتیں گزاریں چنانچہ
آپ فرماتے ہیں۔

”بزمزار شریف حضرت خواجہ قطب الدین چند گاہ گزراں دیدم اوشان ہم بفضل

وعنایات فرمودند“

یعنی حضرت خواجہ قطب الدین صاحب کے مزار شریف پر کچھ راتیں گزاریں تو آپ نے بہت
ہی فضیلتوں اور عنایتوں سے نوازا۔ دہلی سے اکبر آباد ہوتے ہوئے اجیر شریف پہنچے۔
اور حضرت خواجہ بزرگ عطاءئے رسول قطب الاقطاب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنہری
رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر انوار پر حاضر ہوئے، اور سلام عرض کیا۔ آپ اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے

ہیں۔

۱۰ میاں فرخ شاہ صاحب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ ”کہ جامع علم ظاہر و باطن و اعلم زمان و مصنف وقت و محدث بودند“

”قد باطن مہربانی فرموند و توجہات عنایات کروند“

اجمیر شریف سے واپس لاہور پہنچے۔ وہی شوق اور وہی لگن، اولیاء اللہ کی خدمت کا جذبہ صاوقہ بدرجہ اتم موجود ہے۔ لاہور کے قریب ایک گاؤں بنام سیام چوراہی تھا۔ وہاں ایک ولی اللہ تھے جن کا اسم گرامی عبد الغنی تھا وہ ان دنوں لاہور شریف لائے تھے۔ آپ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، فرماتے ہیں۔

”فقیر مکرر خدمت الیثاں رفتہ، اکثر صحبت الیثاں و مجلس خاص الیثاں مستر

می شد، توجہ نسبت ذات بحت کروند، چنانچہ ازاں سبب بے خودی و بی رنگی غلبہ می کرد، و اجازت آن نسبت و دیگر مراقب ذکر و مشغل ہم بفقیر وادند۔

چنانچہ گاہ نسبت مذکور غالب می بود و گاہی نمی باشد“

یعنی مجھے ان کی خاص صحبتیں خلوت میں میسر ہوئیں نسبت ذات بحت کی توجہ کرتے تھے۔ اسی لئے بے خودی اور بے رنگی غلبہ کرتی تھی۔ اس نسبت، دیگر مشغل اور مراتب ذکر کی اجازت مرحمت کی چنانچہ کبھی وہ نسبت غالب ہوتی اور کبھی نہ ہوتی۔

اتنا طویل سفر کرنے کے بعد جب آپ واپس پشاور پہنچے، تو ارشاد فرمایا۔

”اکثر بزرگان راز سالکان و مجذوبان و صلحاء و مرتاضان، راز یارت کردہ شد

ہمہ مہربانی فرموند، بقدر نصیب چیزے حاصل نمودہ شد، اما آنچه مطلوب این

حقیر بود میسر نہ شد۔ ح

ہمہ شب رزاریم شد کہ صبا ند او بوسے

نہ و مید صبح بختم چه گناہ نم قضا را“

یعنی اکثر بزرگان کرام سے، سالکوں، مجذوبوں، صلحاء اور مرتاض لوگوں کی زیارت کی تمام

حضرات نے مہربانی فرمائی۔ جس قدر قسمت میں تھا حصہ ملا، مگر میری دلی مراد پوری نہ ہوئی۔
 آپ نے پشاور سے پھر کشمیر کا سفر اختیار کیا۔ مولانا کشمیر حضرت مفتی محمد شاہ صاحب سے عیادت
 فرماتے ہیں۔ کہ سرزمین کشمیر میں متواتر چند دفعہ تشریف فرما کر قدرتی مظاہر و مناظر سے لطف
 اٹھایا تبلیغ دین کا فریضہ بجالائے۔ مشائخ کرام کی ملاقات سے کامیاب رہے۔ طریقہ
 شریفہ کے نشرو اشاعت میں پوری توجہ سے کام لیا۔

آپ کے علم و فقر کی شہرت اتنی عام ہوئی کہ ہر کہ و مہرہ کی زبان پر آپ کی دینی تبلیغ
 خدمت فقرا، وکس اور لنگر کا تذکرہ تھا۔ لوگ جوق در جوق آتے اور حسب حال امداد حاصل
 کر کے جلتے۔ جو مخالف اور ہدایا آتے تو آپ فقرا مساکین، بیواؤں اور یتیموں پر صرف
 کر دیتے، مسافر کو زاوراہ ہتیا کرتے، اتنے اخراجات کرنے کے باوجود آپ کے چہرہ
 اقدس پر میل تک نہیں آئی، اور نہ ہی آپ نے کبھی کسی حکمران وقت اور امیر سے کوئی امداد
 قبول کی۔ دربار مہلی کی طرف سے ایک بار آپ کی خدمت میں ایک ہزار تھریاں پیش کی
 گئیں آپ نے یہ فرماتے ہوئے واپس کرین کہ "مستحق افراد میں ان کو بانٹ دو مجھے
 ان کی ضرورت نہیں، یہ غریبوں اور مفلوک الحال لوگوں کا حق ہے۔"

جب محمد شاہ بادشاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ اس وقت آپ لاہور میں تشریف فرما
 تھے تو اس نے پشاور سے آپ کے نام حکم نامہ لکھا کہ دربار میں حاضر ہوں اور میرے لئے
 دعا کریں۔ آپ نے محمد شاہ بادشاہ کو صاف جواب لکھ کر بھیج دیا۔

"کہ طریق پیرمانیت کہ ترو بادشاہ روندا، وباستمداد سے پروازند، کہ برائے

ہر ایک استمداد حق جل و علا کا کافی است۔“

آپ کے اس جواب سے بادشاہ بہت برا فرخندہ ہوا، غصہ سے جھلا اٹھا، اور حکم دیا کہ سب سے پہلے لاہور پہنچ کر حضرت شاہ محمد عوث صاحب کو اس حکم عدولی پہنچا دیا جائے گا۔ اس کے بعد وہلی کی طرف قدم بڑھاؤں گا۔ قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا جب محمد شاہ بعد لشکر کے دریائے اٹک پر پہنچا تو دریا میں طغیانی آگئی اور دن بدن بڑھنے لگی۔ کافی دن محمد شاہ کو یہاں پر لگ گئے، اُس نے اُمراء سے مشورہ کیا مشورہ کرنے کے بعد بادشاہ نے اپنا قاصد پشاور میں آپ کے خلیفہ محمد عوث کے پاس بھیجا کہ وہ دعا کرے کہ طغیانی ختم ہو، آپ کے خلیفہ نے بادشاہ کو جواب لکھا۔

”کہ میں ہمہ توقف از شامت ارادہ بد بادشاہ است، کہ بہ نسبت حضرت سید محمد عوث اندیشیدہ است۔ اگر شاہ ازاں ارادہ باز آید ممکن است کہ از آب دریا عبور نماید“

جب بادشاہ کو ایک فقیر ویش کا یہ پیرزہ کاغذ ملا، تو لرز گیا۔ توبہ کی، اللہ تبارک و تعالیٰ نے طغیانی کو ختم کر دیا۔ بادشاہ دریا عبور کر کے لاہور پہنچا۔ محمد شاہ بادشاہ نے لاہور پہنچ کر اپنے حضور طلب کیا۔ مگر آپ نے شدت کے ساتھ محمد شاہ کے دربار میں جانے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اشرافیاں آپ کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ نہایت ہی اخلاق کریمانہ سے بادشاہ کو ملے۔ مگر اشرافیاں لینے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ ”میرا تقویٰ اور اعتماد اللہ جل جلالہ پر ہے اور وہی مجھے کافی ہے۔“

یہ محمد عوث، حضرت شاہ محمد عوث صاحب کا خلیفہ تھا اور مزار مبارک سید حسنی رحمۃ اللہ علیہ میں مقیم تھا۔ مستجاب الدعوات تھا۔

حضرت غنیۃ الاعفیاء فرماتے ہیں،

”کہ (بادشاہ) درلاہور رسیدہ مخلصانہ ملاقات کرو“

جس وقت آپ کے والد محترم حضرت ابوالبرکات سید حسن رحمۃ اللہ کا انتقال ^{۱۱۵ھ} میں ہوا تو اس کے فوراً بعد بادشاہ ہندوستان اورنگ زیب عالم گیر نے آپ کے نام حضرت ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کے گرد چالیس جہریب زمین کی شد لکھ کر بھیج دی، مگر آپ نے قطعی جواب دے دیا کہ ”میں فقیر آدمی ہوں، اللہ تعالیٰ کا دروازہ مجھے کافی ہے۔ وہی میرا کارساز ہے، وہی میرا مولیٰ ہے اور وہ بہت اچھا آقا ہے“

۱۲۰ھ میں پشاور شہر میں خانقاہ عالیہ قادریہ سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر باقاعدہ سلسلہ تدریس شروع کر دیا۔ درس قرآن، درس حدیث اور طریقہ مبارکہ کے ارشاد و نحو فرماتے، آپ کے درس مبارک میں اکابر علماء کے لڑکے اور مشائخ کرام کے صاحبزادگان آکر علوم سے بہرہ ور ہوتے۔ حدیث شریف کا درس اتنا وسیع تھا کہ علاوہ پنجاب و سرحد کے کابل، ہرات اور غزنی کے طلباء جو قی و رجوعی آکر شامل ہوتے نیز تمام طلباء کی رہائش لباس اور طعام کا بندوبست بھی آپ نحو فرماتے، دوسری طرف اپنے سلسلہ مبارک کی نشر و اشاعت میں انتھک کوشش کرتے۔ سینکڑوں مریدین اور معتقدین آئے

۱۔ پسند آپ نے واپس کی تو پھر وہاں سے واپس کی گئی۔ درگاہ مبارکہ کے منتظمین خلفاء نے یہ سہ قبول کر لی تھی۔ مگر آپ نے نہ مانا۔ وہ سندس فقیر کے پاس نسلاً بعد نسل پڑی ہوئی تھی۔ اس فقیر نے وہ سند بھی و مخلصی بہتم عجایب خانہ پشاور جناب محمد شکور صاحب ایم۔ اے کی وساطت سے میٹنل میوزم کراچی کو دے دی۔

اور ارشد و ہدایت سے بہرہ یاب ہو کر واپس لوٹتے، غرضیکہ آپ کی خانقاہ میں تین تین لکھ اور تہذیب اخلاق کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ کوئی قرآن حکیم، احادیث شریف، فقہ شریف اور تصوف کی کتابیں پڑھ رہا ہے تو کوئی نئی اثبات کے ذکر میں مشغول ہے، کوئی مراقبہ کر رہا ہے تو کوئی رابطہ قلب کے ساتھ درد و شوق برپا رہا ہے۔ اس پر طرفہ یہ کہ سب پر آپ کی نظر کرم موجود ہے۔

۱۳۱۰ھ میں آپ نے بخاری شریف کی شرح لکھی۔ آپ ۱۳۸۰ھ تک پشاور میں رہے اور پھر لاہور تشریف لے گئے۔ چار برس تک لاہور میں بھی اسی طرح تبلیغ دین اشاعت سلسلہ میں منہمک رہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ آپ بادشاہ روحانی حضور عوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، قطب الاقطاب کے مقام پر سرفراز ہو کر لاہور میں مقیم ہوئے۔ ذالک فضل اللہ، یؤتیہ من یشاء۔

آپ جس طرح مقامات و علوم باطنی سے مشرف تھے۔ اسی طرح علوم ظاہری سے بھی آراستہ و پیراستہ تھے جناب مولانا کشمیر مفتی سعادت صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ خواجہ محمد راویگ جیسے حقیقت شناس بزرگ نے آپ کی تعریف و توصیف میں لکھا ہے۔

”کہ بکلی علم آراستہ است بذکر و فکر اشغال وارو“

صاحب خزینۃ الاصفیاء و حدیقۃ الاولیاء فرماتے ہیں۔

”جامع ظاہر و باطن، کاشف رموز طریقت و حقیقت بود“

جس علم و عرفان کی آپ چالیس برس تک اشاعت کرتے رہے۔ آپ نے اس کو کتابوں میں تحریر بھی فرمایا۔ زبانی طور پر یہ بات خاندان میں چلی آ رہی ہے کہ آپ نے تقریباً چار سو کتابیں لکھیں۔ مگر چونکہ آپ کی تمام اولاد تبلیغ کے لئے میدانوں اور بہاروں میں

بھرتی رہی اس لئے کتابیں محفوظ نہ رہ سکیں۔ جو کتابیں مل سکی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ شرح غوثیہ : آپ نے بخاری شریف کی یہ شرح ۳۱۰ھ میں فرمائی جو کہ شرح

غوثیہ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ شرح علم حدیث میں ایک بحرِ ناپید اکنار ہے۔ حدیث شریف

کے متعلق جتنے علوم ہیں وہ سب اس شرح میں آپ نے حل فرمائے ہیں۔ اس شرح

میں علاوہ دیگر متعلقہ علوم کے بخاری شریف کے اسماء الرجال کو مکمل بیان کیا ہے۔ فقہ

حنفی کی تطبیق نہایت ہی احسن طریقہ پر کی ہے۔ حضرت استاذِ محترم عزت مآب صاحبزادہ

حافظ علی احمد صاحب شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے جب یہ شرح ملاحظہ فرمائی تو فرمایا۔

”اس طرح معلوم ہوتا ہے جیسے حضرت کے سامنے لوح محفوظ تھی۔ جس کو دیکھ کر آپ

یہ شرح لکھ رہے تھے“ جناب مولانا عبیدالحق صاحب محدث دارِ سنگوی فرماتے تھے کہ

جس طرح نووی مسلم شریف کی دیگر شرح سے بے نیاز کر دیتی ہے اسی طرح بخاری شریف

کی یہ شرح، بخاری کی اور شرح سے بے نیاز کرتی ہے“ یہ شرح فارسی میں ہے اور

صاحبزادہ فضل صدیقی صاحب ساکن بھانہ ماڑی پشاور کے کتب خانہ میں تھی اور اب

پشاور یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے۔ یہ شرح صرف پہلی جلد ہے جو کہ بخاری شریف

کے تین پاروں پر مشتمل ہے۔ تقطیع بڑی ہے اور تقریباً ایک ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے

۲۔ رسالہ اصول حدیث : یہ حدیث کے اقسام پر عربی میں آپ نے لکھا ہے۔

اس فقیر نے اس کو چھپوایا ہے اور اکثر دارالعلوموں میں بطورِ درس کے پڑھایا جاتا ہے

اس فقیر کے استاذِ محترم صاحبزادہ حافظ علی احمد جان صاحب نور اللہ مرقدہ نے بخاری شریف

کے اسباق کے دوران اس کا نہایت ہی نفیس و جلیل ترجمہ کیا ہے۔ انشاء اللہ چھاپ

دیا جائے گا۔

۳۔ رسالہ در بیان کسبِ مہلک و بیانِ طریقت و حقیقت (فارسی قلمی)

یہ رسالہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، تصوف پر لکھا ہے۔ یہ رسالہ مکمل و اکلِ مرشد ہے۔ ساک کو قدم پر ہدایت کرتا اور سمجھاتا ہے۔ چنانچہ آپ خود اس رسالہ میں رقمطراز ہیں کہ طالب کو اگر اس راہ کی طلب ہے تو

”اول مرشد کند کہ کار بدون او نکشاند و حل این عقدہ بوصول اوست اگر

این چنین مرشد نہ باید پس آنچه دریں رسالہ مسطور است از محققان و صاحب

کمالان حاصل نمود خلاصتہ آں نوشتہ، باید کہ بریں عمل نماید البتہ از فائدہ و

پہنائی این راہ خالی نخواهد ماند، و انتفاعی خواهد شد، اگر استعداد کامل باشد،

شاید مقصود برسد۔“

اس رسالہ میں ایک ویباچہ اور چھ فصلیں ہیں۔ ویباچہ میں ”ذکرِ مدام“ اور ”فکرِ تمام“

”اکلِ حلال“ ”صدقِ مقال“ وغیرہ پر بحث ہے۔ پہلی فصل شریعت کے بارے میں ہے اس فصل کی ابتداء میں فرمایا۔

”اول ساک را لازم است کہ سعی در متابعت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام نماید

و قدم از متابعت او بیرون نہ نهد، و در عقائد، اعمال و افعال و احوال در

تبعیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوشد۔“

لے لاہور سے ”اللہ والے“ کتب فروش نے آپ کا ایک رسالہ جس میں اس رسالہ کا کچھ حصہ شامل ہے ”امرِ طریقت“ کے نام سے اردو میں شائع کیا ہے۔ یہ رسالہ نہایت ہی نامکمل ہے۔ اس میں صفحہ ۳۱ سے لے کر صفحہ ۴۹ تک کا مضمون جناب حضرت محمد غوث صاحب گوالیار ہی ہے جو کہ اصل کتاب میں قطعاً نہیں، نیز ترجمہ کرنے والے نے بھی ترجمہ میں کمی بیشی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائے۔ آمین

نماز کی پابندی، نبوی استفادہ کا طریقہ، حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و طریقتہ
 تہجد، طریقت سے کیا مراد ہے اور ذکر کے طریقوں کا بیان ہے۔ دوسری فصل میں ان مراتب
 کا ذکر ہے جو ذکر کے بعد کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے مراقبہ حضور، مراقبہ مشہود، مراقبہ
 معیت، احاطہ ذاتیہ، اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ تیسری فصل
 حقیقت کے بیان میں ہے، چوتھی فصل معرفت اور پانچویں فصل مراتب وجود اور ظہور
 کے بیان پر مشتمل ہے۔ چھٹی فصل میں اپنے پیر و مرشد والد محترم کا تذکرہ اور غرقہ، خلافت کا
 بیان ہے اور ان بزرگان کرام اور علماء کرام کا ذکر ہے جن سے آپ نے استفادہ کیا اور انہیں
 ملے۔ نیز اپنا شجرہ بھی ہے

۴۔ رسالہ ذکر ہیر : اس رسالہ میں قرآن مجید، احادیث شریف، کتب فقہ اور
 کتب علماء کرام سے مدلل طریقہ سے ذکر ہیر کا ثبوت دیا ہے اور نہایت ہی احسن و جوہ بیان
 فرمائے ہیں۔ یہ رسالہ عربی میں قلمی ہے۔

۵۔ ترجمہ قصیدہ غوثیہ شریف : (فارسی قصیدہ شریف کی عام نظم اور صوفیانہ شرح
 ہے۔ صرف اور نحو کے مشکل مقامات کو نہایت آسان طریقہ پر حل فرمایا ہے۔ پیر عبد الغفار
 صاحب لاہوری نے سالہ ۱۹۱۰ء میں شائع کی تھی۔ اس شرح کا نام آپ نے ”شرح خمیرہ“
 رکھا ہے۔

۶۔ اسرار التوحید : (عربی) قلمی یہ کتاب توحید کے موضوع پر ہے، کلکتہ (بھارت)
 میں حضرت مولانا مولوی عبدالرؤف صاحب دانا پوری مصنف اصح السیر کے کتب خانہ میں ہے
 حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود اس کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ جب
 فصوص الحکم مصنف ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کرتے تھے تو آپ کو دو مقامات پر بہت

اشکال وارد ہوئے۔ آپ فرماتے ہیں۔ "ایک تو وہہ مطلق کی تحقیق اور اس سے کثرت کے ظاہر ہونے کی کیفیت، دوسرا خاتم الاولیاء کا مسئلہ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ آخر ایک رات حضرت شیخ ابن عربی اور شیخ صدر الدین قسری کو جو کہ شیخ کے اجل اصحاب سے تھے، ہمہ مولوی جامی کے خواب میں دیکھا۔ (خدا ان سب پر اپنی رحمت تکیے) انہوں نے ہر دو مسئلوں کو خاکسار کے سامنے حل کر کے سمجھا دیا۔ جب میں بیدار ہوا تو میری تسلی تھی، بلکہ اس خواب کے بعد تو یہ کیفیت ہے کہ علم میں جو قضیہ وارد ہوتا ہے ایسا صاف ہو جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اپنے وجدان سے حاصل ہوا ہے اور جو شخص ان مسئلوں میں تصرف کرتا ہے۔ اس کا فٹنہ شبہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ نا سمجھی کے باعث ایسا کر رہا ہے۔ اس کا جواب فوراً ذہن میں آ موجود ہوتا ہے۔ ذرا بھی سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ گویا اس علم کے مسئلے موجود ہیں۔" فرماتے ہیں۔ "چنانچہ اس علم میں کئی رسالے لکھے ان میں سے ایک کا نام اسرار التوحید عربی میں کلاں رسالہ ہے۔ دوسرا غاری میں، اس میں بعض جہدانی حقائق بھی درج کئے گئے ہیں۔ اسی طرح آپ نے قرآن مجید کا حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ (ڈیرہ اسماعیل خان) ٹکڑی میں حضرت خواجہ نور محمد صاحب سروری قادری کے کتب خانہ میں ہے واللہ اعلم۔

منطق، فلسفہ اور الہیات کی کتابوں پر آپ نے شرح تحریر فرمائی ہیں۔ مگر افسوس کہ ان کتابوں کا پتہ نہیں لگ سکا۔ اگر کسی کے پاس ہیں تو وہ بتلانا بھی گوارا نہیں کرتے۔

۱۔ رسالہ در بیان کسب سلوک و بیان طریقت و حقیقت شائع شدہ پشاور۔ حضرت علامہ مولانا مولوی الحاج

حافظ نصیر احمد صاحب المتوفی ۱۳۰۵ھ مدظلہ العالی صاحب فقہ حنفی رحمۃ اللہ علیہ۔

اگر کسی صاحب کے پاس آپ کی کوئی کتاب ہو تو مطلع فرما کر عذر اللہ ما بعد ہوں۔
 آپ کے کشف و کرامات کو اگر جمع کیا جائے تو ایک مکمل الگ کتاب بن جائے گی
 مگر آپ کی ذات ستوہ صفات ان باتوں سے ارفع اعلیٰ اور بہت ہی بلند ہے۔ آپ
 نے خود بھی ان باتوں کو درخور اعتنا نہیں سمجھا، چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔ ”سالک کو
 بعض اوقات ذکر کی حالت میں اپنے اور غیر کے قلب کا شاہدہ ہوتا ہے اور بعض اوقات
 اور باتیں بھی کھل جاتیں ہیں۔ کشفِ قہور بھی حاصل ہوتا ہے۔ لیکن ان باتوں کی طرف
 توجہ نہیں کرنی چاہیے کیونکہ (سالک) مطلوبِ حقیقی سے محروم رہ جاتا ہے۔“ اور کیوں نہ
 ہو جب کہ آپ ایسے رکھائی درگاہ کے فیض یافتہ تھے جس کے استاد والا قدر کا یہ
 ارشاد ہے کہ

”ایں ہمہ (کشف و کرامات وغیرہ) آنچه دیدی و شنیدمی بازمی طفلان است
 و کار دیگر است سالک را این کار آفات است و مانع علو درجات است
 اسی وجہ سے اس میں اختصار کیا جاتا ہے اور آپ کی وہ کرامتیں لکھی جاتی ہیں جن سے
 آپ کا تعلق باللہ ظاہر ہوتا ہے۔ نیز جن کرامات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا کو آپ
 نے کس طرح پائے استحقاق سے ٹھکرایا۔

صاحبِ یادِ رنگان لکھتے ہیں۔ ”ایک دفعہ ایک نابینا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا
 اور عرض کی کہ آپ پتہ آل رسول ہیں مجھے دم کریں (تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے بینائی نصیب

۱۰ یہ قول آپ کے پیر و مرشد حضرت ابوالبرکات سیّد حسن بادشاہ صاحب قادری پشاوری کا ہے۔

۱۱ یادِ رنگان کا مصنف محدثین فوق امر نسری ہے۔

فرمادے) آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اس کی آنکھوں پر دم کیا، اور ہاتھ پھیرا
وہ شخص فوراً بینا ہو گیا۔

جب آپ لاہور جاتے ہوئے اٹک پہنچے، تو ایک ہاتھتا بمعہ اپنے چیلوں کے
آپ کی خدمت میں آیا، اور کہا کہ آپ درویش ہیں آپ کے ٹنگرے سینکڑوں آدمی روٹی
کھاتے ہیں۔ لہذا آپ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایک ٹکڑا کیمیا کا حاضر ہے آپ
جتنا چاہیں اس سے سونا بنا کر اپنی ضروریات پوری کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بہت
اچھا اور وہ کیمیا آپ نے لے کر وریا میں پھینک دیا۔ وہ ہاتھتا بہت ہی خفا ہوا اور
ناراضگی کا اظہار کیا۔ آپ نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے وریا سے اٹک کو کلمہ طیبہ پڑھ
کر اشارہ کیا۔ وریا پھٹ گیا۔ تو اس مشرک کو ہر طرف سنگ پارس ہی سنگ پارس نظر
آتے۔ آپ نے اس مشرک کو کہا کہ اللہ تعالیٰ کا چھ پر اتنا عظیم احسان ہے جو تم نے
دیکھا اور یہ احسان عظیم تم پر بھی ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ ایمان لے آؤ۔ وہ ہاتھتا بمعہ اپنے
چیلوں کے آپ کی یہ کرامت دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ پھر یہی ہاتھتا آپ کا خلیفہ بنا اور بڑے
بڑے اولیاء آکر اس سے فیض پاتے۔ اس کی قبر آپ کے پاؤں کی طرف ہے۔

صاحب حدیقتہ الاولیاء جناب مولانا مفتی غلام سرور صاحب لاہوری اپنی کتاب کے
صفحہ ۲۶ پر تحریر فرماتے ہیں۔

”حضرت کی کرامتیں اکثر مشہور ہیں۔ مگر چشم دید یہ ہے، جب رنجیت سنگھ کے بعد
کھڑک سنگھ جانشین حکومت لاہور ہوا تو اس کے بیٹے نونہال سنگھ نے جو با اختیار حاکم تھا حکم
دیا کہ لاہور کی فضیل کے باہر چار ہزار قدم تک زمین صاف کر دی جائے۔ مکانات گرا دیئے
جائیں، اور درخت کاٹ دیئے جائیں۔ ایک انگریز دلا روس اس کام پر مقرر کیا گیا۔

اُس نے مکانات گرانے شروع کر دیئے۔ آپ کے مکان کی چار دیواری بھی گرانی شروع کی گئی۔ درخت کاٹ دیئے گئے۔ جب اندرون دیوان خاص مزار کی چار دیواری گرانی گئی تو قدرتِ الہی سے اسی روز کھڑک سنگھ مر گیا۔ اور ٹونہال سنگھ جب نعش جلا کر آیا تو سلامی کی ٹوپوں کے زلزلے سے نلعمہ کے دیوار کا پتھر جدا ہو کر ٹونہال سنگھ کے سر پر آگرا، اور وہ جوان جوان مرگ ہوا۔ اس کی والدہ چند کور ڈری اور حکم دیا کہ مزار حضرت کا نہ گرایا جائے چنانچہ گرا ہوا مکان اسی وقت تعمیر کیا گیا۔

آپ کی وفات، اربعہ الاقل ۱۱۵۲ھ میں ہوئی۔ بیرون دہلی دروازہ لاہور آپ کا مزار واقع ہے۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ (سید میر محمد عابد شاہ صاحب، سید میر شاہ شاہ صاحب، میر سید شاہ میر صاحب، میر باقر شاہ صاحب، یہ ہر چار آپ کے مرید اور خلفاء تھے۔ اور آنجناب کے بہت سے اور خلفاء بھی تھے۔ ان میں سے حافظ محمد سعید صاحب، حافظ محمد صدیق صاحب، محمد غوث صاحب اور جناب شیخ وجیہ الدین صاحب المعروف پیر زہدی لاہوری، نیز آپ کے پوتے جناب حضرت شاہ غلام صاحب بھی آپ کے مرید و خلیفہ تھے۔

۱۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء نے لکھتے ہیں۔ "بیعت سلسلہ قادریہ بخدمت حضرت شاہ محمد غوث گیلانی ^{رحمہ} کرد و خرقہ خلافت یافت یا فریاد" آپ کی تعریف میں لکھتے ہیں۔ "از کمل مشائخ متاخرین و اعظم اولیائے روتے زمین است، جامع علوم ظاہری و باطنی و مورد فیوض صوری و معنوی و واقف اسرار جلی و خفی مقتدائی زمانہ یکنانی وقتا خود بود" آپ کی وفات ۱۱۵۲ھ میں ہوئی، آپ کی قبر لاہور سے باہر مزنگ میں واقع ہے۔

حضرت غوث شاہان میاں محمد عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوع حکیم پشاور

۱۰۸۲ تا ۱۱۹۰ھ

آپ کا اسم شریف میاں محمد عمر صاحب، والد کا نام ابراہیم خان، دادا کا نام کلاخان ہے، اور القاب مورتی عظیم، شیخ المشائخ، عمدة العلماء، قدوة الفضلاء، اور غوث زمان ہیں۔ پشاور شہر کے علاقہ میں عموماً اور دوسرے شہروں میں خصوصاً میاں صاحب حکیم شریف کے نام سے مشہور ہیں۔

آپ یا جوڑ کے علاقہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کے دادا کلاخان بہت بڑے عالم دین اور طریقہ قادریہ و چشتیہ کے روحانی پیشوا تھے۔ حکمران طبقہ، اور دیگر قسم کے لوگ آپ کی روحانیت اور علم کے معترف تھے جس کی بدولت آپ کو بڑی عزت و عظمت سے دیکھا جاتا۔ جناب کلاخان شاہ جہان کے دور حکومت میں لاہور تشریف لے گئے۔ لاہور میں آپ کی تشریف آوری کا جب شاہ جہان کو پتہ چلا تو اس نے آپ کی بہت ہی خاطر و مدارات کیں اور انتہائی عزت و تکریم سے پیش آیا۔ اور دریائے راوی

کے کنارے پر موضع فرید آباد کی جائداد بطور جاگیر کے دے دی۔ کلاخان صاحب اپنے تمام کتبہ کو لے کر فرید آباد میں آباد ہو گئے، اور تمام جاگیر کا انتظام و انصرام خود کیا۔ فرید آباد کے قریب ایک موضع تھا جس کا نام سیدان والا ہے جناب کلاخان نے اس موضع میں ایک شریف گھرانے میں شادی کی۔ اس بیوی کے بطن سے صرف ایک لڑکا مسمیٰ محمد ابراہیم خان پیدا ہوا۔

جناب کلاخان اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر اور باقی قبیلہ کو فرید آباد میں رہائش پذیر کر کے اپنے آبائی وطن باجوڑ کو عازم سفر ہوئے۔ جب دریائے سندھ کو عبور کر کے گلگت علاقہ میں موضع کلاخان پہنچے تو وہاں پر جناب کلاخان کو شہید کر دیا گیا۔ ان کے بیٹے محمد ابراہیم خان نے پریشانی کے عالم میں والد کو وہاں ہی دفن کر کے باجوڑ کی راہ لی۔ جناب میاں محمد عمر صاحب اس واقعہ کو پشتو کے ایک شعر میں بیان فرماتے ہیں۔

شوگ بد بدل نہ کا مہرم حکم و وحید

راغے کلاخان پہ کلاخان کہیں شہید

یعنی وحدۃ لا شریک کی قضا۔ مہرم (نہ ملنے والی قضا) کو کوئی بھی نہیں تبدیل کر سکتا۔ جب کلاخان، کلاخان پہنچے تو شہید کر دیئے گئے۔

کچھ عرصہ جناب محمد ابراہیم صاحب نے جندول علاقہ باجوڑ میں قیام کیا اور پھر فرید آباد اپنی جاگیر پر اور کتبے کے پاس چلے آئے۔

تفاتیق پشاور اور اس کے گرد و نواح میں ہولناک قحط پڑا، بڑے بڑے زمیندار متلوک الحال ہو گئے، افلاس و غربت کی وجہ سے اپنی جگہیں انھیں چھوڑنی پڑی۔ تو موضع چکنی کے خان ملک سعید خان بھی اپنا کتبہ لے کر فرید آباد چلا گیا، اور وہاں پر

سکونت اختیار کر لی

ملک سعید خان نے اپنی لڑکی جناب محمد ابراہیم صاحب سے بیاہ دی جس کے بطن سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک کا نام نامی ابراہیم گرامی محمد صاحب المشہور میاں صاحب چمکنی تھا۔

جب دورِ قحط ختم ہوا اور علاقہ آباد ہونے لگا تو ادھر ادھر گئے ہوتے لوگ اپنے اپنے علاقہ میں واپس آنے لگے تو ملک سعید خان بھی واپس اپنے آبائی گاؤں موضع چمکنی آکر آباد ہو گئے۔

کچھ عرصہ کے بعد ملک سعید خان کو معلوم ہوا کہ جناب محمد ابراہیم صاحب فوت ہو گئے ہیں تو وہ فرید آباد گئے اور اپنے نواسے نواسیوں کو بمعہ اپنی صاحبزادی کے لے کر موضع چمکنی چلے آئے، اُس وقت جناب میاں عمر صاحب کی عمر شریف صرف اکھڑیا تو برس کی تھی۔

میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پرورش آپ کی والدہ صاحبہ کے زیر سایہ آپ کے نانا ملک سعید خان نے باحسن و جود ہر انجام دی۔ ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد اسی علاقہ کے اکابر مشائخ اور علماء کی صحبت میں رہ کر دینیات کی تکمیل کر لی۔

مولانا محمد فاضل صاحب پاپینی (نگر ہار)، شیخ فرید صاحب ساکن موضع اکبر پورہ ضلع پشاور۔ مولانا حاجی محمد امین صاحب۔ ساکن پشاور چھاؤنی، صدیقی نقشبندی حضرت شیخ المشائخ عبدالغفور صاحب نقشبندی اور حضرت محمد یونس صاحب رحمن کامزار

۱۔ ایک کا نام محمد موسیٰ، اور دوسرے کا نام محمد عیسیٰ تھا۔

موضع طور و مہیار ضلع مروان میں واقع ہے) رحمہم اللہ علیہم اجمعین آپ کے اساتذہ کرام میں سے ہیں۔ ان حضرات عالی مرتبت سے آپ نے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔
 حضرت میاں عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب بنام خزینۃ الاسرار یا اسرار اللہ لکھی ہے۔ اس میں آپ نے حاجی شیخ سعدی لاہوری کے ساتھ اپنی ارادت کا مفصل بیان کیا ہے۔

آپ پہلی بار ۱۰۲۰ھ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کے بعد جب بھی آپ اپنی جاگیر کی وصولی کے سلسلہ میں فرید آباد جاتے تو حضرت شیخ سعدی لاہوری کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنی ارادت و محبت کا اظہار کرتے۔
 جب ۱۰۵۰ھ میں جناب مولانا محمد فاضل صاحب کی جگہ مٹہ مغل خیل علاقہ دوآبہ میں شیخ سعدی تشریف لائے تو حضرت میاں عمر صاحب اس وقت بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور جب شیخ سعدی صاحب موضع اچینہ میں شیخ ابراہیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لائے تو میاں صاحب بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آخر میں جبکہ شیخ سعدی لاہوری ۱۰۶۰ھ کو کوہاٹ وغیرہ کا دورہ کر کے واپس پشاور آئے تو آپ نے پشاور میں ان کا استقبال کیا۔

اگرچہ آپ کی محبت اور ارادت حضرت شیخ سعدی لاہوری سے بدرجہہ کمال تھی، مگر آپ حضرت سراج العظم شیخ یحییٰ المعروف امام حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بہت نئے اور حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ سعدی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے دست گرفتہ

۱۰ سراج العظم شیخ یحییٰ المعروف "روحانی ترغیب" از عید المعظم صاحب اثر افغانی تلمی۔

تھے۔ شیخ سعدی لاہوری حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید تھے، اور حضرت
 آدم بنوری، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید و خلیفہ تھے۔
 جناب چمکنی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے توضیح المعانی شرح خلاصہ کیلانی کے
 ویساچہ میں اپنی بیعت کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

”شما طریقہ اولیوی وہ“ و حضور پُر نور نبی کریم علیہ النبیۃ
 و التسلیم روح پُر فتوح شما تربیت کرتے ہو، لیکن یہ ظاہر
 کنن شما چارہ داخبرہ ضروری وہ چہا، کوم یو ژوند عاید
 نہ دے بیعت او کدم، یہ دت وجہا اٹک و حضرت
 شیخ یحییٰ المعروف حضرت جی صاحب نام پسا
 نقشبندیہ طریقہ کین بیعت او کہا۔“

ترجمہ: میرا (روحانی) طریقہ اولیوی تھا حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پُر فتوح
 نے میری تربیت کی تھی، لیکن ظاہری طور پر میرے لئے ضروری تھا کہ کسی ایک زندہ پیر کی
 بیعت کرتا یہی وجہ تھی کہ میں نے اٹک کے حضرت یحییٰ صاحب المعروف حضرت جی
 صاحب سے طریقہ نقشبندیہ میں بیعت کی۔“

آپ نے تکمیل سلوک کے بعد مستدارِ شاہ کو زینتِ بخششی، تبلیغِ اسلام، اشاعتِ علوم
 اسلامیہ اور سلسلہ نقشبندیہ کی ترویج میں مصروف ہو گئے۔ گرد و لواج کے شہروں میں اور
 بسٹیوں میں دوسے کرتے اور ”بالمعروف“ ”منہی عن المنکر“ فرماتے۔ تمام اوقات

یہ کتاب پشتر میں ہے۔

عبادتِ الہی، اور اللہ کی مخلوق کی خدمت میں بسر کرتے۔ لنگر جاری کیا۔ ہر آنے جانے والوں کو لنگر سے کھانا ملتا۔ مسافروں کی اشیاء سفر کی ضروریات بھی چھتیا فرماتے۔ تقریباً پانچ سو کے قریب افراد روزانہ دونوں وقت کھانا لنگر سے کھاتے۔ اُمراء اور غریب یکساں آپ کی صحبت سے فیض حاصل کرتے۔ آپ کی خانقاہ باقاعدہ طور پر سلوک و معرفت کی ایک درسگاہ تھی، جس میں حسب توفیق ہر ایک صاحب معرفت بن کر مخلوقِ خدا کی ہدایت میں مصروف ہو جاتا۔

آپ انتہائی سادگی اور بے ریا زندگی بسر کرتے۔ عموماً روزہ سے ہوتے اور اگر کبھی کبھار افطار بھی کرتے تو بہت ہی کم کھاتے۔ بیشتر ضرورت کے گفتگو نہ فرماتے۔ انتہائی درجے کے قلیع سنت تھے حضور اکرم سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کی عملی تفسیر تھے۔

آپ کی صحبت بابرکت میں بڑے بڑے اعظم علماء اور فقہا انتہائی ارادت سے آتے اور اپنی اس حاضری کو سعادتِ اُخروی و دنیوی کا سبب سمجھتے، یہاں تک کہ آپ سے بیعت ہو کر صاحبِ عباد بھی ہوتے۔ اس کے ساتھ ساتھ کہ آپ نے طریقہ تفسیر بندہ کو اپنی زندگی کا مقصد اور طریقہ بنا رکھا تھا۔ آپ نے تحریکِ ذریعہ بھی مذہب و قوم کی خدمت کی، جو آج تک بنائی گئی ہے۔

خلاصہ کیدانی فقہ حنفی کی ایک ممتاز اول کتاب ہے جس میں نازک و مکمل طریقہ ہے آپ نے نہایت ہی تفصیل کے ساتھ اس کا پشتون نظم میں ترجمہ کیا۔ یہ کتاب العسکرم رفیع الاسلام کے مہتمم جناب مولانا سید فضل صمدانی صاحب کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

جس کا نام ”توضیح المعانی“ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمال مبارکہ پر ایک کتاب ”شمال لغوی“
 صلی اللہ علیہ وسلم لکھی۔ ایک ضخیم کتاب ”الاسرار“ یا ”خزینۃ الاسرار تقریباً ۵ سو صفحات
 پر فارسی میں لکھی اس کتاب میں اپنے مشائخ کا تذکرہ اور علم تصوف کو لکھا ہے۔ یہ کتاب
 بہت ہی نایاب ہے۔

محترم عبدالحمید صاحب انرا افغانی نے اس کتاب کو کابل میں دیکھا ہے مفتی غلام سرور
 صاحب لاہوری مرحوم نے اپنی مایہ ناز کتاب ”خزینۃ الاصفیاء“ میں اکثر اس کتاب
 کے حوالے دیئے ہیں۔ ایک کتاب ”المعانی“ قصیدہ امانی (جو کہ عقائد احناف کی کتاب
 ہے) کی شرح میں لکھی، یہ بھی قلمی ہے اور بھانہ ماڑی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔
 مدپشتون نسب نامہ ”بھی آپ نے ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ تمام کتابیں قلمی ہیں۔
 آپ کی کرامات بے حد و حساب ہیں، آپ کے مریدین میں ”لوئے بابا“ احمد شاہ
 ابدالی بھی تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب احمد شاہ ابدالی ”لوئے بابا“ ہندوستان پر
 حملہ آور ہونے کے لئے آپ سے طالبِ دعا ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ
 ”ہمراہ خود ہمہ وقت مرا پنداری“

یعنی مجھے ہر وقت اپنے ساتھ تصور کرنا۔ ادھر ”لوئے بابا“ لڑتا اور آپ ایک
 قبچقی لے کر چمکنی کے کسی ایک باغ میں داخل ہو کر پتوں کو کاٹنے رہتے۔ ”لوئے بابا“
 کہتے تھے کہ جس طرف بھی جہاد میں میں ٹمٹہ پھیرتا مجھے حضرت صاحب موصوف کافروں
 کے ساتھ لڑتے ہوتے نظر آتے۔

اس وقت بھی آپ کی یہ زندہ کرامت ہے کہ جس شخص کو بدن کے کسی مقام پر
 درود ہو وہ آپ کے مزار مبارک پر حاضر ہوتا ہے۔ اشد آپ کی برکت اور طفیل سے اس کو

شفا مرحمت فرماتا ہے، اور سیدنگڑوں لوگ روزانہ حاضری دیتے ہیں۔ پشاور شہر کے علاقہ میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

آپ کی وفات رجب المرجب ۱۱۹۰ھ میں واقع ہوئی اور موضع چمکتی میں جو کہ شاہی سڑک پر پشاور سے تین میل دور واقع ہے، آپ کا مزار ہے۔

آپ کے خلفاء بھی اسی طرح صاحب علم، صاحب سلوک و معرفت اور صاحب تہذیب ہوتے ہیں۔ ویسے تو آپ کے کافی خلفاء ہوتے ہیں مگر یہاں پر چند ایک نام لکھتا ہوں۔

آنوند ملا عبدالحکیم صاحب - موضع گجر گڑھی ضلع مردان

آنوند زاوہ حاجی فضل اللہ - موضع آگرہ، تحصیل چارسدہ ضلع پشاور

محمدی صاحب زاوہ صاحب - یہ آپ کے فرزند عزیز ہیں۔ آپ بہت ہی

عالم و فاضل تھے۔ آپ نے "مقاصد الفقہ" نامی کتاب

اور "درود منظوم" لکھی ہے۔ نیز برہان الاصول و اصول فقہ عربی

مولانا عبد الرحیم صاحب لا تبری عن اسلام کا مسج تحریر کرتے ہیں۔

"بارہویں صدی کے علماء میں سے ہے۔ اپنے زمانہ میں عالم فاضل تھا۔

علیہ اللہ مبارکات۔ آپ بھی آپ کے فرزند ہیں اور صاحب تصنیف

عالم ہیں۔ پشتو میں "عبرت نامہ" نامی کتاب لکھی ہے۔

قاضی انور عبد الرحمن صاحب - پشاور شہر

ارباب معزز اللہ خان صاحب - موضع سر بند

انور حافظ شیر محمد صاحب - بازار احمد خان شہر نون -

محمد اشہد نان - موضع رستم علاقہ سندھ

نور محمد شیرینی - فے کلی تھانہ، مالاکندہ ایجنسی

احمد شاہ ابدالی - (لوٹے بابا) بادشاہ مولا

حضرت علامہ محمد صاحب علم و فن صاحب کتب و تصانیف صاحب شاہد قاضی نقشبندی

سوال نمبر ۵۵

آپ کا اسم گرامی علامہ محمد، لقب قدوة الاولیاء اور مشہور ہیں حضرت جی صاحب کلام
پر آپ نسبتاً فاروقی ہیں، اور پانچویں پشت میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی،
امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے جاملتے ہیں۔

سرہندی شریف علم و فضل، سلوک و معرفت کا مرجع تھا۔ اور آپ کے والد گرامی حضرت
حضرت علامہ علامہ محمد مصحوم المعروف مصحوم ثانی، صاحب علم و زہد و تقویٰ سے آراستہ
و پیراستہ تھے، لہذا آپ کی تربیت بھی علماء و فضلاء کی گود میں ہوئی۔ علم حدیث میں
خصوصاً اپنے وقت کے علماء میں سب کے قافلہ سالار تھے۔ ہر ایک بات پر جو کہ
عادات سے ہوئی یا عبادات سے متعلق ہوئی حدیث بیان فرماتے۔ علوم و رسم سے
فراغت حاصل کر کے اپنے والد محترم سے بیعت ہو کر کمالات باطنی کو درجہ کمال تک
پہنچایا۔ والد محترم نے اپنی زندگی ہی میں خلافت عطا فرما کر مستدار شاد و پر علوہ افروز کیا۔
اور اپنی تمام اولاد مریدین و مخلصین کو آپ کے پیرو کر دیا۔

آپ کے وجود مبارک سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کو کمال عروج حاصل ہوا،

اور عالمگیر شہرت نصیب ہوئی۔ ہر چہار طرف سے عالم، اُمراء، مشائخ اور فقرا آ کر
 مریدین کے حلقے میں شامل ہونے لگے۔ آپ کے نواسہ حضرت عبداللہ صاحب ایک نو
 ورتی پمفلٹ موسوم بہ "حالات حضرت جی صاحب پشاور والا" میں تحریر فرماتے ہیں
 "آوردہ اندک در حلقہ صبحگاہی ایشان زیادہ از دو اندہ ہزار مردم جمع می شد"
 یعنی آپ کے صبح کے حلقے میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے تھے۔

جبکہ ہندوستان میں وزیرِ مغلیہ زوال پذیر ہو رہا تھا۔ شاہانِ مغلیہ بالخطاط تھے
 اور شاہِ ایران کے ہاتھ سے تخت و تاج و تہی برباد ہو گیا تھا۔ مرہٹوں اور سکھوں کے
 تسلط و اقتدار میں پنجاب جا چکا تھا، انھوں نے مساجدِ اسلامیہ کو ڈھانا مسلمانوں
 کے شہروں کو برباد کرنا مسلمان عورتوں کی بے حرمتی کرنا اور مال و اسباب کو ٹنا پنا شعار
 بنایا تھا۔ اس عیب اور خطرناک ماحول میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی
 اولاد بھی سر ہند شریف چھوڑ کر دور دراز شہروں میں چلی گئی۔ چنانچہ آپ نے بھی ان روزہ
 صفت سکھوں کے ہاتھوں سے تنگ آ کر پشاور میں قیام فرمایا۔ حضرت مجدد الف ثانی
 رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر اولاد کچھ تو رامپور اور کچھ خراسان کی طرف ہجرت کر گئی۔

آپ کا مقصد کردہ طریقہ تھا کہ چھ مہینہ لاہور اور چھ مہینہ پشاور قیام کرتے جس طرح
 بادشاہوں کا قافلہ ہوتا اسی طرح سفر کرتے۔ یعنی اولاد، بھائی، متعلقین اور تمام ساز و سامان
 کے ساتھ آمد و رفت کرتے تیز موسم گرما اور موسم سرما میں ایک سو کے قریب اونٹ
 گھوڑے، کچاوسے اور پالکیاں آپ کے ہمراہ ہوتیں۔

پشاور شہر میں آپ نے باقاعدہ باغ اسد اللہ خان میں خانقاہ قائم کی۔ یہ باغ
 بہت بڑا تھا۔ اس کی تمام آمدن خانقاہ کے اخراجات پر صرف ہوتی۔ اسد اللہ خان

دُانیوں سے تھا اور آپ کا انتہائی مخلص معتقد تھا۔ اس باغ کے ساتھ زندگی زمین بھی تھی اور یہ سب آپ کی وفات کے بعد سکھوں کے دور تک اس باغ اور زمین کی آمد آپ کی درگاہ پر خرچ ہوتی۔ آپ کی وفات کے بعد ایک بہت بڑی مسجد اور مسافروں کے لئے حجرے تعمیر کئے گئے۔ یہ تمام عمارتیں سکھوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گئیں۔ اب صرف تقریباً ایک جریب زمین ہے جس پر ایک خستہ سی مسجد اور آپ کا مزار ہے۔ آپ کی اولاد کابل، قندھار، اور سندھ میں آبا و ہے۔ آپ کی اولاد میں سب کے سب عالم و فاضل اور اولیاء کاملین تھے۔ اس وقت بھی صاحبان علم و فضل و مجاہدین نقشبندی حضرات اب بھی آپ کے مزار پر الزار پر مراقبات و ختم شریف کرتے ہیں۔

ذاتی برائے ایصال و فاتحہ حاضر ہوتے ہیں۔

عید الفطر کی رات شوال کے مہینہ میں ۱۵۷۵ھ کو آپ نے انتقال فرمایا۔ اور اسی باغ اسد اللہ خان میں جوڑی دروازے کے باہر (شعبہ میں) دفن کئے گئے۔ آپ کی قبر کے ساتھ آپ کے فرزند حضرت شاہ غلام حسن المتوفی ۱۶۱۵ھ کی قبر ہے۔ آپ بھی عالم و فاضل اور اپنے والد محترم کے خلیفہ تھے۔ والد گرامی کی زندگی میں ہی ارشاد و ہدایت میں مشغول ہوئے۔ طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں کمالات کو پہنچے، اور ہزار ہا مخلوق خدا کو ہدایت نصیب فرمائی۔

آپ کے خلیفہ جناب محمد صدیق صاحب نور اللہ مرقدہ کی قبر بھی اسی قبرستان

میں واقع ہے۔

نہا

شہادۂ اولیٰ وقت فضل اصحاب معصومین علیہم السلام

۱۱۵۱ھ تا ۱۲۳۲ھ

آپ کا اسم شریف شاہ میاں غلام محمد، لقب فضل احمد معصومی ہے اور آپ اسی لقب سے مشہور ہیں۔ غلام انکس اوباد اور ماہی آپ کو حضرت جی (جیو) کے بزرگانہ نام سے پکارتے ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۱۵۱ھ میں بمقام سرہند شریف ہوئی۔ آپ کا نسب حضرت مجدد العتہ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب کی ولادت سے حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہما تک پہنچتا ہے۔ نیز آپ اپنی وادی صاحب کی وجہ سے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔

مخلاف قرآن مجید کے بعد تعلیم مذہبی میں منہمک ہو گئے۔ مذہبی علوم سے بہرہ نہ ہو کر اپنے

۱۔ صاحب ”تحفۃ المرشد“ فرماتے ہیں کہ ”تاریخ ولادت حضرت جیو صاحب ظہری یعنی حضرت جی صاحب کی تاریخ ولادت بحروف ابجد ”ظہری“ سے نکلتی ہے یعنی ۴۰۵۹۲۰۰۵ لای۔ مجموعہ ۱۱۵۱ھ بنتا ہے۔“

۲۔ میاں غلام محمد صاحب المعروف حضرت جی صاحب بیرون بھوئی گیٹ دومبرے بزرگ ہیں جی کا تذکرہ الگ

انا جناب حضرت شاہ محمد رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ بابرکت میں جو پیش کش
 رہ کر جامع علوم ظاہری و باطنی، صاحبِ فکر و فکر، صاحبِ مجاہدہ و مشاہدہ، صاحبِ
 استقامت و کرامت اور مکارمِ اخلاق سے متصف ہوئے، انہی سے بیعت نام کر
 خلافت حاصل کی، اور طریقہ عالیہ قادریہ و چشتیہ میں جناب شیخ عبد اللہ صاحب بخاری

المقلب حضرت میر صاحب سے فرقہ و خلافت حاصل کیا۔ آپ کا ارشاد ہے۔

”فقیر خدمت حضرت میر صاحب را ہم علیہ الرحمۃ بسیار کروہ ام، و ایں بیکار

کہ یافتہ ام از اثر التفات و صحبت ایشان است“

یعنی میں نے حضرت میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بہت خدمت کی ہے۔ یہ تمام بکارت
 میں اور سعادت انہی کی صحبت، شفقت اور توجہ کاملہ کا نتیجہ ہے۔

آپ مریدین کو ہر چہ سلسلہ میں مرید فرماتے۔ مگر خصوصاً سلسلہ عالیہ نقشبندیہ

میں مرید کرتے اور اس کی وجہ خود بیان کی، فرماتے ہیں۔

”ویریں فساد و زناں، و بعد عہد نبوت تعلیم اس طریقہ علیہ از تعلیم طریق دیگر و لکی

والنسب است، کہ التزام شریعت و متابعت سنت ویریں طریقہ از طرق

دیگر بوجہ اتم و اکمل موجود است“

یعنی عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے وودی، بدعات و رسوباتِ جاہلیہ کی زیادتی

سے بہت فساد پیدا ہو گیا ہے۔ چونکہ اس طریقہ علیہ (نقشبندیہ) میں دیگر سلاسل سے بوجہ

اتم و اکمل بہت زیادہ سنت نبوی کی متابعت اور التزام شریعت پایا جاتا ہے۔ اس

لئے ایسی سلسلہ کی تعلیم عام طور پر کرتا ہوں۔“

آپ نے اس سلسلہ کو سرہند شریف میں شروع کر دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے
آپ کو اتنی برکت اور اتنا تصرف عنایت فرمایا کہ جو طالب مولا آتما و اصل بحق ہو جاتا
اگر ناقص آتما تو کامل ہو جاتا۔ نیز آپ کی دینی تبلیغ کی وجہ سے ہزاروں لوگ صلاحیت سے
سرفراز ہوئے۔

جب سرہند شریف پر سکھوں کا تسلط ہوا اور انھوں نے مسلمانوں پر طرح طرح کے
ظلم ڈھائے، گھروں کو جلا دیا، مساجد کو اٹھاپل بنایا۔ پاک و امن عورتوں کو بے عزت کیا،
چھوٹے چھوٹے بچوں کو قتل کیا تو مسلمانوں نے سرہند سے ہجرت کی۔ ان ہجرت کرنے
والے لوگوں میں آپ بھی تھے۔ آپ بمعہ اہل و عیال کے براستہ چچہ ہزارہ پشاور شریف
فرما ہوئے اور محلہ ”کاکا جمعدار“ میں قیام کیا۔ پشاور شہر میں آپ کے اخلاق کریمانہ
اور متابعت سنت کی وجہ سے آپ کو بہت قبولیت حاصل ہوئی مشہور و معروف
علماء آپ کی صحبت بابرکت کو سعادت دارین سمجھتے۔ کاکا جمعدار کی مسجد بہت ہی
مختصر تھی اور اٹوہام زیادہ تھا تو آپ نے وہاں سے اٹھ کر محلہ فضل حق صاحبزادہ
میں آکر قیام کیا، آپ کا مزار بھی اب یہیں ہے۔

اگرچہ پشاور آپ کی مستقل قیام گاہ تھی، مگر آپ اکثر ماوراء النہر کے سفر بھی کرتے
پشاور سے لے کر گجرات تک آپ نے پانچ بار سفر کیا۔ ان تمام علاقوں کے لوگ
جو راستہ میں پڑتے ہیں آپ کے دست گرفتہ ہوئے حتیٰ کہ بادشاہ بخارا غازی شاہ مرو

اور اس کا بیٹا امیر حیدر جمعہ اپنے دربار کے علماء اور اُمراء کے طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں
آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوا۔

چار سو کے قریب آپ کے خلفائے تھے، جنہوں نے دینِ حق کی تبلیغ کی، سنتِ نبوی
کی اشاعت کی۔ اہل سنت و جماعت کے عقائد کی پابندی کی۔ طریقہ نقشبندیہ مجاہدین
کی کمالِ اخلاص اور محبت کے ساتھ خدمتِ سرِ انجام دی۔ ان حضرات کا "امر بالمعروف
" نہی عن المنکر" کا کرنا خاص وصف تھا۔

آپ کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ تیرہ برس کی عمر سے لے کر وفات تک صائم الدھر
رہے۔ اکثر اوقات علیحدگی اور چلہ میں رہتے۔ سفر و حضر میں دعائیں اور اور وظائف
پڑھتے رہتے۔ چاشت کی نماز کے بعد تفسیرِ حدیث کا درس فرماتے۔ نماز ظہر کے
بعد فقہ پڑھاتے۔ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا درس دیتے پھر
کی نماز کے بعد مراقبہ سرکے مریدین پر توجہ کرتے، اور تمام رات اللہ تعالیٰ کے حضور
میں قیام کرتے۔

جناب حضرت جی صاحب اتنی عبادت، ریاضت، مجاہدہ، تبلیغ اسلام اور
متابعت سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کرنے کے باوجود فرماتے ہیں۔

"نا بجز گناہ و نامرتبہ و عصیانِ فراوان و غفلت و پریشانی و سہو و نسیان و شہلا
و نقصان و بگڑ چیزے ہی باشد"

یعنی میرے پاس سوائے گناہ، خرابی نامہ اعمال، گناہوں کے بہتات، غفلت، پریشانی

۱۰ تحفۃ المرشد

بھٹول، نسیان، غلطی اور کمزوری کے اور کچھ بھی نہیں۔ اور اکثر یہ مصرعہ پڑھا کرتے اور
آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو جاتا۔

”جو پید پر سر ایمان خویش می لرزم“۔ اور یہ شعر پڑھا کرتے۔

تدارم بیچ گو نہ تو شہ راہ بحر لا تقنظوا من ریحہ اللہ

یہ آپ کا انکسار اور عاجزی تھی جو آپ اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں کیا کرتے تھے۔
سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ پشاوری بچے تو پشاوری پیر چاروں طرف سے
تباہیوں اور بربادوں کے بادل اُڑا اُڑا کر چھا رہے تھے۔ ان مصیبتوں میں سب سے
بڑی مصیبت اس وقت قحط تھا۔ لوگ موت کے کنارے سسکیاں بھر رہے تھے۔
چھوٹے چھوٹے بچے والدین کے سامنے تڑپ تڑپ کر جان دے رہے تھے۔ آپ
نے اپنے قبیلہ پشاور لنگر کو وسیع سے وسیع تر کر دیا۔ ہزار ہا لوگ اس لنگر سے روزانہ
وہ وقت پیٹ بھر کر روٹی کھاتے۔ بلکہ اکثر غریب اپنے گھروں کو بھی لے جاتے۔

ایک بار آپ کی خدمت میں ایک طالب علم آیا۔ اس نے سید الکونین، عالم علوم
اولین و آخرین سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ایک
نعت پڑھی جب وہ اس شعر پر پہنچا۔

وصف و ثنا کہ لائق نعت ابوکحانہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

تو آپ بار بار فرماتے کہ خدا تیری زبان پر رحمت کرے۔ جب وہ نعت ختم کر چکا تو
آپ نے ایک کتواں اور پانچ بھریب زمین جو کہ آپ کی اپنی ملکیت تھی اس طالب علم
کو بخش دی، اور فرمایا کہ یہ اسی شعر کا عند قدہ ہے۔

آپ نے زمین، بارگاہِ تعالیٰ کے نام پر اپنا تمام گھر اور ساز و سامان تقسیم کر دیا اور

پشٹانی تک نہ چھوڑی۔ ایک بار ایک سائل آیا اور سوال کیا۔ اس وقت آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ آپ نے اپنی پگڑی اور گلے سے کرتا اتار کر اس کو دے دیا اور فرمایا کہ اس کو فروخت کر کے اپنا گزارہ کر لے۔

آپ کے علم کا ایک واقعہ ہے، ایک شخص آکر فریاد ہو گیا۔ چند عرصہ کے بعد مرد و عورتیں مل کر حاضر خدمت ہوا، اور اپنی جو حالت و پشیمانی پر نادم ہوا۔ اور عرض کیا کہ اپنی بربادی اور علم کا صدقہ مجھے معاف فرماویں۔ آپ نے معاف فرما دیا۔ دو بارہ داخل سلسلہ کیا اور روحانی فیوض و برکات سے نوازا۔

ہرات پر محمود شاہ غازی کی حکومت تھی۔ زمان شاہ نے اس پر حملہ کر دیا۔ محمود شاہ غازی شکست کھا کر بخارا کی طرف بھاگ گیا۔ والی بخارا نے اس کو عزت و احترام سے رکھا۔ اتفاقاً ان دنوں آپ بھی وہیں قیام فرماتے۔ محمود شاہ ہرات آپ کا وامن بگڑ کر طالب دعا ہوتا۔ اور بعد گریہ و زاری عرض کرتا کہ مجھے میرے والد کی سلطنت و و بارہ مل جائے۔ ایک دن محمود شاہ غازی نے آپ کو بہت تنگ کیا۔ تو آپ نے محمود شاہ کو فرمایا۔ ”تم ظالم ہو، جب حکومت کے نشہ میں غرق ہو جاتے ہو تو ظلم و ستم کرنا شروع کر دیتے ہو، اگر میں تمہارے لئے دعا کروں تو میں بھی ظالموں میں گناہگاروں کا ایک محمود شاہ بنے تو یہ کی اور وعدہ کیا کہ ”عدل و انصاف کروں گا، اور کسی شخص پر زیادتی نہیں کروں گا“ آپ نے یہ وعدہ بھی لیا ”کہ جب اللہ تعالیٰ تجھ کو حکومت عطا کرے گا، تو کوئی کام بشریعت محمدیہ کے خلاف نہ کرو گے“ محمود شاہ نے یہ عہد کیا اور کہا کہ ”جب میں ایسا کروں تو آپ امر بالمعروف کریں اگر بائزناؤں تو بدو دعا کریں“ آپ نے فرمایا۔ کہ میں کسی کو بدو دعا نہیں کرتا، نیز آپ نے فرمایا کہ کل آنا۔ دوسرے دن وہ آیا آپ

نے اس کو فرمایا کہ انتظام کرو۔ ”کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس فقیر کی جڑھا کو قبولیت سے نوازا اور اللہ تعالیٰ انشاء اللہ تم کو اپنے والد کی سلطنت عطا فرمائے گا“

محمود شاہ غازی چند سواروں کے ساتھ ہرات کو روانہ ہو گیا۔ گورنر ہرات شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ وہاں کا انتظام، اسلحہ، فوج وغیرہ سنبھال کر محمود شاہ نے قندھار کا رخ کیا۔ قندھار کا حاکم فرار ہو گیا۔ وہاں پر قبضہ کرنے کے بعد محمود شاہ نے کابل پر قبضہ کر لیا۔ ایک دن کی لڑائی کے بعد زمان شاہ کو ہستان کو بھاگ گیا اور محمود شاہ تخت حکومت پر متمکن ہو گیا۔ اس واقعہ کو پڑھ کر آپ کی حنّ گونئی اور عجرات و ہمت کا انداز ہوتا ہے۔ نیز آپ نے یہ سمجھایا کہ حکومت اسلامی قوانین اسلام کے نفاذ کے ساتھ ہے۔ جناب حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی استقامت فی الدین کی مکمل و مکمل حیات تھی۔ آپ اپنی زندگی میں انتہائی طور پر کشف و کرامات کا انخفا کرتے مگر بغیر قصد و اولادہ کے بھی آپ سے کشف و کرامات کا صدور ہوتا۔ صاحب تحفۃ المرشد پر تحریر فرماتے ہیں۔

”ازان جناب ولایت مآب قدس سرہ آں قدر کرامات و شرف عادات و واقعات و حالات و اشراجات و کشفات و الہامات از اقل تا آخر عمر شریف بقصد و اختیار یا بے قصد و بے اختیار باذن ملک جبّا و ظہور کروہ است و بوقوع آمدہ است کہ احصائی آن متعسر و متعذر و از حد حد و حضرت خارج است“

آپ کو ”کشف عیانی اور ”کشف کونی“ بھی تھا۔ بخار سے واپسی پر علاقہ حصار میں ایک مخلص کے گھر ٹھہرے۔ آپ بصرہ متعلقین مراقبہ میں تھے۔ دوران مراقبہ اس علاقہ

کے ایک معزز سید، سید شاہ برہان الدین صاحب چناری آپ کی ملاقات کو پہنچ گئے
مراقبہ کے دوران آپ اپنی جگہ سے اٹھے اور سید صاحب موصوف کے پاس آئے
ان کو اٹھا کر اپنی جگہ پر بہت عزت و تکریم سے بٹھایا۔ چونکہ آپ نے اس سے پہلے سید
موصوف سے نہ ملاقات کی تھی اور نہ ہی آپ پہچانتے تھے۔ لہذا اہل حلقہ نے آپ
سے عرض کیا کہ آپ نے ان کو کیسے پہچانا۔ آپ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا۔ بیٹائی
العَلِیْمُ الْخَبِیْرُ (مجھ کو عظیم و خیر نے غائبانہ خبر دی ہے)

فضیلت پناہ و املا عوض باقی جو نہایت ہی متوسل اور متقی عالم تھے فرماتے ہیں
کہ میں اکثر آپ کی خدمت میں موجود رہتا۔ آپ دینی مسائل مجھ ہی سے پوچھتے اور
دیگر علماء پر مجھے فوقیت بھی دیتے۔ مگر میرے دل میں مرید ہونے کا خیال پیدا نہیں ہوا۔
اس لئے میلان طبیعت طریقت کی طرف نہیں تھا۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ متفہمین
کی کتابیں مطالعہ کرنے کے بعد مشائخ کو ان کے مطابق نہ پانا اس لئے بھی پست ہمت
ہو گیا تھا۔ ایک بار یہ خیال آیا کہ جب حضرت جی صاحب قلعہ سنت سے مستحبات
بعض اوقات رہ جاتے ہیں تو باقی مشائخ کا کیا حال ہوگا۔ فرداً آپ نے مجھے ایک
طرف کر کے بلایا، اور فرمایا۔

” ایں لامی وانم کہ درخاطر شما از چند وجه از پناش ایں فقیر شبہہ است
بروید و امشب فلاں فلاں کتاب کہ درخانہ وارید ایں مستر را بہ بیلید۔“
یعنی کس بات کو خوب جانتا ہوں کہ اس فقیر کے متعلق تمہارے دل میں چند شبہات
ہیں۔ آج رات آپ فلاں فلاں کتاب جو کہ آپ کے پاس ہیں دیکھ لیں۔“ حضرت
فلاں صاحب فرماتے ہیں۔

”پہچناں کروم“

میں نے اسی طرح کیا، تو تسلی ہو گئی کہ حضرت جی صاحب کی حرکات و سکنات بھی عین سنت مطہرہ کے مطابق ہیں، جو کہ بہت وسیع مطالعہ کے بعد انسان معلوم کر سکتا ہے۔ اس کے بعد میں آپ کے مکشوفات کا قائل ہو گیا۔ اور مخلص مریدین کے زمرہ میں شامل ہوا۔ میرے تمام شبہات و اعتراضات زائل ہو گئے۔

اگر آپ کی کرامات لکھی جائیں تو پوری کتاب بنتی ہے۔ صاحب تحفۃ المرشد نے اپنی کتاب کے ص ۱۱ سے لے کر ص ۱۲۸ تک بیان کی ہیں۔ آپ نے مشائخ کا طریقہ وفات سے دو سال قبل ہی بہت کم کر دیا تھا۔ خانقاہ اور مریدین صاحبزادہ فضل حق صاحب کے سپرد کر دی تھی۔ جب وفات کا وقت قریب آیا، تو آپ نے تمام فرزندوں اور مریدین کو جمع کیا۔ صیر تقویٰ، حدود اللہ کی پابندی اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی وصیت کی اس وصیت کے بعد کسی اور طرف التفات نہیں کیا اور رفیقِ اعلیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے، ذکر و فکر، اور کلمہ توحید پڑھتے رہے۔ حتیٰ کہ ”رفیقِ اعلیٰ“ سے چلے۔

آپ کی وفات یکم محرم الحرام ۱۲۳۲ھ بروز چہار شنبہ (بدھ) صبح کے وقت ہوئی۔ حضرت صاحبزادہ فضل حق صاحب نے آپ کی وفات ”آہ مرشد برفت“ سے نکالی۔

آپ کے فرزند تھے۔ آپ کی مزار والد کے پہلو میں ہے۔ اب یہ محلہ جہاں آپ کا مزار ہے فضل حق صاحبزادہ کے نام سے ہی موسوم ہے۔

Marfat.com

Handwritten signature or name.

حضرت علامہ حافظ غلام جیلانی صاحب المعروف "مہیا صاحب"

۱۱۹۸ تا ۱۲۹۲ھ

آپ کا نام نامی حافظ غلام جیلانی، والد کا نام حافظ غلام حبیب لقب علامہ عصر اور "مہیا صاحب آسیا" کے نام سے مشہور تھے۔ چغتائی خاندان تھا۔

آپ کے والد عالم و فاضل نہایت ہی متقی اور پابند سنت تھے۔ وعظ فرمایا کرتے۔ فتویٰ بھی دیا کرتے۔ سکھوں کے خلاف محدثین ہندوستان کی بڑی مدد کی۔

حافظ غلام جیلانی صاحب نے اپنے والد سے قرآن مجید حفظ کیا اور علوم دینیہ سے فراغت حاصل کی۔ حافظ حبیب اللہ صاحب قندھاری آپ کے اساتذہ میں

مولانا عبدالرحیم صاحب مرحوم لائبریری اسلامیہ کالج پشاور باب المعارف العلمیہ فی مکتبہ دارالعلوم اسلامیہ کے صفحہ ۱۱۳ پر حافظ حبیب اللہ کے متعلق لکھتے ہیں: "بارہویں صدی ہجری کا ایک عالم متبحر ہے۔ مولانا غلام جیلانی مرحوم ایک واسطے سے ان کے شاگرد تھے۔"

فاضل حبیب اللہ قندھاری اپنے وقت کے علامہ تھے۔ آپ نے بہت کتابیں لکھیں۔ شیخ فقیر اللہ شکارپوری (سندھ) رحمۃ اللہ علیہ آپ کے شیخ ایشخ تھے۔ آپ کے علم کا شہرہ بخارا تک تھا۔ اس وقت (بقیہ صفحہ ۱۱۴)

سے تھے نیز حضرت مولانا مولوی حافظ عبدالرحیم صاحب افغان بھی آپ کے اُستاد تھے۔ حدیث شریف حضرت مولانا مولوی سبحان علی صاحب دہلوی سے پڑھی۔

جس وقت حافظ عبدالرحیم صاحب افغان کو قومی اور وطنی سرگرمیوں کی بنا پر پشاور کے الزام میں انگریزوں نے دس سال قید کیا تو اس وقت حضرت میاں صاحب کو بھی ان کی تحریک کا ایک اہم رکن سمجھ کر قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کیا گیا اور انگریزوں کی نظر میں آپ بھی ایک کاسٹ کی طرح کھٹکنے لگے۔

آپ کے اُستاد و فاضل اکمل حافظ حبیب اللہ صاحب قندھاری اور آپ نے تحریک محمدین ہندوستان کی پوری پوری حمایت و اعانت کی تھی۔ علماء پشاور نے محمدین ہندوستان کے عقائد کی بنا پر جو وہابی ہونے کے فتوے دیئے تھے ان پر ان ہر دو حضرات نے جواب میں رسالے لکھے جناب حضرت جی صاحب، سید امیر شاہ کوٹہ ملا صاحب پر جو فتویٰ دیا گیا تو حضرت میاں صاحب آسیا والے نے اس کا رد کیا۔

اسلامیہ کالج کے کتب خانہ میں آپ کی مندرجہ کتابیں موجود ہیں "مفہم الاصول فی علم الاصول" (عدو مسلسل ۶۳۲) یہ کتاب اصول فقہ میں ایک معرکہ الاثر کتاب ہے۔ رسالہ "احادیث موضوعہ"۔ "اھانتہ الملتہ فی التوقفا عن تکفیر اهل القبلة"۔ "علم تکفیر اهل قبلة" ہر دو رسالہ عربی میں ہیں اور عدم تکفیر اہل قبلة فارسی میں ہے۔ (عدو مسلسل ۷۱۸ پر)

۱۔ میر قاسم ادیب پشاوری نے مندرجہ ذیل عبارت مولانا عبدالرحیم افغان مرحوم کے ایک قلمی روزنامہ سے نقل کی ہے۔ یہ قلمی روزنامہ قاسم صاحب نے رحیم بخش صاحب اصرار مدیر ماہنامہ "ویدہ ور" کے پاس دیکھا تھا مگر مجھے افسوس ہے کہ جب میں مدیر "ویدہ ور" کے پاس گیا تو اس نے کتاب بتلانی بھی گزارہ نہ کی۔ مولانا عبدالرحیم (بقیہ حاشیہ پر صفحہ ۱۱۵)

اللہ بخش صاحب یوسفی لکھتے ہیں کہ مولانا مولوی غلام جیلانی صاحب جو کہ پشاور کے مشہور عالم دین تھے۔ تحریک مجاہدین کی حمایت میں تھے۔
 صرف یہی نہیں بلکہ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی (جس کو انگریزی میں فسطائیت نے قدر کا نام دیا) میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ کے علم کا شہرہ دور دراز ممالک تک پہنچا ہوا تھا۔ غزنی، ہرات، قندھار، بخارا اور کابل تک کے طلباء آ کر آپ سے اپنی علمی استعداد کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے، اور اس چشمہ علم و حکمت سے فیضیاب ہو کر لوٹتے، آپ علوم متداولہ کے جملہ فنون پر کامل دستگاہ رکھتے تھے، اسی لئے آپ

افغان علاقہ اسی علاقہ پٹھان کی مسجد کے امام تھے۔ عابد و زاہد اور متبحر عالم تھے۔ پشاور شہر کے اکثر علماء آپ کے ہی شاگرد تھے۔ انگریزوں کے بہت ہی سخت مخالف تھے۔ والیبرٹ نے ہندوستان میں مقیم تھا حافظ صاحب کو لکھا۔ "از جانب گورنر جنرل دہلی (مکتوبہ) میں مضمون گورنر جنرل آواں (ہند) مولانا حافظ عبدالحییم صاحب افغان لڑنے، شمارا اطلاع باید کہ آئے دور مغلیہ ختم شد و دور برطانیہ قائم شد ویریں آشنا اطاعت حکومت انگلیشیہ بہر حال لازم است۔"

آپ نے انتہائی دلیری اور جرات کے ساتھ حق بات کا واضح اور علی الاعلان اظہار کیا، اور جواب میں لکھا۔ "ما برائے ہندوستان لفظ برطانیہ پسند نمی توانم، چہر کہ این اسلاہیہ ہند است، ما برائے سلطنت سلیمان دوبارہ تحریک می کنم۔" انہی وطنی سرگرمیوں کی وجہ سے آپ کو حکومت انگریزی نے دس سال قید کیا۔
 حافظ صاحب یوسفی صاحب کے قلمی فتویٰ کا مجموعہ جو کہ جامعہ علاقہ پشتونگری پشاور کی مسجد کے امام کے پاس ہے۔ یہ ایک بہت قیمتی مجموعہ ہے، جو کہ تقریباً ۲۰۰ صفحات پر ہے۔

۱۱۵ تاریخ یوسف زئی پشاور ۱۳۸۵ھ

تمام فنون پڑھاتے، آپ کا ذوق مطالعہ اس حد کمال تک پہنچا ہوا تھا کہ کسی وقت بھی بغیر کتاب کے نہ ہوتے، اور آپ کے کتب خانہ کی تقریباً ہر ایک کتاب پر آپ نے کچھ نہ کچھ تحریر کیا ہے۔ جناب مولانا عبدالرحیم صاحب مرحوم لاہور کے رہنے والے تھے، ان کا پشاور و تحریک فرماتے ہیں۔ تیرھویں صدی کا بہت بڑا متبحر عالم تھا۔ ان کے تبحر علمی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ اس عظیم الشان کتب خانہ میں ایسی کتاب کم تر ہوگی جس پر علامہ موصوف نے مطالعہ کر کے کچھ حاشیے یا کوئی مفید یادداشت نہ لکھی ہو۔

آپ کی یہ عادت تھی کہ اپنے مطالعے کے کمرے میں چیراغ کی مدغم روشنی میں کتابوں کے مطالعہ میں کہنیوں کے بل بیٹھے بیٹھے رات گزار دیتے۔ آپ کے متعلق یہ واقعہ زبانِ خلق ہے کہ ایک بار شب جمعہ آپ کے مطالعے کے کمرے میں ایک نور ظاہر ہوا۔ دیکھا تو حضرت شہنشاہ نے حضرت شہنشاہ نے آپ سے فرمایا کہ آپ نے میری تلاش میں زندگی بسر کر دی ہے۔ میں نے چاہا کہ آپ سے مل لوں، اب فرمائیے کہ آپ کو کیا ضرورت ہے جناب حافظ صاحب نے مسکرا کر فرمایا۔ اے جناب شہنشاہ! جب کچھ دینے کا وقت تھا تو آپ نہیں ملے آپ نے اپنی کہنیاں دکھاتے ہوئے حضرت شہنشاہ سے فرمایا۔ دیکھئے حصول علم کے لئے میں نے شب و روز کتابوں کے مطالعہ میں اس کمرے میں اپنی کہنیاں منقوڑم اور ڈاڑھی سفید کر دی ہے۔ اب مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

آپ کے اسی ذوق مطالعہ کا نتیجہ تھا کہ آپ نے ایک بہت ہی اعلیٰ، کمیاب اور قیمتی کتب خانہ جمایا۔ جس وقت آپ حاجی پرتھوی رام نے گئے تو وہاں سے

بھی آپ بہت نایاب کتب تلاش کر کے ہمراہ لائے، پھر پانچ بیانیہ بیان کیا جاتا ہے کہ
 آپ انجیل مقدس کا ایک فلمی نسخہ ساتھ لائے تھے جس کو آپ بہت ہی عزت و تکریم
 سے رکھے ہوئے تھے، اور بڑے بڑے عیسائی علماء اس کی تیاریت کے لئے آئے۔
 آخر آپ کی وفات کے بعد جبکہ یہ کتب خانہ اسلامیہ کالج بھیجا گیا۔ تو اس انجیل مقدس
 کے نسخہ کو یورپ بھیج دیا گیا۔ آپ کے کتب خانہ میں تقریباً پچھ ہزار کتابیں تھیں علوم
 اسلامیہ کے ہر فن پر کتابیں موجود تھیں۔ جب آپ کا انتقال ہو گیا تو اس عظیم جلیل
 کتب خانہ کے مالک آپ کی بیوہ اور آپ کی دو صاحبزادیاں بھیریں۔ آپ کی
 بیوہ اولاد کوئی نہیں تھی۔ اس کتب خانہ کو حاصل کرنے کے لئے بادشاہ کابل امیر
 حبیب اللہ خان صاحب نے کوشش کی اور ڈیڑھ لاکھ روپیہ قیمت ادا کرنے کا
 خیال ظاہر کیا۔ مگر آپ کی بیوہ اور صاحبزادیوں نے اتنی بڑی رقم کو قبول نہ کیا اور
 بادشاہ کابل کو کتب خانہ نہ دیا۔

۱۹۱۳ء میں اسلامیہ کالج بنایا گیا۔ تنظیم و بانی اسلامیہ کالج سر سید احمد خاں
 صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب مرحوم نے انتہائی کوشش کی اور "حضرت میاں صاحب
 آسیا" کا کتب خانہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ کتب خانہ اس وقت
 اسلامیہ کالج میں "مکتبہ مشرقیہ دارالعلوم اسلامیہ لٹن اور" کے نام سے موجود ہے۔
 صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب کو اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے جنہوں نے اس کتب خانہ
 کو محفوظ کروایا اور یہ کتب خانہ آج تک لٹن گانہ دارالعلوم کو سیراب کر رہا ہے۔

۱۔ باب المعارف العلمیہ فی مکتبہ دارالعلوم اسلامیہ، مولانا مولوی عبدالرحیم صاحب ناظم مکتبہ مشرقیہ دارالعلوم
 اسلامیہ سرحد۔

نہیں کہ اس کتب خانہ کا کیا حشر ہوتا۔

مولانا عبدالرحیم صاحب مرحوم ناظم کتب خانہ تحریر فرماتے ہیں۔ "مولانا مرحوم
 (رحمۃ اللہ علیہ) میاں صاحب آسیا کی عادت تھی کہ پہلے تو وہ ہر ایک کتاب کو اس کی اصلی
 صورت میں حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے پھر پھر ان کے کتب خانہ میں ایسی
 متعذر کتابیں موجود ہیں جو محروم مصنفوں کے سامنے لکھی گئی ہیں۔ یا مصنف کے ہاتھ
 کے لکھے ہوئے نسخے سے نقل کی گئی ہیں۔" یا اس نسخے کی نقل النقل ہیں، کسی ایک کتابیں
 بڑے بڑے علماء و سلف مثلاً احمد بن عمر بن مقدرسی، علامہ جبرتی، شیخ عبداللہ بن محمد
 وہابی وغیرہ کے ہاتھ لکھی ہوئی ہیں۔ البتہ اگر اصلی صورت میں کتاب کا ملنا میسر نہیں
 ہوتا تھا تو نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی نقل لے لیا کرتے تھے جس کی بیسیوں مثالیں
 کتب خانہ کے دیکھنے سے مل سکتی ہیں۔ بڑی بڑی ضخیم کتابیں اس طرح مولانا نے مدوح
 کے حسن اہتمام سے نقل کی گئیں، اور ان تمام کوششوں کا نتیجہ ہوا کہ مولانا نے مدوح
 کے پاس مختلف علوم کی بہترین تصنیفات کا بیش بہا خزانہ جمع ہو گیا۔ یہ علمی خزانہ
 مولانا نے مدوح کو اتنا عزیز تھا کہ معمولی درجے کے اشخاص کو تو اس کی شکل دکھانے
 تک سے دریغ کرتے تھے، ہاں صحیح علمی مذاق رکھنے والوں کے لئے ان کے کتب خانہ
 کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔

اس کتب خانہ کی تعریف میں لکھتے ہیں۔ "کتب خانہ میں مختلف علوم و فنون کی
 بہت سی ہزار کتابیں موجود ہیں جس میں سے اکثر کتابیں اپنی قدامت، کمیابی، خوشخطی اور بزرگی

خصوصیت کی وجہ سے نہایت اہمیت رکھتی ہیں، بعض کتابیں تو ایسی نایاب ہیں
 کہ ہندوستان بھر کے کتب خانوں میں ان کا وجود نہیں ملتا۔ "ہر روز" ۱۹۱۵ء کو جب
 عارف الملک حکیم محمد اچل خان صاحب دہلوی نے اس کتب خانہ کا معائنہ کیا تو باوجود
 اس وسعت نظر کے جو ان کو فن طب میں حاصل ہے۔ انھوں نے بعض طبی کتابیں خاص
 طور پر نکوائیں۔ غور و معائنہ سے پتہ تک ان کا مطالعہ کیا اور ان کو قدر نایاب سے
 تعبیر کیا۔ مولانا عبدالرحیم صاحب اس کتب خانہ کی اہمیت کو واضح فرماتے ہوئے
 تحریر کرتے ہیں۔ "اس کتب خانہ کی اہمیت ایک دوسرے طریقہ پر بھی ظاہر ہوتی ہے
 اور وہ یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان بھر میں سرکار عالیہ حیدرآباد دکن کا کتب خانہ
 آصفیہ ایک چوٹی کا کتب خانہ ہے جس کی مفصل فہرست اس وقت نیاز مندوں
 کے پیش نظر ہے۔ لیکن جب اس کی موجودہ کتابوں کا اس کتب خانہ کی موجودہ کتابوں سے
 یہ نظر دقیق مقایہ کیا جاتا ہے تو واضح ہوتا ہے کہ کتب خانہ ہذا کی اکثر کتابوں میں جو
 امتیازی خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ کتب خانہ آصفیہ کی کتابوں میں مفقود ہیں، یا
 بہت کم ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کتب خانہ آصفیہ میں کتابوں کی تعداد کس قدر زیادہ
 ۱۹۲۶ء میں جناب ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی
 لندن نے اس کتب خانہ کا مطالعہ کیا اور ایک تحقیقی مقالہ لکھا۔ اس میں آپ
 نے لکھا ہے کہ "دینی علوم کے علاوہ دنیاوی علوم میں بھی بہت سی نادر کتابیں موجود ہیں
 مثلاً علم کیمیا میں مفتاح الرحمت از طبرانی، علم طب میں زیۃ الطب علم جراحی میں
 کتاب الاقناع، علم ہندسہ (جیومیٹری) میں کتب اقلیدس اور شرح اشکال التامین

لے ایضاً

دیگرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔“

آگے چل کر تحریر کرتے ہیں ”کچھ عرصہ ہوا جب میں یہاں کے مخطوطات کو دیکھ رہا تھا، تو فرین جہاز رانی پر دو نہایت نایاب کتابیں نظر سے گزریں جن کے متعلق خیال تھا کہ وہ ”پیرس“ کے کتب خانہ قومی کے سوا اور کہیں موجود نہیں ایک کا نام ”العکملہ“ اور دوسری کا نام المنہاج الفکر خیر البحر الذخیر یہ دونوں کتابیں سلیمان بن احمد المرسی کی تصنیف سے ہیں جو بحر الهند کا ایک تجربہ کار پکتان تھا فرانسیسی مستشرق جبریل فیران (GABRIEL FARRANE) نے اس پکتان اور اس کی تصانیف کے متعلق بہت کچھ تحقیق کی ہے اور اس کے چند ایک رسالوں کو بھی شائع کیا ہے۔“

ان اکرا کی روشنی میں حضرت میاں صاحب آسیا کا علمی ذوق و شوق تلاش جتس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے کتنی کاوش و شخص کے بعد یہ کتاب جمع کیا ہوگا۔

مولانا عبدالرحیم صاحب ناظم کتب خانہ نے ان تمام کتابوں کی فہرست مرتب کر کے شائع کی ہے۔ یہ فہرست تقریباً ساڑھے چار سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ جب آپ حاج مبارک کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو آپ نے پشاور سے لے کر مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور پھر واپس پشاور تک پہنچنے کا باقاعدہ روزانہ کا سفر نامہ لکھا ہے جو کہ فارسی میں ہے اور اسلامیہ کالج کی لائبریری میں عدد مسلسل ۵۵۹ پر موجود ہے۔

آپ ۱۶ شوال ۱۲۸۸ھ کو بذریعہ شکرہ یعنی ٹانگرہ کے پشاور سے لاہور تک گئے اور پھر لاہور سے بذریعہ ریل گاڑی بمبئی گئے اور بمبئی سے بحری جہاز کے ذریعے حرمین الشریفین تشریف لے گئے۔ ۳ ربیع الاول ۱۲۸۹ھ کو واپس پشاور پہنچے پشاور میں آپ کا شاندار استقبال کیا گیا اور پرانی کوتوالی کے قریب آپ کو شکرہ سے اتنا رکہ پایا وہ سراسر اسپتال لے جایا گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حج کی واپسی سے تقریباً تین برس بعد آپ کا انتقال ہوا۔ اس طریقہ سے آپ کا سن وفات ۱۲۹۲ھ بنتا ہے۔

حضرت علامہ آغا حافظ محمد احسن صاحب المعروف حافظ دراز صاحب مدظلہ العالی

۱۲۰۲ھ تا ۱۲۶۳ھ

آپ کا اسم گرامی حافظ محمد احسن والد کا نام حافظ محمد صدیق اور دادا کا نام محمد تقی تھا۔ "حافظ دراز" کے نام سے مشہور تھے۔ "استاذ العلماء" لقب تھا۔ آپ موضع خوشاب (پنجاب) کے رہنے والے تھے مگر مستقل طور پر پشاور شہر کو اپنی قیام گاہ بنایا تھا۔ آپ کا تمام خاندان علم و فضل اور قرآن مجید کے حفاظ کا گھر تھا۔

۱۔ حقائق المتعینہ ص ۵۴۴ از مولوی فقیر محمد صاحب جہلمی

۲۔ پشاور کے لوگ آپ کو حافظ دراز کے نام ہی سے جانتے ہیں اور آپ کے اصلی نام سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ آپ کو دراز کہنے یعنی لمبا اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کا قد غیر معمولی لمبا تھا۔ میرے استاذ محترم گرامی محدث صوبہ سرحد صاحبزادہ حافظ علی احمد جان صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ ایک بار موضع چکینی میں حافظ دراز صاحب جوتی بنوانے کے لئے تشریف لے گئے۔ ایک پتزار دو اپنے مکان کی چھت پر بیٹھے جوتی بنا رہا تھا۔ آپ نے اس کے کونٹے پر اپنے سر کو اٹھا کر فرمایا۔ او جوتی والے میرے پاؤں کی جوتی بنائیں اُس نے جواب میں کہا کہ برینا گھوٹے سے نیچے اتر کر اوپر آجا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو اپنے پاؤں پر کھڑا ہوں۔

۳۔ ...

تھا۔ یہاں تک کہ آپ کے گھرانے کی عورتیں بھی حافظ قرآن پاک تھیں اور زیور علم سے
 آراستہ تھیں صاحب مدنی الحنفیہ ۱۷۵ پر لکھتے ہیں: "اور خاندان علم و فضل سے تھے"
 صاحب تذکرہ علمائے ہند فرماتے ہیں: "علمی خاندان کے فرزند تھے۔"
 آپ نے علوم متداولہ کا بیشتر حصہ اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کیا۔ مولوی فقیر محمد
 صاحب جہلمی لکھتے ہیں۔

اگر علوم اپنی والدہ ماجدہ سے جو کہ ایک بڑی عالمہ فاضلہ تھیں، حاصل کئے، اور
 مسند افتاد و اصناف پر مہتمم ہو کر تمام عمر تدیس و تالیف میں صرف کی۔
 چونکہ آپ ایک عالمانہ گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے اپنے خاندان کے
 اس علم کے ورثہ کو پورا پورا حاصل کیا۔ اور "استاذ العلماء" کے معزز لقب سے نوازا گئے۔
 آپ کا مکان اور مسجد باقاعدہ ایک دارالعلوم کی صورت اختیار کئے ہوئے تھا۔
 جس میں پشاور، مضافات، علاقہ آزاد، کابل، قندھار، غزنی، ہرات، شرقند اور
 بخارا تک کے طلباء علوم متداولہ حاصل کرتے، اور ذرا عنت حاصل کر کے صاحب تفتائی
 اور صاحب درس بن کر اپنے اپنے ممالک کو لوٹتے، اس تمام علاقہ میں آپ کے تبحر علم
 کی شہرت تھی، مولوی غلام رسول مہر اپنی کتاب "اسماعیل شہید" میں لکھتے ہیں۔
 مولانا حافظ محمد احسن صاحب بن محمد صدیق معروف بہ حافظہ برائے پشاور کی تفسیر
 علوم عقیدہ و تفسیر کے ماہر، سرحد سے شرفند تک ان کے علم کا چرچا تھا۔

۱۷۵ از مولوی رحیم علی مرحوم شائع کردہ سلسلہ ریگل سوسائٹی کراچی۔

رحمان علی شائع کردہ
 ہستار لکال رسالہ

۱۷۵ مدنی الحنفیہ ۱۷۵ جلد دوم ص ۲۸۱

۱۷۵

سید احمد

سید احمد

آپ پشاور کے علماء میں چوٹی کے عالم اور مرکزی حیثیت کے مالک تھے۔ مذہبی اور سیاسی دونوں حیثیتوں سے اس وقت آپ مسلمانوں کی قیادت کرتے تھے۔ جس وقت پشاور کے علماء کی طرف سے محدثین ہندوستان کی تحریک پر نہیں عقائد پر تنقید شروع ہوئی تو مولوی اسماعیل صاحب دہلوی نے ان کے شکوک و شبہات کے جواب میں دو خط لکھے، سب سے پہلے جس عالم کو اپنے خطوط میں انھوں نے مخاطب کیا تو وہ آپ ہی کی ذات تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس وقت کے علماء میں بہت ہی بلند اور ارفع مقام کے مالک تھے۔

آپ ایک ایسے دور میں فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث اور تفسیر کی اشاعت و ترویج میں مصروف تھے۔ جس دور کو پر فتن دور کہنا حقیقت پر مبنی ہے، وہاں لوگوں کا زوال، افغانوں کی خانگی جنگیں اور ایک دوسرے کو برباد کرنے کی ریشہ وانیوں کے مظالمہ راج پر منتج ہوئیں۔ یہ سبھی کا دور ایک ایسا دور تھا جس میں ظلم کا نام انصاف تھا۔ ہر شریف اور باعزت شہری کو بے عزت اور ذلیل کرنا ان کے نزدیک شرفیادہ فعل تھا۔ مساجد اور خانقاہوں کو تباہ کر کے گھوڑوں اور چھروں کے اصطبایوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اس قسم کے ابتلا اور آزمائش کے ایام میں علم کی مشعل کو روشن رکھنا، تصنیف و تالیف کرنا، مجالس و عطا قائم کرنا۔ آپ کی بہت و استقلال کا روشن ثبوت ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قلمیہ جناب حضرت

۲۸۱
۷ نوم
۲۸۱
۷ نوم

سید احمد شہید
مفتی

نائب برحق شاہ غلام محمد صاحب معصومی المعروف حضرت جی صاحب پشاور علیہ السلام
 جب سرحد شریف سے ہجرت کر کے پشاور تشریف لائے، تو حافظ وراز صاحب
 بسا اوقات آپ سے ملنے محلہ فضل حق صاحبزادہ علاقہ یکہ کوت میں آیا کرتے حضرت جی
 صاحب علماء اور صلحاء کے بڑے قدر دان تھے۔ دو بار ہفتہ میں لوگوں کی اصلاح کے
 لئے مجلس وعظ کا انتظام فرماتے۔ چنانچہ ہفتہ میں ایک دن حافظ وراز صاحب کے وعظ
 کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ صاحب تحفۃ المرشد فرماتے ہیں۔

”روز جمعہ حافظ وراز صاحب را کہ عالم متبحر بود۔ نزد خود برائے وعظ طلب
 می کردند۔“

یعنی جمعہ کے دن (حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) حافظ وراز صاحب کو جو
 کہ متبحر عالم تھے۔ اپنی مجلس میں وعظ کے لئے بلواتے، آپ کے مواظظ ماحول کو سامنے
 رکھتے ہوئے عقائد حقہ، اہل سنت و جماعت کی اشاعت پر مبنی ہوتے۔ اور نہایت
 ہی مدلل اور مؤثر طریقہ پر وعظ فرماتے۔ آپ کا وعظ اتنا پُرورد ہوتا کہ سامعین نارو قضا
 دوتے رہتے۔ بڑی بڑی دُور جگہوں سے لوگ آکر مستفیض ہوتے۔ ظہر کی نماز کے
 بعد عصر کی نماز تک وعظ کی مجلس رہتی یہی وجہ ہوتی کہ آپ ”حافظ وراز صاحب واعظ“
 کے نام ہی سے معروف ہو گئے۔

آپ اتنے نڈر اور بے خوف تھے کہ حق کہنے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے، بزرگوں
 نے بتایا کہ ایک بار آپ نے اپنے وعظ میں وقت کے حاکم جو میل ابی طویلہ اطالوی کو

مظالم پر خوب بڑا کہا، اور مظالم کرنے سے منع کیا۔ ابو بلیدہ اتنا ظالم و جاہل حاکم تھا کہ لوگ اس کا نام سن کر کانپ جاتے تھے۔ اس نے گورکھ پٹری میں آپ کو طلب کیا پس پھر کیا تھا پشاور شہر میں کہرام مچ گیا۔ مشائخ اور علماء مسجدوں اور خانقاہوں سے باہر نکل آئے، بجائے اس کے کہ ابو بلیدہ آپ کو سخت کست کتنا۔ یہ عالم دیکھ کر اس نے آپ کو عزت و اکرام سے رخصت کر دیا۔ آپ نے وعظ و نصیحت مدرس و تدریس کے ساتھ ساتھ سلسلہ تصنیف و تالیف بھی جاری رکھا۔ چنانچہ بخاری شریف کی شرح بہ نام منہج الباری شرح صحیح البخاری "فارسی میں لکھی، حضرت محدث جلیل مولانا مولوی میاں نصیر احمد صاحب المعروف "میاں صاحب قصہ خوانی" نے اس شرح کے پہلے پارہ کی تصحیح کر کے چھپوائی۔ آپ کا قلمی نسخہ مہتمم دارالعلوم رفیع الاسلام بجاہد ماڑی جناب مولانا سید فضل صدیقی صاحب مدظلہ کے پاس تھا جو کہ اب ان سے پشاور یونیورسٹی نے خرید لیا ہے۔

اس شرح میں آپ نے اسماء الرجال کی پوری زندگی بیان کر دی ہے۔ احادیث کی تطبیق کی ہے، فقہ حنفی کو احادیث بخاری سے ثابت کیا ہے۔ ضروری ضروری صریح شری ترکہ ہیں کہیں ہیں۔ لغات حدیث کو حل کیا ہے۔ اور عقائد حقہ اہل سنت و جماعت کو احادیث بخاری سے کھول کھول کر بیان فرمایا ہے۔ زبان انتہائی سلیس اور آسان ہے۔ غرضیکہ ہر علم کو یہ کتاب اپنے پہلو میں لئے ہوئے ہے۔ قاضی مبارک پر عربی میں ایک مسوط حاشیہ لکھا۔ یہ حاشیہ اپنی جامعیت کی وجہ سے اتنا مقبول ہوا کہ بطور مدرس کے پڑھایا جاتا ہے۔

تتمہ خود یوسف پر حاشی لکھی۔

سورۃ یوسف اور واضحی سے لے کر آخری سورۃ تک کی تفاسیر لکھی۔
معراج نامہ اور وفات نامہ نامی رسالے لکھے۔

بادشاہ بخارا نے آپ سے چند نہایت ہی اہم سوالات دریافت کئے۔ آپ نے
ان تمام سوالات کے جواب بالتفصیل دیئے جو کہ اسلامیہ کالج کی لائبریری میں عدد
مسلسل ۷۹۶ میں محفوظ ہے۔

آپ نے بہت ہی قیمتی اور بیش بہا کتب خانہ چھوڑا تھا۔ شومی قسمت سے
برلن کھڑے اندرون قفقہ عثمانی بازار میں آپ کے مکان کے ساتھ آگ لگ گئی۔ جس
کی وجہ سے وہ آگ آگاً فنا آپ کے مکان تک پہنچ گئی۔ آپ کے لوا سے مکان
سے سامان تک نہ نکال سکے۔ تمام سامان مبعہ کتابوں کے جل کر خاکستر ہو گیا۔ اور
وہ بیش قیمت کتب خانہ ضائع ہو گیا۔

آپ کی وفات بعمر ۶۱ برس ۱۲۶۳ھ میں واقع ہوئی۔

حضرت بحر العلوم حافظ محمد عظیم صاحب تخلص واعظ

۱۲۰۵ تا ۱۲۷۵ھ

آپ کا اسم شریف محمد عظیم، لقب بحر العلوم، تخلص واعظ، اور حافظ جی صاحب گنج والے کے نام سے مشہور ہیں، جامع مسجد گنج کے امام، خطیب اور مدرس تھے۔ آپ کے خاندان کے ایک بزرگ جناب مفتی فضل کریم صاحب فرماتے ہیں کہ آپ حضرت قدوة السالکین خواجہ نور محمد صاحب ہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

چونکہ آپ کا خاندان علم ظاہری و باطنی کا مرکز تھا۔ اس لئے آپ بہت ننھوٹی عمر میں (یعنی ۱۶ برس کی عمر میں) تکمیل علوم فرما کر مسند درس پر متمکن ہوئے۔ چند برس درس دیکر

۱۔ جناب مفتی فضل کریم صاحب حضرت بحر العلوم کے واسطے کے فرزند تھے آپ نے عمر ۷۰ برس ۷ رمضان المبارک ۱۲۸۷ھ بمطابق ۲ فروری ۱۹۶۳ء بروز ہفتہ و قات پائی۔ نہایت ہی ملنسار، متواضع اور منکر المزاج تھے۔

مجھے جناب حافظ تاج محمد صاحب گلکار نے بیان کیا کہ مفتی صاحب کے وفات کے چھٹے دن جب میں مفتی صاحب کی قبر بنانے لگا کہ قبر کھدائی کی جانب سے کھولا تو قبر سے خوشبو ہی خوشبو آ رہی تھی اور ایسے معلوم ہوتا تھا کہ گویا کسی نے منوں پھر گلاب کا عطردالا ہوگا۔ اور یہ خوشبو تمام قبرستان میں پھیل گئی۔

فرمانے کے بعد اچانک طبیعت میں انقلاب آیا۔ درس کو چھوڑ کر سلوک و معرفت کے حصول کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ آپ پنجاب سے نکل کر پشاور میں گنج دروازہ کے باہر سڑک کے کنارے پر ”تہ خانے والے ملا صاحب“ کے قبرستان میں ایک چھوٹی مسجد ہے اس میں ٹھہرے، اور عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ یہاں پر آپ نے درس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔

آپ کے زہد و تقویٰ اور علم کی شہرت پشاور اور اس کے گرد و نواح میں پھیلی، علماء و مشائخ اور عوام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقبول کر دیا۔ علاقہ گنج کی جامع مسجد (جو کہ مسجد خواجہ معروف کے نام سے موسوم ہے) میں مدرس، امام اور خطیب بناتے گئے۔ جب پنجاب میں سکھوں کے جبر و ستم اور مظالم سے تنگ آ کر مسلمانوں نے وہاں سے ہجرت کرنا شروع کر دیا تھا تو ان مہاجرین میں حضرت قطب برحق شاہ غلام محمد صاحب المعروف ”حضرت جی صاحب پشاوری“ بھی سر ہند سے ہجرت کر کے پشاور تشریف لائے اور علاقہ یکہ قوت میں مقیم ہوئے، حضرت بحر العلوم صاحب بھی آپ کی ملاقات کے لئے آیا کرتے تھے، اودیہ مراسم یہاں تک بڑھے کہ نقول مصنف تحفہ المصنف حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کو ہر جمعرات کے دن اپنی مجلس میں بلوا کر وعظ کرواتے، الفاظ یہ ہیں۔

”دبروز پنجشنبہ حضرت حافظ محمد عظیم صاحب واعظ کہ بحر العلوم ابو برائے
وعظ نزو و خود طلب می فرمودند“

۱۔ معنی ۳ برہاشیہ تحفۃ المرشد کا مصنف مرزا نظام الدین صاحب مزار شریف (کابل) کا متولی ہے، اور حضرت جی صاحب کا خلیفہ بھی رہا ہے اور آپ کے صاحبزادہ فضل سخی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر یہ کتاب آپ کے حالات میں لکھی ہے۔

نیز آپ نے جناب "حضرت جی صاحب" کی معیت اور صحبت میں رہ کر علوم
باطنی کا وافر حصہ پایا، اور آپ سے ہی ہر چیز سلسلہ میں بیعت ہوئے اور بقول
حضرت محمد حسن بن حضرت امام محمد نوحا نوی
"و نیز بحر العلوم حافظ محمد عظیم واعظ پشاور سی از خلفائی حضرت جی صاحب
بودند۔"

یعنی حضرت بحر العلوم حافظ محمد عظیم واعظ پشاور سی حضرت جی صاحب کے خلفاء
میں سے تھے۔

حضرت سید و دو عالم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی محبت
کا جو عالم تھا وہ احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ ایک بار جناب بحر العلوم صاحب حضور
رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پر انوار سے مشرف ہوئے تو آپ نے عرض کیا۔
"یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے دیدار پر جمال سے مشرف ہونے کے بعد یہ
آنکھیں اب اور کسی کو نہ دیکھیں۔" جب آپ بیدار ہوئے تو نابینا تھے، آپ کی
بہت اسی خوب صورت اور موٹی موٹی آنکھیں تھیں۔ سبحان اللہ کیا عشق محمدی تھا۔
اور آپ کی پیارے محبوب مالک و مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتنی والہانہ محبت
تھی حضور عالم ماکان و مایکون صلی اللہ علیہ وسلم کی اس محبت و عشق کا یہ نتیجہ تھا کہ اللہ
تبارک و تعالیٰ نے حضرت بحر العلوم کو علم لدنی سے نوازا۔

بغیر بنیاتی کے معقول و منقول کی کتابیں پڑھاتے۔ ہر ایک استفہار کا جواب ادا

۱۰ تحفۃ المرشد کا حاشیہ ص ۱۹ امام محمد رضا نوحا نوی حضرت جی صاحب کے خلیفہ تھے۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں
ذکوٹی شریف میں آپ کا مزار ہے۔

فرماتے۔ کتاب کا نام 'صغیر' اور سطر تک لکھواتے۔ صاحب ناریخ پشاور لکھتے ہیں۔
 مدیہ صاحب (یعنی حافظ محمد عظیم صاحب) عالم باعمل تھے۔ ان کی نسبت لوگ اعتقاد
 ولایت رکھتے ہیں، اور تمام عمر ان کی تعلیم علوم میں باوجود نابینا ہونے کے گزری۔
 آپ کو صحاح ستہ کے تمام ایسا نید زبانی یاد تھے۔ جناب مولانا غلام رسول ہرستہ
 لکھتے ہیں۔ حضرت بکر العلوم حافظ محمد عظیم علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں شیخ وقت،
 صحاح ستہ کے ایسا نید زبانی یاد تھے۔ آپ کے علم اور بزرگی کا شہرہ ملک کے طول
 عرض میں پھیلا۔ آپ کے درکس میں مختلف علاقوں کے طلباء بوجہ درجہ آسنے
 لگے، اور ہر قسم کے علوم سے بہرہ یاب ہو کر مشہور عالم و فاضل ہوتے۔ حضرت خواجہ
 معروف کی مسجد دارالعلوم اسلامیہ کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ طلباء کی روٹی، لہسنے
 کی جگہ اور کپڑا بھی آپ خود دیتا کرتے۔ آپ کے ساتھ آپ کے اس دارالعلوم میں
 مشہور و معروف دو عالم جناب اخونزادہ عبد اللہ صاحب اور مولانا قاضی مسعود
 صاحب بھی علوم مند لولہ کا درس پڑھاتے۔ آپ کے دور میں صوبہ سرحد پر سکھوں
 نے غلبہ اور اقتدار حاصل کیا ہوا تھا۔ سکھوں کا دور یہاں کے لوگوں کے لئے بے رحمانہ
 اور ظلم و تعدی کا دور تھا۔ یہ ایک ایسا دور تھا کہ جس میں ظلم کا نام انصاف، جبر و ستم
 کا نام رحم و کرم، اور تباہی و بربادی کا نام آباد کاری تھا۔ خالق ہوں کی عمارتوں کو
 طیار میٹ کر دیا گیا۔ مساجد کو اصدطیل کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا۔ اسلام پر ہر طرف
 سے کفر کی یلغار تھی۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں انتہائی بے بضاعتی اور کم مائیگی کے عالم

۱۔ از لاکہ کنیا لال دیکتان لے۔ جی ہسٹنگز۔ ۲۰۹۔ ۲۔ کتاب اسماعیل شہید جلد دوم ص ۲۸۱۔ ۳۔ ص ۲۸۲

سید احمد شاہ

میں قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی ترویج و اشاعت کرنا۔ وعظ کی مجالس کا انعقاد کرنا
 بہت ہی کمٹن اور مشکل کام تھا۔ مگر آپ نے کمال ہمت و استقلال کے ساتھ کسبِ قسیم
 کے خطرات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے دارالعلوم اور مجالس وعظ کو جاری رکھا۔
 سکھوں کا جبریل ابو طیبہ اپنے ظلم و ستم کی وجہ سے اب تک یا دیا جاتا ہے۔
 یہ جبریل اٹالوی تھا، اور اتنا ظالم و جاہل تھا کہ یوسف زئی اس کے جبر و استبداد کے
 شدید مشق بنے ہوئے تھے۔ یہ جبریل ابو طیبہ ۱۸۳۸ء سے لے کر ۱۸۴۲ء تک
 پشاور میں مقیم رہا۔ ایک دفعہ اس نے آپ کو حکم بھیجا کہ آپ میرے پاس حاضر ہو جائیں
 مگر آپ نے نہایت ہی دلیری اور جرات کے ساتھ اس کے قاصد کو کہہ دیا کہ گورنر کو
 ضرورت ہے تو اس فقیر کے پاس آئے۔ چنانچہ ابو طیبہ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔
 آپ کے شاگردان رشیدیہ میں سے مشہور و معروف شاگرد حضرت شیخ المشائخ،
 شیخ الاسلام و المسلمین مجاہد اعظم حافظ عبد الغفور صاحب المشہور بہ انعمان صاحب
 صوات رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عالم اجل فاضل اکمل عالم علوم امیر الہی سید اکبر شاہ
 صاحب ساکن بھانہ ماڑی، حضرت علامہ وقت فہامہ عصر مولانا بالفصل اولنا مرید
 محی الدین صاحب نوشہری، وغیرہ وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ نیز بقول مولانا غلام رسول
 صاحب ہر، جناب مولانا مولوی سید امیر صاحب المشہور کوڑھلا صاحب بھی آپ
 کے شاگرد تھے۔

۱۰ یہ روایت جناب فضل کریم صاحب مرحوم نے مجھ بیان کی۔

۱۱ "اسماعیل شہید جلد دوم ص ۸۲-۸۱"۔

محدثین ہندوستان پنجاب سید احمد صاحب شہید کی قیادت میں سکھوں کے خلاف جو جنگیں کیں ابتداءً آپ نے، آپ کے شاگردوں نے اور آپ کے معتقد مشائخ کرام نے خوب گرم جوشی سے حصہ لیا۔ محدث حلیل فقیرہ عصر شرح المشائخ سیدنا و مرشدنا حضرت سید غلام صاحب المعروف بہ آغا میر جی صاحب سیدنا حمزہ اللہ علیہ نے گورکھ پوری میں اس جماعت محدثین کی دعوت کی اور یہ دعوت اس صورت میں تھی کہ کھانے کا تمام سامان یعنی دُنبے، چاول، گھی، مصالحہ اور لکڑی سب دے دیا گیا اور انہوں نے خوب کما کر کھایا۔ مگر بعد میں مذہبی اور سیاسی اختلاف کی بنا پر حضرت بحر العلوم نے جمعہ متعلقین کے کیسوی اختیار کر لی۔

مولانا مولوی غلام رسول صاحب ہر محدث اپنی کتاب "اسما عیال شہید" کے صفحہ ۲۸۱ جلد دوم میں لکھتے ہیں: "شاہ اسماعیل کے مجموعہ مکاتیب میں دو مکتوب ایسے ہیں جو پشاور کے دنیل علماء کے نام بھیجے گئے۔ پہلا ۹ ربیع الثانی ۱۲۲۴ھ (۲۰ اکتوبر ۱۸۲۹ء) کو دوسرا ۱۱ شوال ۱۲۲۵ھ (۱۱ اپریل ۱۸۳۰ء) کو۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان علماء کی طرف سے سید صاحب اور آپ کے رفقا پر کئی الزام لگائے گئے تھے مثلاً:-

- ۱۔ سید صاحب اور آپ کے رفقا الحاد و زندقہ میں مبتلا ہیں۔ ان کا کوئی مذہب و مسلک نہیں ہے۔ نفسانیت کے پیرو ہیں اور لذات جسمانی کے جویا۔
- ۲۔ وہ ظلم اور تعدی کے خوگر ہیں۔

۱۔ بروایت جناب حضرت تالیب وقت آقا سید سعید احمد شاہ صاحب مرحوم بیدام

۲۔ انہوں نے کہ مولانا مرحوم نے وہ خطوط نہ پھلے، اگر وہ خطوط سامنے ہوتا تو یہ مسئلہ کافی نہیں ہو جاتا۔

محل حزان بکندہ کراچی بر الصحنی اسید

۳۔ بلاوجہ شرعی، مسلمانوں کے اموال و نفوس پر دست درازی کرتے ہیں۔

۴۔ سیدنا ^ع صاحب انگریزی رسالہ میں ملازم تھے۔ مولینا اسماعیل ^ع اور بعض دوسرے لوگوں

نے انھیں ہمدی موعود قرار دیا۔ انگریزوں نے ان کو ملک سے نکال دیا۔

۵۔ وہ مکہ معظمہ پہنچے وہاں سے براہ مسقط و بھوچستان قندھار گئے۔

۶۔ شاہی خان کو ملا عبد الغفور (اخون صاحب صوات) کے ذریعہ صلح کے بہانے

ہلایا اور قتل کرا دیا۔

۷۔ وہ افغانوں کی لڑکیوں کو جبراً "جدید الاسلام" ہندوستانیوں کے حوالے کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ یہ الزام کہاں تک درست ہیں۔ مگر ثابت ہوتا ہے کہ پشاور

کے علماء کرام نے محدثین سے اختلاف کیا۔ اور یہ اختلاف معمولی نہیں تھا۔ بلکہ بنیادی

اختلاف تھا جن کے نام یہ خطوط لکھے گئے۔ مولانا غلام رسول صاحب مہران کی تعریف

میں لکھتے ہیں۔ کہ "مولانا حافظ محمد احسن صاحب بن محمد صدیق معروف بہ حافظ دراز

پشاور سی، فقیر عالم علوم عقیدہ و نقلیہ کے ماہر سرحد سے سمرقند تک ان کے علم کا پیر چا

تھا۔ دوسرے ہی بزرگ ہیں جن کی تعریف میں لکھتے ہیں۔ حضرت بھرا العلوم حافظ محمد ^ع

صاحب علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں شیخ وقت، اصحاب ستہ کے اساتید زبانی یاد تھے

روتے بہت تھے۔ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ تیسرے مولانا غلام حبیب صاحب

جو کہ آسیا والے میاں صاحب غلام جیلانی کے والد تھے یہ بہت بڑے عالم تھے (۴) مولینا

مفتی محمد احسن صاحب بن مولانا مفتی محمد احمد فقیر عالم تھے۔ محلہ کوٹلہ رشید گنج پشاور (۵) مولینا

مفتی حافظ احمد صاحب (۶) مولانا مولوی عبدالملک اخونزادہ (۷) مولانا مراد اخونزادہ

(۸) مولینا قاضی سعد الدین (۹) مولینا قاضی مسعود (۱۰) مولینا عبد اللہ اخونزادہ۔

سجاد حسین صاحب

حضرت بحر العلوم صاحب اپنے مواعظ میں عقائد حقہ اہل سنت و جماعت کو مدلل طریقے سے بیان فرماتے اور فرق باطلہ کا مسکت طریقہ پر تو فرماتے۔ یہ بات عام طور پر پشاور میں مشہور ہے بلکہ زبان زوخلاتی ہے کہ جس وقت منبر پر رونق افزو نہ ہوتے۔

بین بار "الصلاة والسلام علیک یا رسول اللہ" بلند آواز سے پڑھتے۔ آپ کے معاصر علماء سے حضرت مولانا مولوی غلام جیلانی صاحب المشہور میاں صاحب آسیا نے اعتراض کیا۔ آپ نے ان کو کھلا بھیجا، کہ آئیے اور جمعہ کے وعظ میں یہ مسئلہ سن لیجئے چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ جناب "میاں صاحب آسیا" بمعہ اپنے معتقدین کے آپ کی مجلس وعظ میں تشریف لائے۔ اس وقت علماء کے وعظ کا یہ طریقہ تھا کہ نماز جمعہ کے بعد عصر تک وعظ کیا کرتے تھے۔ حسب قاعدہ آپ نے درود و سلام پڑھ کر اسی مسئلہ کا پر تقریر شروع کر دی، تمام وقت آپ کی تقریر سے لوگ اتنے متاثر ہوئے کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں آہ و بکا کرتے رہے، اور یہی علم "آسیا والے میاں صاحب" کا بھی تھا۔ "آسیا والے میاں صاحب مطمئن ہو کر چلے گئے۔ حضور محبوب سبحانی قطب ربانی سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت بحر العلوم کو والہانہ عقیدت تھی اور یہ عقیدت عشق کی حد تک پہنچ چکی تھی۔

ہر وقت خواہ آپ درس میں ہوتے یا وعظ فرماتے حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے ہی کمالات اور کرامات بیان فرماتے۔ ایک بار جو کچھ آپ کے پاس تھا سب کچھ طلباً

لے لیجئے یہ واقعہ چاچا غلام سرور صاحب مرحوم نے بیان کیا جو کہ میاں صاحب آسیا کے انتہائی معتقد تھے۔

اور وہ اس مجلس میں موجود تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اس وقت میری عمر ۱۴ یا ۱۵ برس کی تھی۔

کو دے دیا، یہاں تک کہ آپ پر گیارہ وقت کا فاقہ گذرا تو آپ نے بغداد شریف
 کی طرف مُنہ کر کے عرض کیا۔ مفتی فضل کریم مرحوم فرماتے تھے کہ مجھے والد صاحب نے
 فرمایا کہ معاً ایک شخص دروازے پر آیا اس کے پاس چاولوں کی ایک خوری تھی کہا کہ
 ”محمد عظیم کو کہو کہ خود آکر لے جائے، حضرت محمود دروازے پر آئے اور وہ خوری لے کر
 گئے، اس خوری میں سے ہر لقمہ کے ساتھ ایک ایک اشرفی نکلی، جب آپ نے گیارہ
 لقمے لے لئے اور گیارہ اشرفیاں ہو گئیں، تو فرمایا کہ حضورِ عوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے
 گیارہ ناموں کا صدقہ یہ گیارہ اشرفیاں ہیں۔ اب پیری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ بارہوا
 لقمہ لوں۔ آپ کی یہ والہانہ عقیدت آپ کی اولاد کو بھی نصیب تھی (اسی طرح مفتی فضل کریم
 صاحب مرحوم حضورِ عوث پاک رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔
 اور انتہائی شوق و جذبہ کے ساتھ حضور کا اسم گرامی لیتے تھے) آپ کے دور میں
 پشاور میں ایک بار بہت سخت بیماری پھیلی۔ پشاور کے لوگ اپنی اصطلاح میں اس کو
 ”ویا“ کہتے ہیں۔ سینکڑوں افراد روزانہ لقمہ اجل ہو جاتے، لوگ آپ کی خدمت میں
 دُعا کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ تمام لوگوں کو ساتھ لے کر پشاور ہی حضرت جی صاحب
 کی مزار پر التوار پر حاضر ہوئے۔ اور آپ کے مزار کو پانی سے غسل دیا، اور پھر آپ کے
 تو غسل سے دُعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً پشاور سے اس عذاب کو دور فرما دیا۔
 آپ نے کثرت کے ساتھ مدح، نصائح اور مناجات بھی نظم کی صورت میں
 لکھے ہیں۔ پُرانی وضع کے خطیب حضرات اب تک اپنے خطبوں میں پڑھتے ہیں۔
 صاحب تاریخ پشاور لکھتا ہے کہ ”اور کبھی تعلیم سے فراغت ہوئی تو اشعار، مناجات

اور مدح اور نصائح میں رہے۔“

آپ کے چار صاحبزادے تھے۔

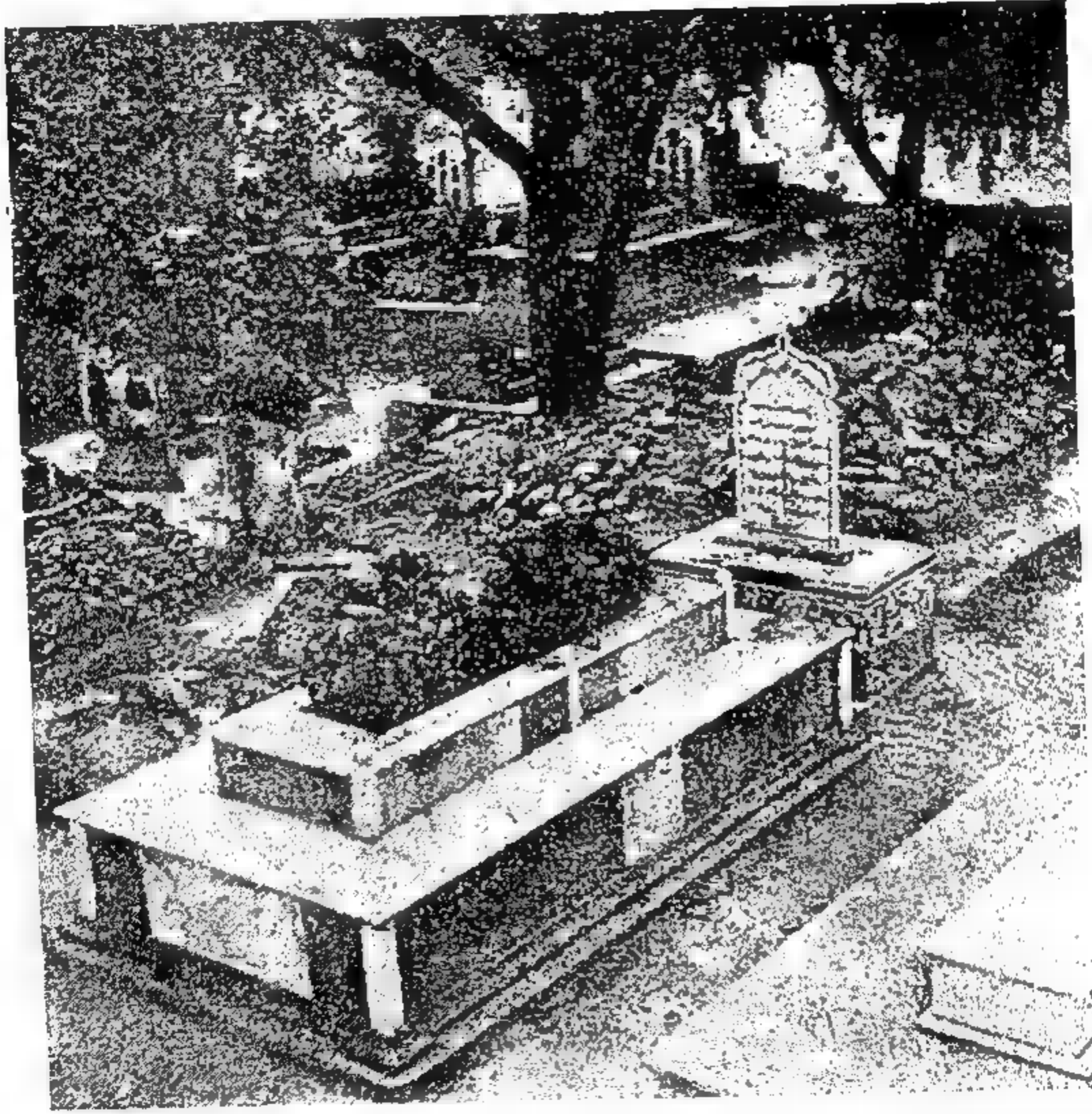
۱) حافظ محمد امین صاحب، پیچھے عالم، علوم عقیدہ و نقلیہ تھے۔ والد کی وفات کے بعد آپ مسند تدریس پر متمکن ہوئے۔ آپ کو امیر شیر علی خاں والی کابل نے کابل بلا کر اپنا مفتی کابل مقرر کیا۔ ۲) حافظ غلام حیدر صاحب، ۳) حافظ سید احمد صاحب، ۴) عبدالحکیم صاحب سب کے سب عالم و فاضل اور حافظ قرآن پاک تھے۔

حضرت بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۲۴ جمادی الاول ۱۲۶۵ھ بمطابق ۲۶ دسمبر ۱۸۵۸ء شب جمعہ میں ہوئی

آپ کی شخصیت اب تک لوگوں کے دلوں اور نظروں میں قابلِ عزت اور احترام ہے۔ اور پشاور شہر کا ہر ایک فرد آپ کو صاحبِ کرامت اور صاحبِ ولایت سمجھتا ہے۔ چنانچہ اسی محبت و عقیدت کے پیش نظر ۱۹۶۲ء میں میونسپلٹی پشاور نے فیصلہ کیا اس عظیم شخصیت کی یاد میں جس محلہ میں آپ نے دین اسلام کی خدمت کی (یعنی گنج کے علاقہ میں) اس محلہ کا نام آپ کے نام سے موسوم کیا جائے۔ چنانچہ اب اس محلہ کا نام ”محلہ حافظ محمد عظیم“ رکھا گیا۔

صاحبِ مدائن الحنفیہ تحریر فرماتے ہیں۔ ”عالم نبیل، فاضل جلیل، واعظ بیجلیل، جامع کمالات ظاہری و باطنی صاحب کشف و کرامات تھے“

فرماتے ہیں۔ ”جن لوگوں نے آپ کا وعظ سنا ہے آج تک اس کا مذاق ان کو نہیں
 بھولا اور کہتے ہیں کہ وعظ کا باب گویا آپ پر بند ہو گیا ہے۔ آپ عربی، فارسی، پشتو
 پنجابی جس ملک و زبان کا طالب علم یا سامع ہوتا تعلیم دیتے اور وعظ کرتے تھے۔“
 آپ کی وفات ۱۲۷۵ھ میں واقع ہوئی۔ صاحب حدائق الحنفیہ لکھتے
 ہیں۔ ”اس کثرت و باجوم سے لوگ آپ کے جنازے پر حاضر ہوتے کہ شہر کے
 لوگ بچھب کرتے تھے کہ اس قدر بے شمار خلقت کہاں سے آگئی۔“



مزار پرنوار حضرت آقا سید پیر جان صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت آقا سید پیر جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۰۵ھ تا ۱۳۱۵ھ

آپ کا نام نامی و اسم گرامی سید اکبر شاہ صاحب، والد کا اسم مبارک سید عیسیٰ شاہ صاحب، لقب لفظی وقتاً "تھا اور" آغا پیر جان صاحب" کے نام سے مشہور تھے۔ اسی مشہور نام نے آپ کے اصلی نام کی جگہ لے لی۔ آپ کا سلسلہ نسب پانچ واسطوں کے بعد حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ لپٹا وری سے مل جاتا ہے۔ آپ کی تعلیم و تربیت اپنے والد محترم کے زیر سایہ ہوئی۔ بہت ہی مختصر عمر میں آپ نے علوم مروجہ سے فراغت حاصل کر لی۔ اپنے بڑے بھائی حضرت علامہ اجل سید غلام صاحب المعروف میر جی صاحب سے طریقہ عالیہ قادریہ حسیبیہ میں بیعت

۱۔ اس فقیر کے جد امجد ہیں۔ اس فقیر کے والد کا نام سید حافظ زمان شاہ صاحب ولد سید سعید احمد شاہ صاحب آغا پیران صاحب
۲۔ آقا سید میر جی صاحب بہت عالم و فاضل، زاہد و عابد، اور شیخ وقت تھے۔ صوبہ سرحد، کابل، پنجاب، اور کشمیر کے اکابر
آپ کے طبقہ اراوت میں شامل تھے۔ کثیر انکرامت تھے، سخاوت میں جو اب نہیں رکھتے تھے۔ دنیا اور دنیا والوں سے مستغنی تھے۔
فارسی کے بہترین شاعر تھے۔ دو چار منتخبیں اردو میں بھی لکھیں ہیں۔ آپ کی وفات ۲۰ شعبان ۱۲۸۳ھ بروز جمعہ ہوئی۔
۳۔ بروز ہفتہ درگاہ عالیہ سید حسن رحمۃ اللہ علیہ میں دفن کئے گئے۔

کر کے خلافت حاصل کی اور صاحبِ مجاز و معتمد ہوئے۔ مسند آرائی خلافت ہونے کے بعد سلسلہ رشد و ہدایت شروع کر دیا۔ سلسلہ قادریہ حسینیہ کی اشاعت و تبلیغ میں کسی قہقہہ کی فروگذاشت نہ کرنا رکھا۔ اس سلسلہ میں کشمیر، ہندوستان، کابل اور عرب کے متعدد سفر کئے۔

آپ کے دور میں پشاور پر سکھوں کا غلبہ تھا۔ حاکم پشاور سکھ تھا اور وہ اور اس کے ساتھی تھے۔ ان تینوں نے ایک مجلس میں جس میں آپ تشریف فرما تھے دین اسلام کی توہین کی، آپ سے پروا نہ ہو سکا اور آپ نے ان تینوں کافروں پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ چونکہ آپ کا اقتدار بھی عوام میں کافی سے زیادہ تھا۔ اور آپ سیاسی اور روحانی پشاور کے پیشوا تھے۔ اس لئے حکمران طبقہ نے آپ پر ہاتھ نہ ڈالا مبادا کہ بلو عام ہو جائے۔ مگر آپ نے فرمایا کہ اب اس وطن میں جہاں دین اسلام کی توہین ہوتی ہو وہیں رہنا نہیں چاہتا۔ لہذا آپ کابل کو ہجرت کر کے چلے گئے۔ کابل میں آپ کی بہت عزت و تکریم کی گئی۔ آپ نے کافی دن وہاں گزارے۔ آپ ذکر و اذکار میں مشغول رہے۔ اور نہایت ہی مشکل ترین ریاضتیں کیں۔ دریائے کابل میں تین برس تک لا الہ الا اللہ کا ذکر کیا جس وقت اس تین برس کے چلے کے بعد آپ کو پانی سے نکالا گیا تو آپ کا وجود پانی نے کھایا ہوا تھا۔ اور روٹی کو دودھ یا شوربے میں لگھو کر آپ کے منہ میں قطرات گراتے جاتے۔ یہاں تک کہ آپ صحت یاب ہوئے۔ اسی طرح قصیدہ غوثیہ شریف کا ایک برس کا چلہ کاٹا۔ آپ مغرب کی نماز کے وضو کے ساتھ صبح کی نماز ادا فرماتے۔ گویا تمام رات عبادتِ الہی میں گذرتی۔ آپ کے وجود کی برکت سے اس علاقہ میں ذکر الہی اتبارع سنت نبوی کی خوب اشاعت ہوئی۔ اگرچہ آپ کی

Marfat.com

ارادت میں اصرار، حکام، علماء اور عوام بکثرت شامل تھے۔ مگر آپ کی طبیعت ان تمام ارادتمندیوں سے بے نیاز تھی۔ آپ کا تعلق صرف اور صرف ذاتِ الہی اور حضورِ فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ تھا۔ اسی وجہ سے آپ نے کسی وقت بھی کلمہ حق کہنے میں دریغ نہیں کیا اور نہ کسی کی پرواہ کی۔ امیر شیر علی خاں والی کابل ہندوستان کے سفر کے لئے پشاور پہنچا تو پشاور کے حاکم اعلیٰ نے جو کہ اس وقت ایک انگریز تھا۔ امیر صاحب کی ایک خاص ضیافت کی۔ اس میں علماء اور علمائین شہر کو بھی بلایا گیا۔ چونکہ آپ کا تعلق امیر کابل سے تھا اور وہ آپ کا معتقد تھا تو اس کی خواہش پر آپ کو بھی دعوت دی گئی۔ آپ کو انگریزوں سے بڑی سخت نفرت تھی، اس لئے آپ دعوت میں تو تشریف لے گئے مگر کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ امیر کابل جناب امیر شیر علی خاں صاحب نے اصرار کیا تو آپ نے صاف طور پر جواب میں ارشاد فرمایا: "کہ اے امیر یہ فرنگیوں کی ضیافت ہے اس لئے میں نہیں کھاتا" امیر کابل کو غصہ آگیا اس نے کہا کہ اچھا جو وظیفہ کابل کی حکومت کی طرف سے آپ کے لئے مقرر ہے وہ ضبط کیا جاتا ہے۔ آپ نے متیسمانہ لہجہ میں ارشاد فرمایا۔

"اے بادشاہ فقیر کی فقیر تیا مت تک رہے گی، مگر تیری بادشاہت نہ رہے گی" آپ اس مجلس سے فوراً اٹھ کر چلے آئے۔ آپ کی طبیعت مبارک پر اس گفتگو کا اثر بہت بڑا پڑا۔ چنانچہ اسی طرح ہوا جب امیر کابل واپس پہنچا تو اس کا تختہ الٹ دیا گیا۔ مگر آج تک اس فقیر کا ارشاد اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ روشن ہے۔

آپ کو قانون انگریزی سے انتہائی نفرت تھی۔ جتنے کہ کسی غیر اسلامی عدالت سے رجوع بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ آپ پر مزار سید حسن بادشاہ صاحب کے

متعلق دعویٰ دائر کر دیا۔ آپ پہلی بار جب عدالت میں پیش ہوئے تو انگریز محکمہ سٹریٹ مسٹر
 جیمز کرسٹی کو کہا۔ ”میں شریعت اسلامیہ محمدیہ کا پابند ہوں۔ جو فیصلہ شریعت محمدیہ کرے
 مجھے قبول ہے۔ چونکہ تم شریعت اسلام سے ناواقف اور نابلدہ ہو اس لئے یہ قضیہ کسی
 مسلمان عالم و فاضل کے پاس بھیج دو تاکہ وہ فیصلہ کرے۔“ دو ہرے فریق نے نہ مانا۔
 محکمہ سٹریٹ نے ان کا مقدمہ خارج کر دیا۔

آپ نے بہت طویل طویل سفر کئے۔ حج بیت اللہ شریف کے ارادے سے
 جب مدینہ پہنچے تو بحری جہاز میں حضرت فتنۃ السالکین خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی
 رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی جہاز میں سفر ہو گئے۔ (آپ کے ساتھ آپ کے داماد حضرت
 قبلہ عالم آقا الحاج سید سکندر شاہ صاحب بھی تھے) اتنا سفر میں آپ کے مراسم حضرت
 قبلہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سے نہایت ہی مشفقانہ قائم ہوئے۔ ایک دن حضرت تونسوی
 رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ”شاہ صاحب ہندوستان میں لوگوں نے تنگ کر دیا
 ہے۔ اب ارادہ ہے کہ حج پر جا کر بیت اللہ شریف میں ٹھہر کر اللہ تعالیٰ کو یاد کروں“
 آپ نے فرمایا ”حضرت صاحب اگر آپ اس عرض کے لئے جا رہے ہیں تو ایک
 گزارش اس فقیر کی بھی سن لیجئے، جس طرح یہ فقیر آپ کو مشورہ دیتا ہے کوئی شخص
 آپ کے پاس نہیں ٹھہرے گا۔ اور آپ لوگوں کے اڑوہام سے رہائی حاصل کر لیں گے“
 انھوں نے فرمایا کہ فرمائیے کہ ”وہ کیا طریقہ ہے“ آپ نے فرمایا۔ ”آئیے یہاں سے
 ہی اپنے خادموں کو رخصت کر دیجئے، آپ اٹا وال لائیے اور میں لکڑیاں لاول گا۔
 میں کھانا تیار کروں گا آپ کپڑے دھویں۔ اکٹھے چلا پھرا کریں گے تو پھر کوئی بھی آپ
 کے پاس آکر آپ کو تنگ نہیں کرے گا۔ جس قدر آپ خلوت میں رہیں گے۔ اسی قدر

لوگ آپ کے دیدار کے مشتاق ہوں گے۔ اور خواہ مخواہ خلوت میں مدخلت کر کے آپ کے ذکر افکار میں فرق پیدا کرتے ہیں اور جب آپ کو ہر وقت گھومتا پھرتا دیکھیں گے۔ تو لازماً اس قدر اشتیاق نہ رہے گا۔ تو خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ یہ صاحب میں یہ طریقہ اختیار نہیں کر سکتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ”پھر آپ ضرور حج کو تشریف لے جائیں۔“ آپ کی طبیعت مبارکہ میں تحقیق حق کا جذبہ بوجہ اتم موجود تھا۔ ہر وقت آپ کی مجلس علماء اور فضلاء سے بھر پور ہوتی اور کسی ایک مسئلہ پر گفتگو ہوتی رہتی۔ چنانچہ ایک بار حضرت شیخ الاسلام والمسلمین حافظ عبدالغفور صاحب اعنی صاحب صوات رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سے علماء نے فتویٰ دیا کہ ”بغیر محراب کے نماز باجماعت نہیں ہوتی۔“ یہ بات پشاور پہنچی چونکہ آپ کی ذات والا صفات پشاور شہر میں سیاسی اور مذہبی اعتبار سے قابل احترام اور مرکزی حیثیت رکھتی تھیں، اس لئے حضرت سرآمد علماء جناب میاں صاحب آسیا یعنی حافظ میاں غلام جیلانی صاحب اور اسٹاڈنٹ اساتذہ حضرت مولانا مولوی میاں نصیر احمد صاحب المعروف بہ ”میاں صاحب قصہ خوانی“ رحمۃ اللہ علیہ اور چند دیگر علماء یہ فتویٰ لے کر آپ کے پاس آئے۔ آپ خود بھی مجدد اللہ عالم اکمل تھے۔ آپ نے علماء کے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد فرمایا کہ ”حضرت صوابت بہت ہی قابل قدر ہستی ہیں اور انتہائی متبحر شریعت محمدی ہیں۔ بجائے اس کے کہ تم صاحبان یہاں سے ہی تنقید شروع کرو۔“ اور کہ ہم سب مل کر ان کے پاس حیدر شریف جائیں تاکہ ان کے ساتھ بیٹھ کر اس مسئلہ کو طے کر لیا جائے۔ چنانچہ آپ خود جمعیت صدر الافاضل

حضرت میان صاحب قصہ خوانی، حضرت الحاج آقا سید سکندر شاہ صاحب اور جناب
مولانا مولوی سراج الدین صاحب لاہوری سید و تشریف لے گئے۔ حضرت قاضی صاحب
زینۃ العارفین شیخ الاسلام والمسلمین اخون صاحب دعوات نے آپ کی بہت ہی
قدر و منزلت کی، دوسرے دن مسئلہ پر گفتگو شروع ہوئی، وفد کی طرف سے حضرت
میاں صاحب قصہ خوانی بحث کرتے اور دوسری طرف سے تین علماء تھے بیان
کیا جاتا ہے کہ تین دن تک یہ بحث کا سلسلہ جاری رہا۔ مسئلہ حل ہوا اولیٰ شیخ الاسلام
والمسلمین حضرت بابا جی صاحب دعوات نے دوسرا فتویٰ دیا کہ "بغیر محراب کے بھی
غاز باجماعت ہوتی ہے" اتنا تکلیف وہ سفر آپ نے ایسی حالت میں کیا جبکہ آپ
بہت معذور ہو چکے تھے۔ مگر دین اسلام کی تڑپ اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
کی خاطر اپنی تکالیف کا کوئی احساس تک نہیں کیا۔ اور سفر کی صعوبتیں جھیل کر امت
محبہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متحد و متفق کیا۔ یہی مقدس افراد تھے جن کے قلوب میں دین اسلام
کی سچی لگن تھی۔ وہ پاک باز لوگ قوم کو آپس میں الجھا کر اقتدار حاصل نہیں کرتے تھے۔
ان اللہ والوں کی زندگی تو اس لئے تھی کہ لوگوں میں اتفاق ہو، اتحاد ہو، یکجہتی ہو،
اور مسلمان قوم بنیائے موعود ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کا مکمل
نمونہ ہو۔ مسائل و فیہ میں ان میں کوئی اختلاف اور فرقہ نہ ہو۔ آپ کے اسی جذبہ صاؤ
کے صدقہ میں امت محمدیہ ایک عظیم افتراق و تشتت سے بچ گئی۔ ورنہ بعد میں صرف
سب سے زیادہ اور لشوار کے مسائل پر کیا کچھ نہیں ہوا۔ ایک تاریخ کے طالب علم
سے یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ نیز آج کل بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں
کہ قسما قسم نازک مسائل کو چھیڑ کر علماء ملت اسلامیہ پاکستان کو باہم لڑا رہے ہیں اور

ساوہ لوح مسلمانوں کو بھلا کر اپنا اٹو سیندھا کر رہے ہیں۔ یہ علماء کیوں آپس میں بیٹھ کر ان مسائل کو حل نہیں کرتے، تاکہ امت اسلامیہ اس تشنہ و افتراق سے نجات حاصل کرے۔ کتنے بزرگ زیدہ انسان تھے وہ جو خود تکلیف اٹھا کر امت محمدیہ میں اتحاد و اتفاق پیدا کرتے تھے۔ آپ بڑے متوکل تھے۔ کبھی بھی کسی امیر یا صاحب و جاہت کے ہاں تشریف نہیں لے گئے۔ بلکہ ہمیشہ ارشاد فرمایا کرتے کہ اس فقیر کو ایک اللہ تعالیٰ کا در کافی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ آپ کی تمام ضروریات کو پورا فرماتا۔ نور محمد زرگر بیان کرتا ہے کہ ایک دن آپ مراقبہ کر رہے تھے کہ گھر سے جواب آیا۔ ”حضرت آج گھر میں ہر چیز ختم ہے۔“ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ”آج ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے مکان میں ہیں۔“ اس کا رسانی حقیقی نے اسی وقت کا رسانی فرمائی اور چند منٹوں کے بعد ایک شخص آکر پوچھتا ہے کہ ”اغا پیر جان کون ہے؟“ بیٹھے ہوئے افراد نے آپ کا تعارف کروایا۔ اس شخص نے آپ کی خدمت میں ایک بیش قیمت گھوڑا اور ایک رومال جس میں تقریباً دو سو روپیہ تھا پیش کیا اور نصحت ہو گیا۔ آپ نے اپنے احباب کو مخاطب کر کے فرمایا، کہ ”تم نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی عمدہ مہانداری فرمائی۔“

آپ سے اتنی کثرت سے کرامات کا صدور ہوا اور مکشوفات ہوئے کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک مکمل کتاب بن سکتی ہے۔ آپ نے ہمیشہ کرامات کو چھپایا اور کبھی بھی ظاہر ہونے نہیں دیا، اور دین مبین پر استقامت فرما رہے۔

الحاج ملک محمد زین صاحب بیان کرتے تھے کہ ہمیشہ دریائے بارہ میں سیلاب

۱۔ حاجی صاحب مرحوم تحصیل نوشہرہ میں موضع بانڈہ ملاخان کے رہنے والے تھے۔ بیک سیرت انسان تھے۔
(بقیہ صفحہ ۱۲۶ ملاحظہ فرمائیں)

آہنا، اور تباہی و بربادی چاڑھتا۔ یہاں تک کہ ہماری زمینوں کو بھی خراب کر کے گاؤں کو منہدم کر دیتا جس کی وجہ سے ہم گاؤں گاؤں پھرتے رہتے۔ میرے دادا صاحب نے جناب آغا پیر جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شہرہ سنا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور انہی پریشانیوں اور مصیبتوں کا رونا رویا اور دعا کی التجا کی، آپ نے اس کو تین مٹی کے ڈھیلے دم کر کے دیئے اور فرمایا کہ "اپنی زمین کی پل پر کھڑے ہو کر وریا باڑہ کی طرف یہ ڈھیلے پھینک دو۔ انشاء اللہ جس جگہ تک یہ ڈھیلے پہنچیں گے اس سے آگے سیلاب کا پانی نہیں آئے گا چنانچہ اس واقعہ کے بعد اب تک اس مقام سے آگے سیلاب کا پانی نہیں آیا۔ بڑے بڑے خطرناک سیلاب آئے۔ اس گاؤں کے ساتھ کے گاؤں، کروی، زخی بانڈہ شیخ اسماعیل کو نقصان پہنچا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس گاؤں کو نقصان نہیں ہوتا۔

ایک بار آپ جوئے شیخ (شیخ کے کھٹہ) پہنچنے دوستوں کے ساتھ "سیر" کے

عاجی صاحب تنگ زنی مرحوم کے مرید خاص تھے بشہور و معروف سیاسی کارکن تھے۔ صوبہ سرحد کی سیاسی زندگی میں آپ کی بہت کوشش رہی ہے۔ خدائی خدمت گار تحریک میں پیشرو تھے۔ "افغان جرگہ" کی بنیاد رکھنے والے تھے۔ پھر تحریک پاکستان میں انتہائی گرم جوشی سے حصہ لیا، اور مسلم لیگ کے ساتھ افغان جرگہ کا الحاق آپ کا ہی رہنمائی تھا۔ پشاور سے چکر کی لغت کو دور کرنے میں آپ نے ہر قسم کی قربانی دی۔ غرضیکہ آپ کی زندگی مسلسل دینی اور سیاسی جدوجہد سے بھرپور زندگی تھی۔ بعمر ۷۵ برس ۱۳۸۲ھ میں انتقال کیا۔

۱۰ "سیر" پشاور میں اصطلاح ہے۔ بہار یا گرمی کے دنوں میں دوست احباب جمع ہو کر کسی چشمہ یا نہر یا کسی تفریحی باغ میں چلے جاتے ہیں۔ اور تمام دن کھانے پینے اور نہانے میں گزار دیتے ہیں۔ اس کو "سیر" کہتے ہیں۔

لئے گئے۔ خورد و نوش کا انتظام کیا گیا۔ آپ کے ساتھ تقریباً ایک سو دوست احباب
 تھے جس نے سنا کہ آج آغا پیر جان کا "سیٹر" ہے وہ جوئے شیخ پر پہنچ گیا۔ کہتے ہیں
 کہ کوئی آٹھ سو آدمی جمع ہو گئے۔ آپ کے باورچی نور محمد زرگر نے تقریباً سو آدمی کا
 کھانا تیار کیا تھا۔ آکر عرض کیا کہ "جناب تقریباً آٹھ سو دوست احباب جمع ہیں۔
 اور پچاس کے قریب فقیر و رویش آگئے ہیں، اور کھانا سو نفر کا ہے کیا بنے گا؟" آپ
 نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "اللہ شبارک و تعالیٰ پورا کر دے گا ہم فقیروں
 کا کارساز و رہی حل جلالہ ہے۔"

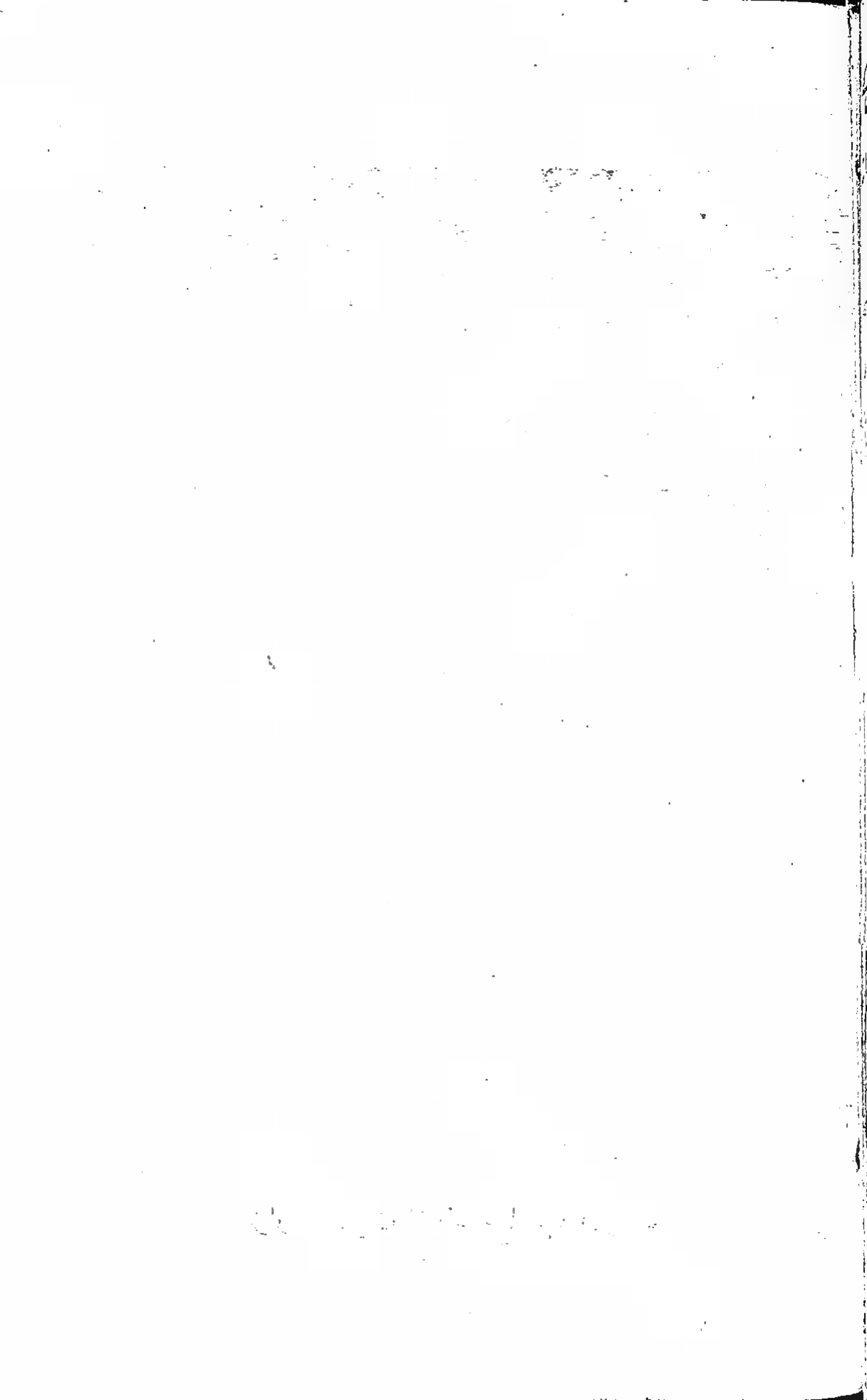
جب کھانے کا وقت آیا چند احباب اور بھی پہنچ گئے، آپ نے اپنے ہاتھ
 سے ان تمام مسکینوں اور فقیروں کو سب سے پہلے کھانا کھلایا، اور ان کے بعد چاروں
 ویک پر ڈال دیا، پھر تمام احباب کو کھانا کھلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کھانے میں تثنیٰ برکت
 ڈالی کہ ہزار گیارہ سو آدمیوں نے سو آدمی کے لئے پکا ہوا کھانا کھالیا جو بیچ گیا وہ آپ نے
 اور آپ کے باورچی نور محمد زرگر نے کھایا۔ آپ نے باورچی کو کہا۔ "میرے اللہ نے سب
 کو کھانا کھلایا۔ کبھی رزاق ہے، میں اور تم تو کام کرنے والے ہیں۔"

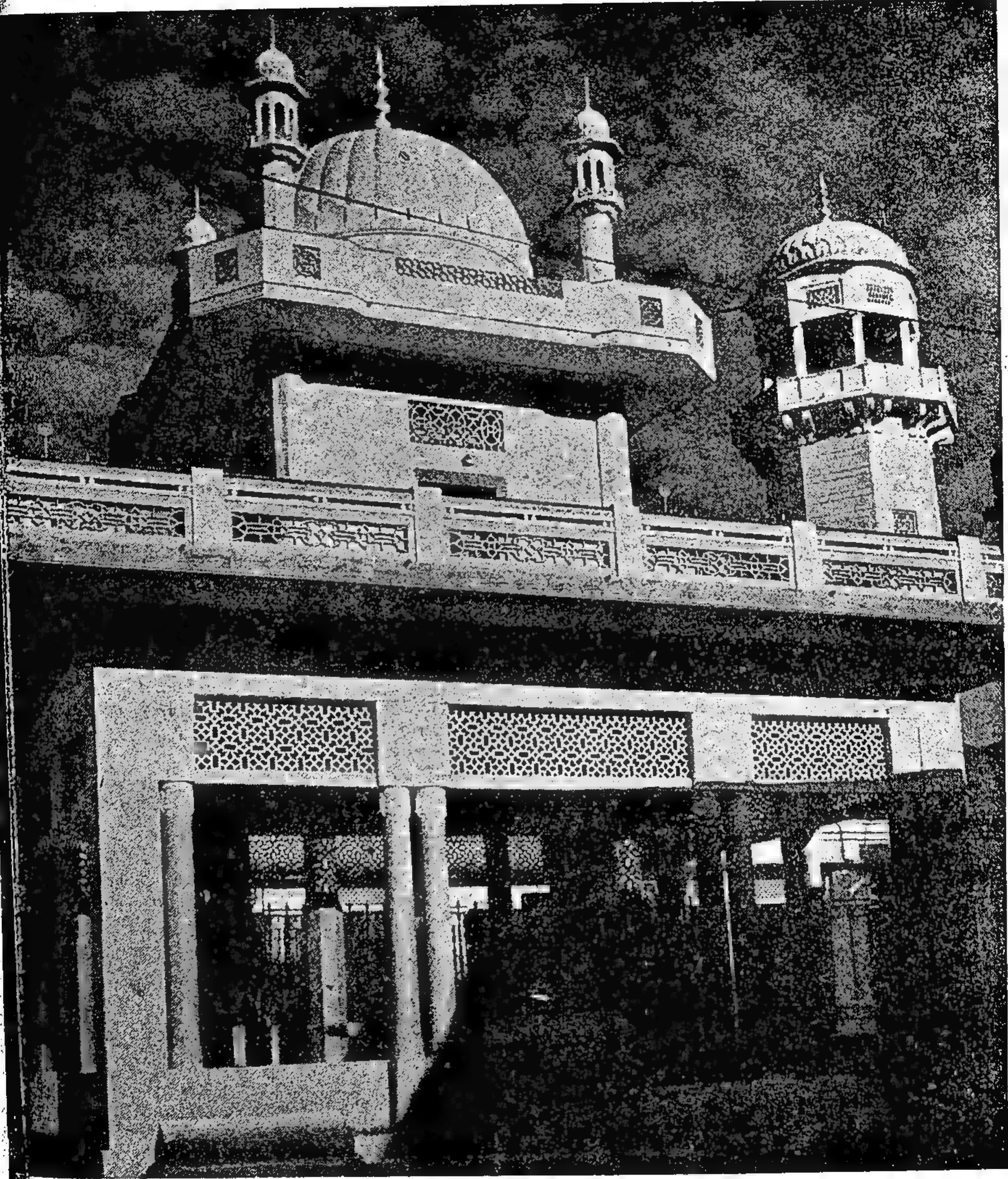
آپ ۲۸ جمادی الاول ۱۳۱۵ھ بروز سہ شنبہ رات کے ۱۲ بجے اٹھے، غسل
 فرمایا۔ کپڑے بدلے۔ تسبیح لے کر مصدقہ پر تشریف فرما ہوئے۔ اچانک طبیعت خراب
 ہوئی۔ اپنے پوتے جناب آقا سید محمد زمان شاہ صاحب مرحوم کو بلا یا بیعت کر کے
 تسبیح و مصدقہ عطا فرمایا اور کہا کہ قرآن پڑھو، جب آقا سید محمد زمان شاہ صاحب نے

نور محمد زرگر آپ کا مرید تھا۔ اور آپ کا کھانا وغیرہ بچاتا تھا۔ حاجی تاج محمد صاحب تاج بیولو چوک یادگار
 کا دادا تھا لہ اس وقت آپ کی عمر بارہ برس کی تھی اور آپ نے سورۃ بقرہ حفظ کر لی تھی ۛ

قرآن مجید پڑھنا شروع کیا تو آپ نے اسم ذات کا ذکر کرنا شروع کر دیا اور چند ساعت کے بعد ذکر الہی کرتے ہوئے اس جہان فانی سے آپ کی روح مبارکہ نفسِ منصری سے پرواز کر گئی۔

آپ کے انتقال کے وقت پشاور میں کھرام مچ گیا۔ تمام شہر بند ہو گیا۔ ہر محلہ سے ذکر الہی کرتے ہوئے لوگ آپ کے مکان پر جمع ہو رہے تھے اور ہزار ہا کی تعداد میں پشاور کے چاروں طرف سے دیہاتی لوگ اکٹھے ہو گئے۔ آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو ہر شخص کی زبان پر ذکر الہی جاری تھا۔ پشاور کے زرگروں نے آپ کے جنازے پر سونے اور چاندی کے پھول صدقہ کئے۔ شام کے قریب یہ آفتابِ رشد و ہدایت اور ولایتِ مقبرہ حضرت سلطان العارفين سيد حسن رحمۃ اللہ علیہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔





مزار حضرت اخوند صاحب صوبات

امام المصنفین شیخ الاسلام و امین حضرت عبدالغفور صاحب لقب شیخ الاسلام اور انخون صاحب سوانح
 کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ مہندوں کے قبیلہ صفائی سے تعلق رکھتے تھے۔

۱۲۰۹ھ تا ۱۲۹۵ھ

آپ کا اسم گرامی عبدالغفور صاحب لقب شیخ الاسلام اور انخون صاحب سوانح
 کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ مہندوں کے قبیلہ صفائی سے تعلق رکھتے تھے۔
 ”انخون“ ”انخوند“ کا مخم ہے یعنی انخوند کا لفظ زبان پر ثقیل تھا اس لئے انخوند
 کے آخری حرف کو گرا دیا گیا۔ تو انخوند سے ”انخون“ بن گیا۔ یہ تو رانی لفظ ہے اور بہت
 بڑے قبح عالم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ آپ بھی عالم اجل اور شیخ الاسلام تھے۔
 اس لئے آپ کو عام زبان میں اسی لقب کے ساتھ پکارا گیا۔

آپ کی پیدائش ۱۱۸۲ھ میں ہوئی۔ ابتدائی عمر سے آپ کو دینی تعلیم کا شوق تھا۔
 لہذا اپنے علاقہ ہی میں مختلف اساتذہ سے ابتدائی تعلیم کر کے مزید تعلیم کے حصول کے
 لئے مختلف شہروں اور دیہاتوں میں رہ کر آخر مروان سے پشاور پہنچے۔ پشاور میں
 آپ ”گنج والے حافظ جی صاحب کی خدمت میں پہنچے اور تقریباً ۴ برس رہ کر سند

لے آپ کا اسم گرامی حافظ محمد عظیم تھا۔ آپ مسجد کلان گنج کے خطیب مدرس اور امام تھے۔ آپ کے حالات پر

الگ مضمون ہے۔ آپ کی وفات ۱۲۷۵ھ میں ہوئی۔

فراغت حاصل کی چونکہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صوفی کامل تھے اس لئے اپنے استاد
کی صحبتِ باریک نے آپ کو بھی اصلاحِ نفس کی طرف متوجہ کیا۔ تحصیلِ علم کے بعد آپ
فقراء کی تلاش میں نکلے۔ اس وقت پشاور شہر میں جناب شاہ میاں غلام محمد صاحب
المعروف حضرت جی صاحب یکہ لوت والے کا بہت شہرہ تھا۔ اور حضرت انجمن صاحب
تو فرماتے ہیں کہ ”حضرت جی صاحب سے ہزاروں لوگ آکر فیض حاصل کرتے تھے
مجھے آٹھ دن کے بعد آپ سے ملاقات کا موقع ملا۔ چنانچہ حضرت جی صاحب نے
آپ کو فرمایا کہ میرے پاس تمہارے لئے فقر نہیں۔ مگر ”اَسْتَغْفِرُ اللہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا
لہُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہَا۔ پڑھا کرو“۔ اسی طرح آپ مختلف فقراء اور مشائخ
سے ملے۔ آخر آپ وہاں پہنچ گئے جہاں سے آپ کو فقر ملنا تھا۔ بھوائے۔

آخر آمدنِ پس پردہ تقدیر پدید

یعنی آپ حضرت شیخ المشائخ صاحب جزاؤہ محمد شعیب صاحب ساکن تور و ٹھیری کی
خدمت میں پہنچ کر طریقہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہو کر ریاضات و مجاہدات میں مشغول ہو
گئے۔ دریائے کابل اور دریائے سوات کے جنگلوں میں کافی عرصہ زہد و عبادت میں
گزارا۔ جب سلسلہ علیہ قادریہ کے اسباق طریقت کو مکمل کر کے اپنے پیر و مرشد کے
حضور میں پہنچے۔ تو حضرت صاحب جزاؤہ صاحب مرحوم نے آپ کو پیر چار سلاسل یعنی
قادریہ، نقشبندیہ، پشتمیہ اور سہروردیہ میں مافون اور صاحب مجاز فرمایا۔

یہ روایت حضرت شیخ صاحب شکر پورہ کی زبانی ہے۔ آپ حضرت سوات صاحب کے سلسلہ میں علم
خفاہ سے تھے۔ آپ کی وفات بعد تقریباً ۸ برس ۹ روزی الحجہ ۱۳۶۶ھ میں ہوئی۔

صاحبِ مجاز ہونے کے بعد آپ نے ”امر بالمعروف“ اور ”نہی عن المنکر“ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ گاؤں گاؤں پھر کر لوگوں کو اتباعِ سنت اور امر الہی کی مطابقت کی تبلیغ کرتے ہوئے یوگان کرواتے۔ لوگوں کو شرعی احکام کے مطابق عمل کروانے اور ان کے تمام جھگڑے شریعت کے مطابق فیصلہ کرواتے۔ بدعات و رسوم بد سے لوگوں کو باہر رکھتے۔ لنگڑیتے، بہان جن سے ہزار ہا لوگ روٹی، کپڑا، زادِ راہ حاصل کرتے۔ آپ کی سنت اور خلوص کو دیکھ کر جو بوق و جوق عوام آپ کی بیعت ہوئے اور آپ پر پروانہ وار قربان ہوتے تھے۔ غرضیکہ آپ نے اس سلسلہ مبارکہ کی بہت اشاعت کی۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ آپ کے نام سے موسوم ہو کر قادیان، چشتیہ، نقشبندیہ کا ایک خاندان اور مشہور ہو گیا۔ اب آپ کا سلسلہ صرف صوبہ سرحد ہی نہیں، بلکہ کابل، ہرات، غزنی، ہندوستان اور عرب تک پھیل چکا تھا اور ہر جگہ آپ کے خلفاء مصروفِ تبلیغ تھے، اور اشاعتِ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے تھے۔

آپ نے اس زہد و تقویٰ، مشاہدہ و مراقبہ، ذکر و فکر، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور اشاعتِ سلسلہ کے ساتھ ساتھ ”بہادریا السیف“ بھی کیا۔ نہایت ہی شجاعتِ ہمت اور استقلال کے ساتھ وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیتے جو نہایتی دنیا تک زندہ رہیں گے اور جن کی یاد ہمیشہ رہے گی۔ جب کبھی کوئی مؤرخ تاریخ مجاہدین سرحد لکھے گا تو وہ آپ کے بہادریوں کو فراموش نہیں کرے گا اور نہ ہی کر سکتا ہے۔

ہرگز نمیر و آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریۃ عالم و وام ما

محمدین ہندوستان کی جو جماعت حضرت سید احمد صاحب شہید کی زیر قیادت

ہندوستان سے روانہ ہو کر اس علاقہ میں سکھوں کے ساتھ لڑنے کے لئے آئی تھی۔ آپ نے ان کے ساتھ مل کر پشاور سے سکھوں کو نکالا اور خوب جہاد کیا۔ اور سکھوں کے مظالم بجز و استبداد سے مسلمانوں کو نجات دلوانی جب پشاور فتح ہو گیا تو محدثین نے اپنے عقائد و اعمال کو عملاً نافذ کرنا شروع کر دیا۔ جہاں تک بدعات، رسوماتِ بدہ اور دیگر برائیوں کا تعلق تھا حضرت انھوں صاحب سوات محدثین کے ساتھ ان تمام برائیوں کو ختم کرنے میں پیش پیش تھے۔ مگر جب عقائد کا مسئلہ آیا تو آپ ان سے الگ ہو گئے اور واضح طور پر ان کے عقائد کا روکنا اور ان سے اختلاف کیا۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے محدثین کی اس تحریک کے سرگرم رکن جناب حضرت مولانا مولوی سید امیر صاحب المعروف "کوٹہ ملا صاحب" اور ان کے تابعین پر "وہابی" کا حکم صادر کیا۔ مصنف یوسف زئی پٹھان بھی اپنی کتاب "یوسف زئی پٹھان" کے صفحہ ۳۸۰ پر لکھتا ہے۔

"آخر میں یہ درج کر دینا بھی معلومات میں اضافہ کا باعث ہو گا کہ جس وقت حضرت انور صاحب سوات تحریک مجاہدین کی اس کے مذہبی عقائد کی وجہ سے مخالفت کر رہے تھے۔ اس وقت علاقہ صوابی کے موضع کوٹہ کے مشہور مذہبی رہنما حضرت سید امیر صاحب المعروف کوٹہ ملا صاحب اس تحریک کی حمایت میں تھے۔"

بلکہ آپ کے خلفائے آپ کی ایما پر ان عقائد کے خلاف بیسویں کتابیں لکھیں ان میں حضرت مولانا مولوی مرید محی الدین صاحب نوشہروی اور پشاور شہر کے مشہور معروف علامہ اجل حضرت مولانا مولوی میاں نصیر احمد صاحب المعروف بہ میاں صاحب قصبہ سوات

شخصیت سے قابل ذکر ہیں حضرت میاں صاحب فقہ خوانی نے تقویۃ الایمان مصنفہ
شاہ اسماعیل صاحب کاروبار نام "استحقاق حق" عربی میں لکھا جس میں ان تمام عقائد کا
روئے جو کہ اہل سنت و جماعت کے عقائد حقہ کے خلاف ہیں۔

حضرت انخون صاحب پر ان واقعات کا اثر بہت بڑا پڑا اور آپ سوات
کی طرف چلے گئے۔ آپ نے سلسلہ کی اشاعت امر بالمعروف کو جاری رکھا۔
اور اسی طرح رسوائی بد اور بدعات کے خلاف عملاً کام کرتے رہے۔ نیز آپ نے
اس تمام علاقہ کے قبائلیوں کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ آپ کی موہنا نہ فراست نے
وہ سب کچھ دیکھ لیا تھا جو پیش آنے والا تھا۔ محدثین کی تحریک کی ناکامی، سکھوں
کا اس علاقہ سے نکل جانا۔ بلکوں اور خوانین کی خانہ جنگی یہ سب ایسے اسباب تھے جن
کی وجہ سے انگریزوں نے اپنی شیطانت کی چالوں سے پشاور پر قبضہ کر لیا تھا۔ آپ جانتے
تھے کہ انگریزوں یعنی سوات میں شیطیم نہ ہوئی اتحاد نہ ہوا۔ کوئی امیر نہ ہوا تو فرنگی کا مقابلہ
نہیں ہو سکتا۔ آپ کی شبانہ روز مسلسل کوشش و سعی سے سوات کے لوگوں نے
اپنا بادشاہ شہد اکبر شاہ کو بنالیا۔ اگرچہ لوگ آپ ہی کے دستِ حق پرست پر بیعت
امارت کرنا چاہتے تھے مگر آپ نے سید موصوف کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور حضرت
انخون صاحب سوات کو شیخ الاسلام بنایا گیا

تمام مقدمات تنازع اور جھگڑے آپ شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ
فرماتے۔ آپ کی انتھک کوشش سے سوات میں امن قائم ہو گیا اور ہر طرف

۱۔ سید اکبر شاہ، حضرت غوث خراسان سید علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے۔

سُنّت نبوی کی اشاعت ہونے لگی۔ ”امر بالمعروف“ اور ”نہی عن المنکر“ عملاً ہونے لگا۔ تقریباً سات برس تک سید اکبر شاہ نے حکومت کی اور اسی میں ۱۸۵۷ء کو وفات پائی۔ سید صاحب کی وفات کے بعد سوات اور بلتیر پر خانہ جنگی شروع ہو گئی اور وہ وطن جو سات برس تک امن و امان کا گوارہ تھا، جہنم زاد بن گیا۔ حضرت انخون صاحب اس تباہی و بربادی اور اختلاف و انتشار کو دیکھ کر بہت پریشان اور مشوش ہوئے۔ ادھر انگریزوں کی سازشیں اور چالیں کہ یہ لوگ اور زیادہ کمزور ہو جائیں کہیں میں لڑیں تاکہ ہمارے زیر نگیں اور ماتحت ہو جائیں۔ آپ کے لئے اور زیادہ دکھ کا سبب تھا۔ انگریزوں نے اس افراق و تشتت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سوات کا رخ کیا۔ آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ اپنے تمام متعلقین، مریدین اور قبائلیوں کو لے کر میدان جہاد میں نکلے۔ اس جہاد کا نام ”امبیلہ“ کی جہاد مشہور ہے۔ انگریزوں نے دیکھا کہ سوات اور بلتیر وغیرہ علاقوں کا اتحاد ہے تو ان میں مچھوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ حضرت انخون صاحب انگریزوں کی شرارت کو سمجھ گئے انھوں نے بلتیر کے لوگوں کو خصوصاً اور تمام لوگوں کو عموماً وعظ و نصیحت کی، سمجھایا۔ اور حملہ کے لئے تیار کیا۔ آپ کے ارشادات کا بہت زیادہ اثر ہوا۔ لوگوں میں جوش جہاد پیدا ہوا اور شوق شہادت ہر ایک کو میدان جہاد کی طرف کھینچ لایا۔ چنانچہ نہایت ہی بے جگری کے ساتھ مجاہدین اسلام نے انگریزوں پر حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ دست بدست لڑائی کی بھی نوبت آئی۔ مجبوراً فرنگیوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ چند دنوں کے بعد حضرت صاحب نے مجاہدین کو لے کر کھڑک کے مورچے پر حملہ کر دیا۔ یہ لڑائی بڑی ہی ہیبتناک تھی۔ مجاہدین انگریزوں کی فوج کی صفوں

میں گھس گئے اور دست بدست لڑائی کی اور یہ مورچہ فتح کر لیا۔ اس مقام پر بہت قتل
 مقابلہ ہوا۔ اس لئے اس جگہ کا نام ہی "قتل گڑھ" پڑ گیا۔ چند دن ٹھہر کر انگریزوں نے
 پھر لڑنے کا بندوبست کیا، اور ایک بہت مددگار نگرینا فسر کو کمان دے کر بھاری
 فوج کو میدان جنگ میں بھیج دیا۔ ادھر حضرت انخون صاحب نے بھی مجاہدین کی صفوں
 کو ترتیب دیا۔ لڑائی ہوتی مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ مجاہدین کے حق میں نہ نکلا۔ باجوڑ وغیرہ
 کے لوگ واپس ہونے لگے۔ مجاہدین میں بددلی پیدا ہوئی۔ مگر آپ ایک مقام پر ٹھہر
 ہو گئے اور جو لوگ لڑائی سے واپس جا رہے تھے ان کو روکنا، اور فرمایا کہ آج زندگی
 اور موت کا سوال ہے۔ اسلام کی عزت اور بے عزتی کا مسئلہ ہے۔ دشمن کا مقابلہ
 جو انہرمی، ہمت اور شجاعت کے ساتھ کرنا چاہیے۔ آپ کی تقریر ہمیشہ کے لئے
 تاثیر سے بھری ہوئی ہوتی تھی۔ اس واقعہ بھی آپ کی تقریر سے بہت اچھا اثر ہوا۔
 اور مجاہدین پھر کمر ہمت باندھ کر میدان جہاد میں کود پڑے۔ انگریزوں نے اپنی سازش
 اور پالیسی کے مطابق چند خواتین کو خرید کر مجاہدین پر حملہ کر دیا۔ مجاہدین نے نہایت
 ہی شجاعت و عزم اور استقلال کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا۔ مگر اپنیوں کی غداری کی وجہ سے
 کامیابی نہ ہوئی۔ مجاہدین منتشر ہو گئے اور آپ خود سید و نثریفالے گئے۔ امر بالمعروف
 اور نہی المنکر کی اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ قوم دریاست کے تمام جھگڑے خود فیصلہ
 کرتے یا علماء سے کرواتے۔ عرب و عجم میں آپ کے فریڈین لاکھوں کی تعداد میں ہیں
 کابل، علاقہ آزاد قبائل اور صوبہ سرحد کا تو تمام علاقہ آپ ہی کے سلسلہ میں منسلک ہے
 اور آج جو طور طریقہ اس علاقہ میں اسلام کا نظر آ رہا ہے یہ سب آپ ہی کی کوششوں
 اور مساعی جمیلہ کا مرہون منت ہے۔ تقریباً آپ کے ساڑھے چار سو کے قریب خلفاء

تھے جو صاحب علم و عمل اور صاحب تلوار بھی تھے۔ آپ کے وہ خلفاء جو آزاد قبائل میں رہتے تھے تمام عمر جہاد کرتے رہے۔

آپ کا لنگر عام تھا۔ ہر ایک کو باقاعدہ روٹی اور سالن ملتا۔ کوئی تفریق یا امتیاز تھا۔ طالبان علم کو آپ پکڑا اور نقدی بھی مرحمت فرماتے۔ مساوات کی بڑی قدر و منزلت کرتے۔ نادار اور یتیم لڑکیوں کی اپنی گروہ سے شادی کرواتے۔ غرضیکہ جو بھی آپ کے پاس حاجت مند آتا۔ ہمارا لوٹتا۔

آپ کے مکشوفات اور کرامات بے حد بے حساب ہیں۔ چونکہ آپ مقامِ شریف پر فائز تھے اس لئے آپ سے کرامات کا حدود و امر واقعی تھا۔ اگر آپ کی کرامات اور مکشوفات کو جمع کیا جائے تو اس کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ تبرکاً آپ کی ایک کرامت درج کرتا ہوں ورنہ آپ کی کرامات کا اس جگہ ذکر کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ جبکہ آپ کا وجود مبارک ایک زندہ کرامت تھا اور اس وقت بھی سالکانِ طریقت کے لئے مشعلِ راہ ہدایت ہے۔

جناب حضرت شیخ دین محمد صاحب المعروف شیخ صاحب شکر پورہ فرماتے تھے کہ مجھے میرے شیخ یعنی حضرت ہڈہ ملا صاحب نے فرمایا تھا کہ ایک بار آپ سے پوچھا گیا۔ کہ ”عوث“ کی کیا شناخت ہے۔ حضرت انھوں صاحب سوات نے فرمایا کہ اس کوٹھے کی چھت میں جو لکڑیاں بڑھی ہوئی ہیں اگر عوث کہو گے کہ یہ ایک لکڑی سونے

۱۔ پشاور سے ہشتنگر روڈ پر دس میل دُور دریائے شاد عالم پر یہ گاؤں ہے۔ شیخ صاحب مرحوم کا مزار وہاں پر

واقع ہے۔ آپ ہندو تھے۔ حضرت ہڈہ صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ بیعت ہو کر صاحبِ مبارک ہوئے۔

صاحبِ کرامت تھے۔

کی ہے اور ایک لکڑی چاندی کی تو ایسے ہی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ہڈہ ملا صاحب
 نے فرمایا کہ جب ہم نے چھت کی طرف دیکھا تو ایسے ہی تھا یعنی ایک لکڑی سونے
 کی تھی اور ایک چاندی کی۔ مگر فوراً آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ کہہ دے کہ یہ لکڑیاں ہی
 ہیں تو وہ لکڑیاں ہوتی ہیں۔ ہڈہ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ جب ہم نے دیکھا تو وہ
 لکڑیاں ہی تھیں۔ چنانچہ شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت ہڈہ ملا صاحب
 نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم سمجھ گئے کہ آنجناب مقام غوثیت پر فائز ہیں
 حضرت انخون صاحب سوات کے دو فرزند بنام عبدالحنان میاں گل اور عبدالخالق
 میاں گل تھے، موجودہ بادشاہ سوات عبدالخالق میاں گل صاحب کے فرزند ارجمند
 عالی مرتبت میاں گل عبدالودود صاحب ہیں۔ آپ نے خود بنفس نفیس اپنی حکومت
 ۱۲ دسمبر ۱۹۲۹ء میں اپنے بیٹے شہزادہ محمد عبدالحق جہاں زیب خان کو عطا کر دی، حکومت
 پاکستان نے والی سوات کو میجر جنرل کا اعزاز دیا۔

حضرت انخون صاحب مجاہد اسلام پیکر عزم و استقلال، مجسمہ سہنت نبوی،
 سرشار عشق لم نیلی سرگروہ سلسلہ قادریہ زاہد یہ غوث وقت، حضرت عبدالغفور صاحب
 محرم الحرام ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۸۷۷ء بروز پیر واصل بحق ہوئے، اول سید
 شریف میں دفن کئے گئے۔ آپ کے مزار پر ہزاروں زائر آکر حسب توفیق فیض حاصل
 کرتے ہیں۔

مولانا مولوی قاضی طلا محمد صاحب طلا پشاورمی

۱۲۱۴ھ تا ۱۲۹۷ھ

آپ کا اسم گرامی قاضی طلا محمد صاحب اور طلا تخلص فرماتے۔ والد کا اسم گرامی قاضی محمد حسن اور "خان عمار" لقب تھا۔

خاندان | آپ کا مورث اعلیٰ اخوند ترکمان بن تاج خان مغلیہ بادشاہ اورنگزیب عالم گیر کے عہد سلطنت میں جنوب مشرقی قندھار کے غورہ مرغوم مقام سے پشاور کے علاقہ یوسف زئی میں بمقام اما زئی آکر آباد ہوئے۔ چونکہ یہ ایک عالمانہ گھرانہ تھا۔ اس لئے اس علاقہ میں بھی اسی صفت کی وجہ سے اس خاندان کو عزت و تکریم کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔

محمد غوث | اخوند ترکمان صاحب علم و فضل تھے۔ لہذا آپ نے اپنے لڑکے محمد غوث کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ بھی فرو گذاشت نہیں کیا۔ اور اپنے لڑکے کو علم و عمل سے آراستہ و پیراستہ کر دیا۔ یہاں تک کہ حضرت محمد غوث صاحب اپنے وقت کے "علامہ" کہلائے۔

جناب محمد غوث صاحب صرف شریعت اسلامیہ کے ہی نہیں بلکہ طریقت محمدیہ

کے بھی امام تھے۔ آپ سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت شاہ محمد غوث صاحب پشاوری
مقام لاہوری کے صاحب مجاز خلیفہ تھے۔ آقا عبدالحی حبیبی لکھتے ہیں۔

”کہ فرزند و سے اخوند محمد غوث بعد از سنہ ۱۱۶۰ھ از طرف (لوئے بابا)
احمد شاہ ابدالی قاضی پشاور مقرر شد و خانوادہ قاضی خیلان پشاور از
نسل و سے پند“

یعنی اخوند ترکان کا بیٹا اخوند محمد غوث سنہ ۱۱۶۰ھ کے بعد (لوئے بابا) احمد شاہ ابدالی
کے حکم سے پشاور شہر کا قاضی مقرر کیا گیا۔ نیز موجودہ خاندان قاضی خیلان انہی کی نسل
سے ہے۔ صاحب تعلیقات نے لکھا۔ ”آپ علم معقول اور منقول میں حاجی
محمد سعید واعظ کے شاگرد تھے۔ آپ صاحب تصنیف بھی تھے چنانچہ میرزا گلان
پر حاشیہ لکھا اور بقول آقا حبیبی ایک کتاب ”شرح الشرح“ لکھی جو تین سو صفحات
پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب لوئے بابا احمد شاہ ابدالی نے تصوف کے اہرار و رموز پر نثر
میں لکھی تھی۔ پھر خود لوئے بابا کے کہنے پر آپ نے اس کی یہ شرح لکھی اور انہی کے نام
پر معنون کی۔

آپ صاحب کرامت مستجاب الدعوات اور نہایت ہی سخی گو اور نڈر تھے۔
مفتی غلام سمیر صاحب لاہوری فرماتے ہیں کہ جس وقت نادر شاہ یاوشاہ ہندوستان
پر حملہ آور ہونے کی نیت سے پشاور پہنچا تو نیک لوگوں سے طالب دعا ہوا اسے معلوم
ہوا کہ لاہور میں حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت بزرگ ہیں ان سے دعا

کر دانی بجائے۔ اُس نے لاہور حکم نامہ لکھا کہ حضرت شاہ محمد عوث صاحب پشاور آئیں
مگر آپ نے حکم نامے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صاف انکار کر دیا۔ اس نے ارادہ کر لیا
کہ جس وقت لاہور پہنچوں گا سب سے پہلے حضرت شاہ محمد عوث صاحب کو گرفتار
کر کے حکم عدولی کی سزا دوں گا۔ اس کے بعد وہی کا رخ کروں گا۔ جب دریائے اٹک
کے کنارے پر ناہر شاہ پہنچا تو طوفان اور سیلاب کی وجہ سے دریا عبور نہ کر سکا۔ آخر
سمجھ گیا کہ یہ کوئی ناگہانی آفت ہے۔

”آخر ناچار شد و برائے استمداد و دعای بخیریت محمد عوث کہ مرید شاہ محمد عوث
بود شخصے فرستاد۔“

یعنی مجبور ہو کر طلبِ بدو اور دُعا کے لئے (پشاور میں) حضرت محمد عوث کی خدمت پا کر
میں آدمی بھیجا اور یہ صاحب حضرت شاہ محمد عوث لاہوری کے مرید تھے۔ مگر آپ نے
کیا خوب جواب دیا۔ فرمایا :

”ایں ہمہ توقف از شامتِ ارادہ بد بادشاہ است کہ نسبت بپند
محمد عوث اندیشیدہ است۔ اگر شاہ ازاں ارادہ بد باز آید ممکن است
کہ از آبِ دریا عبور نماید۔“

یہ رکاوٹ بادشاہ کے اس بڑے ارادہ کی وجہ سے ہے کہ جو اس نے حضرت پند
شاہ محمد عوث صاحب کے متعلق اختیار کر رکھا ہے۔ اگر بادشاہ اس بڑے ارادہ سے
باز آجائے تو ممکن ہے کہ دریا کو عبور کر لے۔

مجھے میرے دادا صاحب جناب آقا بیدار احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ جس وقت بادشاہ پشاور سے روانہ ہوا تو اس وقت ہی قاضی صاحب نے فرمایا تھا کہ انشا اللہ جب تک یہ توبہ نہیں کرے گا، انگ سے ادھر نہیں ہو سکے گا۔ اور یہی آپ کی قبولیت دعا کا اثر تھا کہ بادشاہ نے جب تک توبہ نہ کی انگ کو عبور نہ کر سکا۔

قاضی محمد غوث صاحب کے دو بیٹے تھے۔
قاضی محمد حسن خان علمار | قاضی محمد اکبر شاہ اور قاضی واوال اللہ، دونوں عالم

فاضل تھے۔ قاضی محمد اکبر شاہ کے ایک فرزند قاضی محمد حسن تھے۔ یہ بڑے عالم و فاضل تھے۔ تعلیقات لوائے معارف میں آقائی جیسی لکھتا ہے۔

”مرد علم و سیاست ہو کہ بدر بار بادشاہ شجاع مرتبت بزرگے داشت
 و محل اعتماد تمام آن بادشاہ گشت، ولقب ”خان علمار“ یافت۔“

یعنی یہ شخصیت صاحب علم و سیاست تھی اور بادشاہ شجاع کے دربار بلند مرتبہ کا مالک تھا اور بادشاہ کا اس پر کلی اعتماد تھا۔ نیز ”خان علمار“ کے لقب سے ملقب ہوا۔

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ”خان علمار“ نے اپنا سارا وقت شاہ شجاع کے ساتھ لڑھیانہ، سندھ، پشاور اور قندھار میں گزارا۔ بحیثیت پٹنہ، پیش امام، سفیر اور مدارالمہام کے رہا۔

قاضی محمد حسن صاحب ”خان علمار“ کے تین
قاضی محمد طلا پشاوری | فرزند تھے۔ قاضی فضل قادر صاحب، قاضی غلام قادر

صاحب اور قاضی طلا محمد صاحب، قاضی غلام قادر اور فضل قادر عالم ہونے کے باوجود ایک بلند پایہ سیاسی ذہنیت رکھتے تھے۔ درانیوں کے زوال کے بعد انگریزوں سے ان ہر دو بھائیوں کے تعلقات بہت استوار تھے اور فرنگیوں کے معتز علیہ تھے۔ قاضی طلا محمد صاحب طلا "خان علما" کے تیسرے فرزند تھے انھوں نے اپنی ساری زندگی پشاور میں ہی بالکل سیاست سے الگ ٹھگا رہ کر بسر کی، حکمرانوں کی قربت سے پرہیز کیا۔

آپ صاحب اخلاق حمیدہ اور مالک فضائل شریف تھے۔ اپنے تمام ہم عصر علمائے کرام کے ساتھ آپ کے بہت ہی پسندیدہ تعلقات تھے۔ پشاور شہر کے علماء کی تاریخ ہائے وفات آپ نے لکھی، باوجود آزاد مساک ہونے کے مشائخ پشاور اور سوات کے ساتھ آپ کو عقیدت، محبت اور اخلاص تھا، اور مشائخ سوات کے سلسلہ ہائے طریقہ کو نظم کیا۔

آپ نے اپنی تمام عمر علم و ادب کی خدمت میں گزاری، علم حدیث فقہ، منطق اور ادب کی کتابوں کو جمعہ حواشی مفیدہ کے چھپوانے جو کہ اس وقت ایک نہایت ہی اہم دینی خدمت تھی۔ آپ کی تعریف و توصیف آقا عبدالحی حمیدی ابن الفاظ میں کرتا ہے کہ در علوم عربیہ و ادب عربی و فارسی و در حسن خط و انشاء و شعر ہر روز با کتبہ بود۔

یعنی علوم عربی، عربی فارسی ادب، بہترین خط و انشاء اور شعر میں (عربی فارسی) ہر روز زبانوں میں محبت تھے۔ "قاضی صاحب مسلکاً" آزاد خیال اہل حدیث تھے۔ سرداران کابل اور خصوصاً سردار غلام محمد خان صاحب طرزی افغان کے ساتھ آپ کی

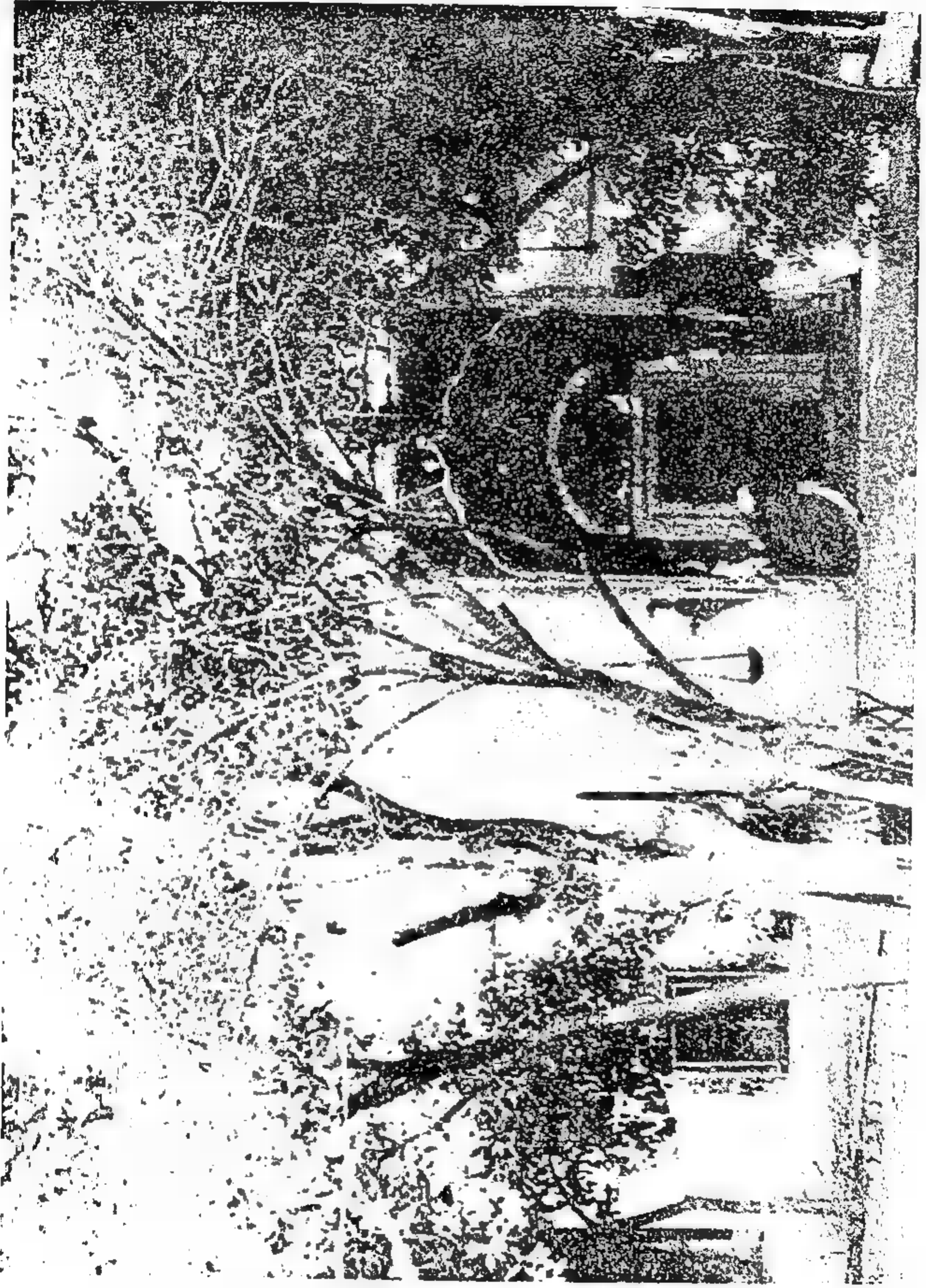
عالماء اور ادیبانہ خط و کتابت رہتی۔ بقول صاحب تعلیمات برنوائے محارک آپ
کی یادگار آٹھ کتابیں ہیں۔

- | | |
|-----------------------------------|-------------------------------------|
| (۱) دیوان فارسی | (۵) نفوس المساک |
| (۲) دیوان عربی | (۶) تسکین العقوق فی تحطیۃ الففول |
| (۳) جواہر المنظر | (۷) عنلواۃ الکتیب لمن لا یحضر الجیب |
| (۴) صلوۃ التقریر فی ترجمۃ التحریہ | (۸) قصیدہ بانیہ عربی در عمل بالحدیث |
- ایک کتابچہ چند قصائد اور منظوم شجرہ ہائے طریقت پر مشتمل ہے۔
غالباً آپ کی وفات ۱۲۹۷ھ یا ۱۲۹۸ھ میں واقع ہوئی۔

حضرت انعام میر جانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قلمند

۱۲۱۶ھ تا ۱۳۰۰ھ

آپ کا اسم شریف انعام میر جانی شاہ صاحب، لقب قلمند۔ والد کا نام سید نجم الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ آپ کے والد معروف بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ مستجاب الدعوات تھے۔ مرجع خلاق تھے۔ آپ کا مزار سنٹرل جیل پشاور کی چار دیواری کے اندر گیا ہے۔ یہ جگہ پہلے میدان تھی۔ جہاں اب سنٹرل جیل واقع ہے۔ آپ بخاری خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ انعام میر جانی شاہ صاحب کے ایک چچا تھے جن کا مزار ضلع بہلم (پنجاب) موضع کاشی ملال میں ہے ان کا اسم سید شاہ صاحب تھا۔ آپ کے دوسرے چچا سید محمد شاہ صاحب تھے جن کا مزار پشاور چچا وانی میں مال روڈ پر وزیر اعلیٰ کے بنگلہ کے پیچھے واقع ہے۔ آپ مجذوب الحال تھے۔ ایک سیاہ کبیل اوڑھے رہتے تھے۔ پشاور شہر کے لوگ آپ کو بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور آپ کا بڑا ادب و احترام کرتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت بھی پشاور شہر کے بہت بڑے عالم اور علامہ عصر میاں صاحب آسیا یعنی میاں غلام جیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ادھر سے گزرتے تو آپ کے مکان سے دور گھوڑے سے اتر جاتے اور فرماتے کہ آگے قلمند بادشاہ کا



مزار حضرت آقا سید سرمدی حافی نشانی مصباح ملت در بخاری علیہ الرحمۃ

گھر ہے، ادب کرو اور آپ فرماتے کہ چیرس وغیرہ کی حلیم وغیرہ بٹھا دو کہ علم کا بادشاہ
آ رہا ہے۔ اور آپ ان کو ملنے اپنے حجرہ سے باہر نکل آتے۔

آپ کا سلسلہ طریقت حضرت بری امام عبداللطیف قلندر نور پور شاہان ^{راہ اللہ علیہ}
سے ملتا ہے۔ اسی لئے شریعت کی پابندی آپ بہت کم کرتے بطور تقویٰ کا گانا خوب
سننے، اور بری امام عبداللطیف کی ڈالی کے تمام مراسم آپ ادا کرتے اور اب تک
آپ کی صاحبزادی کی اولاد وہ سب مراسم ادا کرتی ہے۔

آپ والد کی طرح صاحب اللفظ اور مستجاب الدعوات تھے، جو فرماتے ہی
طرح ہو جاتا۔ آپ کی کرامات اور عرقی عادات عام طور پر زبان زد خلائق ہیں۔ آپ
کا ایک مرید تھا جس کا نام سائیں کالا تھا۔ پشاور کے قریب ایک گاؤں ہے۔
ڈھیری باغباناں اس کا رہنے والا تھا۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ کھیل ڈرھے
جذب و شوق کے عالم میں اس کی طرف چلے جاتے تھے۔ ایک دن جب آپ
اس کے ہاں تشریف لے گئے تو بہت ہی خفا بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ سائیں کالا
آج خفا کیوں ہوا اور ایک دو سنا بھی دیں۔ اُس نے ادب سے عرض کیا کہ حضور میری
زمین کے ساتھ ہی ایک زمین ہے اور مالک اس کو فروخت کر رہا ہے۔ میرا ایک
خاندانی دشمن ہے وہ یہ زمین خریدنا چاہتا ہے۔ اگر اُس نے یہ زمین خرید لی تو میری
زندگی تلخ ہوگی۔ ہر وقت کا فساد اور پھر قتل مقاتلہ تک نوبت پہنچے گی۔ میں نے بہت
کوشش کی مگر رقم مہیا نہ ہو سکی کہ میں خود لے لیتا۔ بس یہی پریشانی اور خفا کان ہے۔
آپ جو ش میں آگئے اور حسب عادت تشریف اس کو کہا کہ او فلا نے جا اور اس کٹھے
سے میرے لئے پانی لا۔ وہ شخص گیا اور جب اُس شخص نے پانی سے پیالا بھرا تو اُس نے

دیکھا کہ کھٹے میں پونڈ بہہ رہے ہیں۔ وہ مارے خوشی کے پھول گیا۔ اور پونڈ بٹورنے لگا۔
 آپ نے آواز دی اور فلا نے جتنی ضرورت ہے لے لے۔ لیا وہ نہ اٹھانا۔ اس نے
 حسب ضرورت پونڈ لے لئے اور زمین خرید لی۔

اسی طرح کی سینکڑوں کرامات آپ سے سرزد ہوئیں۔ جن کی وجہ سے ہر وقت
 مخلوق کا جھگھٹ آپ کے گرد بہتا۔ مگر آپ کسی کی پرواہ نہ کرتے اور اپنے جذبہ
 شوق میں مست رہتے۔

آپ کی وفات پر تمام پشاور نے غم کیا۔ اور آپ کا مزار یکہ قوت دروازہ کے
 باہر بنا یا گیا آج تک سینکڑوں لوگ حاضر ہوتے ہیں۔

آپ کی وفات ۱۹۰۰ء میں ہوئی۔

اس وقت آپ کی اولاد سے آغا سید گوہر علی شاہ صاحب سجاوہ نشین ہیں۔
 بہت ہی مفسر متواضع منکسر المزاج اور صاحب وقار ہیں۔ سلسلہ کی اشاعت
 کرتے ہیں۔

شیخ العلماء حضرت میاں نصیر احمد صاحب قصبہ خوانی

۱۲۲۸ھ تا ۱۳۰۸ھ

آپ کا ایم گرامی میاں نصیر احمد لقب شیخ العلماء استاذ الاساتذہ، عالم قرآن و سنت، المشہور میاں صاحب قصبہ خوانی ہے اور قطب شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

آپ کے والد گرامی کا نام میاں غلام محمد صاحب اور عذوقی تخلص تھا جناب میاں غلام محمد صاحب عالم و فاضل ہونے کے علاوہ بہترین شاعر بھی تھے شہرہ گوئی میں نہایت ہی موزوں طبع رکھتے تھے۔ آپ کے علم پر آپ کی شاعری غالب ہو گئی تھی۔ اسی لئے آپ کی شہرت بحیثیت شاعر کے زیادہ ہے۔

آپ کے فرزند ارجمند الحاج میاں نصیر احمد صاحب نے صوبہ بہار کے علماء سے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ اپنے وقت کے علامہ اجل فاضل اکمل مفسر قرآن، شارح حدیث حضرت مولانا مولوی محمد احسن صاحب پشاوری سے سند فراغت حاصل کر کے

حضرت مفتی محمد احسن صاحب پشاور میں علاقہ گنج کے کوٹہ رشید خان کے محلہ میں رہتے تھے۔ آپ کی تصحیح کے ساتھ بہت کتابیں چھپ چکی ہیں۔ صوبہ بہار کے اکثر و بیشتر علماء آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ بلکہ بلخ بخارا اور غزنی تک آپ کے شاگرد ہیں۔ ۸ شعبان المعظم ۱۲۸۳ھ بروز ہفتہ انتقال ہوا۔

مستمر تدریس پر جلوہ افروز ہوئے۔

آپ کے تبحر علمی کا شہرہ سن کر دُور دراز سے طلباء آنے لگے۔ اور آپ کے وجود نے ایک مرکز علم کی حیثیت حاصل کر لی۔ آپ کے درس میں کابل، بلخ اور بخارا تک کے طالبان علم موجود تھے۔ فارغ التحصیل علماء آپ سے اکتساب علوم کرتے۔ پشاور شہر میں آپ نے ایک جامع مسجد تعمیر کروائی، یہ مسجد تبلیغ و تدریس کا مرکز تھی۔ اس مسجد کا نام ہی آپ کے نام سے موسوم ہے۔ یعنی ”مسجد میاں صاحب قصبہ خانی“ الحمد للہ کہ اسی طرح یہ مسجد عقائدِ حقہ اہل سنت و جماعت کی تبلیغ کا مرکز ہے اور حضرت صاحب کے وقت سے لے کر اب تک اس مسجد سے احیاء دین ہو رہا ہے اور اسی طرح قرآن و حدیث کا درس جاری ہے۔

آپ نے بہت کتابوں پر تبصرے لکھے۔ کافی کتابوں کی تصحیح کی۔ حواشی لکھے، اور عقائدِ باطلہ پر کتابیں لکھیں۔ منہج البانی شرح صحیح البخاری پارہ اول مصنفہ، حافظ دراز صاحب پشاور سی رحمتہ اللہ علیہ کی تصحیح کر کے چھپوائی۔ ”اسرار الطریقت“ مصنفہ قطب العالم سید شاہ محمد ثوث پشاور سی ثم لاہوسی کی تصحیح کی اور شائع کی۔ ”اسرار الحسنی“ کی شرح فارسی میں لکھی۔ علم نحو کی مشہور کتاب ”کافیہ“ کی مکمل ترکیب لکھی۔ ”شاطبی“ پر حواشی لکھے، اور غیر متقلدین کے رویوں میں عربی میں ایک مستقل کتاب مسمیٰ ”استحقاق الحق“ لکھی جس میں تفصیل کے ساتھ اس فرقہ کا رد فرمایا ہے۔

آپ کے کتب خانہ میں تقریباً چھ ہزار کتابیں تھیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ حضرت میاں صاحب کے ویسے تو ہزاروں شاگرد تھے۔ مگر اس جگہ چند گرامی قدح حضرت کے اسرار لکھنا ہوں۔ جو اپنے اپنے فنون کے امام تھے۔ انہوں نے کہ آج ہم صرف

ان کے ناموں سے واقف ہیں۔ مگر ان کی تاریخ سے قطعاً بے بہرہ ہیں جناب ملا منصور صاحب معقولی، جناب حافظ سر بلند صاحب، جناب قاضی صاحب بدھنی رحمن کی فقہانیت کا سکہ صوبہ سرحد میں بیٹھا ہوا ہے اور آپ کا فتویٰ جاری ہے، جناب حافظ صاحب بدھانی، جناب مفتی عظیم اللہ صاحب۔ جناب قاضی سراج الدین صاحب جناب مفتی صاحبزادہ شکر دین صاحب معقولی۔ اُستاذِ کل حضرت پیر علی شاہ صاحب وٹھکی نعلبندی۔ حضرت شیخ المشائخ الحاج آقا سید سکندر شاہ صاحب قادری چشتی، جناب خان بہادر کریم بخش صاحب سیٹھی، وغیرہ وغیرہ ان میں سے ہر صاحب علوم متداولہ میں مکمل گذرے ہیں۔ صوبہ سرحد میں دین اسلام کے روشن اور جگمگاتے ستارے تھے۔ کوئی قرآن، حدیث اور فقہ میں خصوصیت رکھتا تھا تو کوئی عرفان الہی اور سلوک و تصوف کا حامل تھا۔ تو کوئی علوم عقلیہ و نقلیہ میں یکتائے وقت تھا۔ اور آج تک ان کے فیض یافتہ اور شاگرد بہتتہ و استقلال کے ساتھ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سہرا انجام دے رہے ہیں۔ آپ میں تحقیقِ حق کا جذبہ صادقہ اپنی نرالی شان رکھتا تھا۔ معاصر علماء کے اختلاف کو آمنے سامنے بیٹھ کر تحقیق فرماتے۔

ایک بار علماء سوات نے بسر کر دگی شیخ الاسلام و المسلمین حضرت اخوند صاحب سوات رحمۃ اللہ علیہ فتویٰ دیا کہ بغیر محراب کے جماعت نہیں ہوتی، یہ مسئلہ پیشاور پہنچا آپ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ یہاں سے شیخ المشائخ حضرت آقا پیر جان صاحب قادری حضرت آقا سید سکندر شاہ صاحب قادری چشتی۔ مولانا مولوی سراج الدین لاہوری کو ساتھ لے کر تحقیقِ حق کے لئے سوات تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الاسلام و المسلمین بابا جی صاحب سوات کے ہاں قیام کیا اور مسلسل تین دن تک ان علماء سے گفتگو ہوئی۔

تحقیق حق کی گئی اور پہلے فتویٰ پر نظر ثانی کرنے کے بعد دوبارہ شریعتِ محمدیہ کے مطابق
 فتویٰ دیا گیا۔ جناب حضرت اخوند صاحب سوات نے ان صاحبان کی بڑی قدر و
 منزلت کرتے ہوئے رخصت کیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے ستر اسی
 سال پیشتر ہمارے علاقہ میں شریعتِ اسلامیہ کے مسائل کی تحقیق و تفتیش کا کتنا زبردست
 دینی بندہ موجود تھا۔ اور اگر کسی دینی مسئلہ میں نزاع پیدا ہو جاتا تو علماء اور مشائخ یکجہتی
 کے ساتھ مسئلہ کو حل فرماتے تاکہ اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم تشتت و افتراق کا نشانہ
 نہ بنے۔

الحاج میاں صاحب، سلسلہ قادریہ کے خانوادہ نوشاہیہ میں اپنی خاندانی نسبت
 رکھتے تھے، نیز طریقہ عالیہ قادریہ زاہدیہ میں حضرت شیخ الاسلام والمسلمین انجمن صاحب
 سوات رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔

آپ کا فتویٰ صرف پشاور ہی میں نہیں بلکہ تمام علاقہ میں نافذ و رائج تھا۔ باہر
 علاقہ کے علماء کرام جب تک کسی فیصلہ پر آپ کی ہر تصدیق نہ دیکھتے و دستخط ثبت
 نہ کرتے بلکہ آپ کے پاس بھیج دیتے۔

علاوہ ازیں کہ آپ عالم و فاضل بھی تھے، بہترین شاعر بھی تھے۔ بہت سے پند و
 نصائح نظم فرماتے۔ بزرگانِ کرام کی تعریف و توصیف میں خمسین، غزلیں اور نظمیں اردو
 فارسی میں لکھیں۔ ایک دفعہ الحاج قبیلہ محترم عزت مآب آغا سید سکندر شاہ صاحب
 قادری چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو کہا کہ ہمارا شجرہ طریقت نظم فرماویں۔ آپ نے
 بزرگانِ کرام کے اسماء طلب کئے اور اسی وقت نظم فرمادیتے۔ ہر ایک شعر ایک ڈر
 بے بہا ہے۔ تمام شجرہ طیبہ گویا ایک موتیوں میں پرویا ہوا ایک خوب صورت ہار ہے۔

غرضیکہ آپ کی ذات ستورہ صفات ایک مکمل و اکمل عالم اجل، فاضل اکمل، عارف کامل
 و ریاضی شاعر تھی۔ آپ کی وفات پندرہ ستمبر ۱۸۰۸ء رجب المرجب ۱۲۰۸ھ بروز جمعہ کو وقت
 صبح ہوئی۔ آپ کی وفات پر تمام شہر بند کر دیا گیا۔ پشاور شہر اور صوبہ بہتر عد کے ہزاروں
 لوگوں نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی۔ آپ کی وفات پر کافی سے زیادہ تاریخ ہائے وفات
 لکھی گئیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

صباح لتامات مولانا نصیر احمد الذی درسا و فتوحا مثلیہ لا یعلم
 قال قوم صف لنا تاریخ تملک الواقعہ قلت موت العالم والله موت العالم

۱۳۰۸ھ

۱۳۰۸ھ

فارسی کی تاریخ ہے : نصیر احمد شب شنبہ بروز

۱۳۰۸ھ

حیف آن آفتاب علم نہفت

ایضاً : شمس العلوم از ماہر فت ایضاً : پھر تاریخ جہاں

۱۳۰۸ھ

۱۳۰۸ھ

آپ کے تین فرزند تھے۔ (۱) مولوی میاں محمد صاحب آپ والد محترم ہی سے
 فارغ التحصیل ہوئے اور آپ کے زیر سایہ قضا و افتا کا کام کرتے تھے۔ نہایت کریم النفس تھے۔
 خوش وضع اور خوش لباس جوان تھے۔ غالباً پچاس برس کی عمر میں بیمار شدہ منونہ وفات پائی۔
 ۲۔ الحاج حافظ علامہ مولانا مولوی گل فقیر احمد صاحب تطلہ العالمیہ (اچھے حالات الگ تحریر ہیں)
 ۳۔ حافظ میاں گل نظیر احمد صاحب، مرحوم آپ نے عمر کا بیشتر وقت کلام اللہ شریف میں بسر کیا۔
 اور سینکڑوں افراد نے آپ سے قرآن مجید حفظ کیا۔ اور ناظرہ پڑھا۔ تقریباً ۶۶ برس
 کی عمر میں وفات پائی۔

محدث علم صوبہ سرحد حضرت مولانا مولوی محمد الیوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۵۰ھ تا ۱۳۳۵ھ

آپ کا اسم محترم محمد الیوب لقب محدث تھا۔ آپ موضع زخی چارباغ میں مولانا مولوی لطیف اللہ صاحب کے گھر میں پیدا ہوئے۔ آپ قبیلہ بے سوو سے تعلق رکھتے تھے چونکہ آپ کا گھر علم و حکمت کا مسکن تھا اس لئے خاندانی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے آپ کے والد نے آپ کی تعلیم و تربیت پر پوری پوری توجہ دی۔

مولانا محمد الیوب صاحب ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد صوبہ سرحد کے مشاہیر علماء کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور علوم معقول و منقول سے فراغت حاصل کی۔

جناب حضرت شیخ اکمل علامہ صاحبزادہ صاحب اتقان زنی (چار سدا) اور حضرت اُستادِ کل مولانا مولوی سعید احمد صاحب المشہور کافر ڈھیری مولینا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر علوم متداولہ کو مکمل کیا۔ حضرت علامہ محدث جلیل مولینا صاحب ڈاکی یار حسین

نے آپ علم منقول و معقول میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ نے میرزا ہدایت اللہ صاحب امیر زاہد امور عامر پر بہتوں

سوانحی لکھے ہیں جو طلباء کے لئے ان کتابوں میں مشعلِ راہ ہیں۔

کی خدمت میں رہ کر حدیث شریف کی تکمیل کی اور سند اجازت ملی۔

جب آپ نے ان اکابر و اعظم علماء سے علوم اسلامیہ میں کمال حاصل کر لیا۔

تو عربین الشریفین تشریف لے گئے اور وہاں کے محدثین کرام سے دوبارہ حدیث شریف

پڑھ کر سند حدیث حاصل کی۔ آپ کی سند حدیث "سند علی" کہلاتی ہے جو کہ مسندی

ہے "ثبت امیری" سے اس سند مبارکہ کی دو نقلیں ہوئی جو کہ بطور سند ایک اس

فقیر کے استاذ محترم، محدث اعظم، فقیہ بے نظیر، خطیب اسلام، صوفی با کمال حضرت

علامہ حافظ گل فقیر احمد صاحب مدظلہ العالیہ، اور دوسری سند۔

حضرت عموی محترم، عالم و فاضل، فخر علماء، پیدالساوات حضرت آقا سید

مقبول شاہ صاحب ساکن چاہ کالا پشاور نور اللہ مرقدہ کو مرحمت فرمائیں۔

آپ چار بار زیارت بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے اور آخری بار دو

برس تک کاشانہ اقدس حضور شفیع المذہبین صاحب لوا رحمہ اللہ شفاعت کبریٰ

احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب درس حدیث مبارکہ پڑھایا۔

عربین شریفین سے واپس تشریف لا کر پشاور شہر میں مستقل سکونت اختیار کی،

پشاور کے مشہور تاجریہ سٹیٹس کریم بخش مرحوم نے آپ کو مدرسہ جٹان میں (جو کہ تعلیم القرآن

کے نام سے موسوم تھا) صدر مدرس بنایا۔

۱۲۹۰ھ سے لے کر ۱۳۳۵ھ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف

کی اس علاقہ میں اشاعت و ترویج آپ ہی کی ذات کی کوششوں کی رہیں منت

ہے صوبہ سرحد، وزیرستان، قندھار، بخارا، غزنی، ہرات، سوات، باجوڑ اور

تمام علاقوں سے سینکڑوں طلباء آپ کے درس میں حاضر ہوتے اور فارغ التحصیل ہو کر

لوگوں کی ہدایت کا سبب بنے۔ آپ ہی کی ذات گرامی مٹھی جس کی سعی سے ان علاقوں میں حدیث مبارک کی ایمان افروز مشعلیں روشن ہوئیں۔ علم و حکمت کے دریا بہے ، اور شائقین علوم اسلامیہ آپ کے چشمہ علم سے سیراب ہوئے۔

آپ کے شاگردوں میں جلیل القدر علماء، محدث، مفسر، فقیہ اور مفتی پیدا ہوئے جن کے اسماء گرامی سے صوبہ سرحد کا بچہ بچہ واقف ہے۔ شیخ الاسلام مفتی اعظم سرحد فقیہ عصر، حضرت مولانا مولوی سید حبیب شاہ صاحب مرحوم خطیب جامع مسجد مہابت خان، استاذ محترم، محدث اعظم، عالم علوم باطنی حضرت مولانا مولوی حافظ گل فقیر چشتی خطیب جامع مسجد قندہ خوانی بدظلمہ العالیہ، استاذ محترم محدث جلیل فقیہ بے نظیر صدر المدرسین واعظ بے بدل حضرت مولانا مولوی صاحبزادہ حافظ علی احمد جان صاحب نقشبندی خطیب جامع مسجد کچھری ہا مرحوم، حضرت علامہ فاضل اکمل، عالم باعمل، عارف باللہ سید السادات آقا سید مقبول شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ، حضرت علامہ استاذ الاساتذہ، عالم قرآن و سنت، مولانا مولوی عبدالجلیل صاحب شیخ الحدیث ساکن اتان زئی حال مدرس صحاح ستہ و ارا العلوم چارسدہ، حضرت مولانا مولوی علی اللہ صاحب المعروف صریح مولینا صاحب، حضرت مولینا مولوی سیف الرحمان صاحب المعروف یہ میاں صاحب نصیر زئی دوآبہ، حضرت مولینا مولوی حافظ عبداللہ صاحب ساکن لنڈی اور صوبہ سرحد کے مشہور و معروف عالم و فاضل اور شاعر بے نظیر حضرت مولینا مولوی محمد غفران صاحب المشہور ”شہباز گڑھی مولینا صاحب“ وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ آپ کے تمام شاگردوں نے اپنی زندگی قرآن و حدیث اور علوم متداولہ کی تعلیم و اشاعت اور دین محمدی کی خدمت کیلئے وقف رکھی، اور جو فقید حیات ہیں اس

وقت بھی دین اسلام کی خدمت میں مکر لیتے ہیں۔

سلسلہ درکس تدریس کے ساتھ ساتھ جناب مولانا محمد ایوب صاحب محدث نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا چنانچہ آپ نے وہی کتب پر حواشی لکھے۔ شرح تجرید الفکر اور شرح تہذیب لکھے ہوئے حواشی طلباء کے لئے بہت سی نفع بخش ہیں رسالہ ”ہدیۃ المسلمین لزیارة سید المرسلین“ - ”مواہب المنان فی مناقب ابی حنیفہ النعمان“ - ”در الحکمتا فی ظہر الجمعا“ - ”ہدیۃ النعیما فی الخلة والعزلة“ - ”عیون الادلة لروایة الاہلۃ“ - ”حلیۃ الاولیاء و جلوة الاصفیاء“ - ”تحفۃ الفحول فی الاستغاثۃ بالرسول“ اسی طرح مختلف مسائل پر آپ کے کئی رسالے لکھے ہوئے ہیں اور آپ کی تمام تحریریں عربی میں ہیں۔ روز چہار شنبہ (بدھ) عشاء کی نماز کے اندر سجدہ کے عالم میں بیانیچ، بیسبع الثانی ۱۳۳۵ھ میں آپ کی روح مبارکہ قفسِ منبری سے عالم جاودانی کی طرف پرواز کر گئی۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۵ برس تھی۔ اس آفتابِ علم کو اپنے آبائی قبرستان موضع زخی چار بارغ میں دفن کیا گیا۔

آپ کے تین فرزند تھے۔ ایک نوالا ولد ہی فوت ہوئے۔ دوسرے جناب محمد نعمان صاحب۔ تیسرے مولوی حکیم عبداللہ خان صاحب ہر دو عالم تھے۔ حکیم عبداللہ خان صاحب تو قومی اور سیاسی کارکن بھی تھے۔ اتنان زنی میں حکمت کی دوکان کرتے تھے۔ آپ کے صاحبزادہ مولوی حکیم عبدالباری صاحب والد کی جگہ حکمت کی دوکان کرتے ہیں اور ملکہ کس بھی ہیں۔

۱۔ اس رسالہ کا ترجمہ اردو میں اس فقیر نے کیا ہے۔

مولانا قاری حافظ میاں محمد صاحب (بھانہ ماٹی)

۱۲۵۵ھ تا ۱۳۲۵ھ

آپ کا اسم گرامی حافظ میاں محمد والد کا نام مولانا قاری حافظ غلام محی الدین صاحب تھا۔ آپ عربی الاصل ہیں۔ قاری غلام محی الدین صاحب مکہ مکرمہ سے ہندوستان ہوتے ہوئے پشاور پہنچے اور بمقام بھانہ ماٹی قیام کیا۔

قرآن مجید پڑھانے اور حفظ کروانے تھے۔ آپ کے والد کی وفات کے بعد آپ کے چچا جناب ملا محمد عظیم صاحب مرحوم نے آپ کی پرورش و تربیت کی، قرآن مجید پڑھانے کے بعد دینیات کی تعلیم شروع کی، اپنے چچا سے ابتدائی کتابیں پڑھ لیں مسجد نوحہ الاسلام محلہ اشہر واو (رامداس) میں نظم کی کتابیں میاں غلام صاحب پڑھاتے تھے ان کے پاس تشریف لے گئے اور نظم کی کتابوں کی تکمیل کر لی۔ باقی فنون کی کتابیں اپنے وقت کے علامہ عصر حضرت سید اکبر شاہ صاحب مرحوم ساکن بھانہ ماٹی سے پڑھ کر علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر لی۔

آپ نے اپنے اساتذہ کی بہت خدمت کی، یہاں تک کہ پشاور سے کوہاٹ تک اپنے استاذ حضرت سید اکبر شاہ صاحب مرحوم کے ہمراہ پیدل جاتے اور استاذ

گھوڑے پر سوار ہوتے، تمام راستے میں اپنے اسباق پڑھتے اور پھر اسی طرح کوہاٹ سے واپس آتے۔

انتہائی متناسر، متواضع اور مہمان نواز تھے۔ ساوات کرام کا بہت ہی اوبہ احترام کرتے، خود بھوکے رہ جاتے اور غریب سائل کو سب کچھ دے کر رخصت کر دیتے۔

بازار اللہ واو (راہداس) میں بڑائی کی دکان کرتے تھے۔ ایک طرف کپڑے فروخت کر رہے ہیں اور ساتھ ہی درس جاری ہے۔ نظم کی کتابیں بہت ہی اعلیٰ طور پر پڑھاتے اور دوسرے طلباء آپ کے پاس آتے۔ آپ ان کو پڑھانے کے علاوہ کپڑا اور کھانا بھی مہیا کرتے۔ نظم پڑھانے میں آپ بہت مشہور تھے۔

قرآن مجید کا درس چالیس برس تک دیا۔ ناظرہ پڑھاتے اور قرأت کے ساتھ حفظ کرواتے۔ بیسیوں شاگرد تھے، اور ایسے شاگرد تھے جو کہ تلمیذ بھی کرتے تھے۔ آپ قرآن مجید لکھا بھی کرتے تھے۔ نہایت ہی خوش نویس تھے۔ آپ کی وفات شب جمعہ ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ کو ہوئی۔

حافظ میاں محمد صاحب مرحوم کے دو فرزند تھے۔ حافظ مولانا فضل محمود صاحب اور مولانا مولوی فضل الرحمن صاحب مبلغ اسلام حافظ فضل محمود صاحب نے اپنے والد سے ابتدائی قرآن مجید کے چند پارے حفظ کیے، اور باقی قرآن مجید حافظ لال صاحب اور حافظ میر احمد صاحب نابینا سے یاد کیا۔ علم قرأت والد صاحب سے پڑھی اور نظامی

یہ حافظ صاحب فتح جنگ (پنجاب) کے رہنے والے تھے اور بھانہ ماڑی میں مقیم تھے۔ صاحب درس تھے۔

بچہ حافظ تھے۔

حضرت علامہ سید اکبر شاہ صاحب مرحوم ساکن بھانہ ماٹھی سے نکل پڑھا۔ اپنی آبائی مسجد (جو کہ بھانہ ماٹھی میں ہے) میں امامت کرتے۔ جمعہ کی نماز جناب حضرت علامہ سید حبیب شاہ صاحب مرحوم کی غیر موجودگی میں جامع مسجد نمک منڈی اور مسجد مہابت خان پشاور میں پڑھاتے۔ لوگ آپ کے اخلاق حمیدہ سے بہت خوش تھے نہایت ہی سچی گو اور نڈر و اعظمت تھے۔ تحریک مسلم لیگ میں حصہ لیا اور پاکستان بنانے کی تحریک میں پیش پیش تھے۔ سادات کرام کا بہت ہی ادب و احترام کرتے تھے حضرت قبلہ عالم پیر مر علی شاہ صاحب گورنوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ حقہ اہل سنت و جماعت کو علی الاعلان بیان فرماتے تھے۔ تمام عمر قرآن مجید کے درس دے رہے تھے۔ آپ کے بیسیوں شاگرد ہیں۔ ستر برس کی عمر میں حکیم جادوی الثانی نے ۱۳۸۰ھ یعنی ۱۹۶۰ء میں انتقال کیا۔ آپ کے ایک فرزند حافظ قاری فضل احمد ہیں جو متداولہ کتابیں پڑھ چکے ہیں۔ مگر زندگی سیاسیات میں گزار رہے ہیں مسلم لیگ میں مشغول کاروبار میں سالار ہیں۔ گھڑی سازی کا کام کر کے گذریاوقات کرتے ہیں۔ دوسرے صاحبزادہ مولانا مولوی غلام احمد صاحب ہیں۔ آپ نے دارالعلوم کراچی سے سند حاصل کی ہے اور کراچی ہی میں مدرس اور خطیب ہیں۔

جناب حافظ میاں محمد صاحب مرحوم کے دوسرے فرزند مولانا مولوی فضل الرحمن صاحب مبلغ اسلام ہیں۔ مولانا فضل الرحمن صاحب نے اپنے بڑے بھائی مولوی حافظ فضل محمود صاحب سے قرآن مجید پڑھا، اور درس نظامی کی تکمیل مختلف اساتذہ سے کی۔ خصوصاً مولانا مولوی غلام محمد صاحب ساکن گاڑیخانہ خطیب مسجد چھاؤنی پشاور سے تکمیل علم کیا۔

اعلیٰ حضرت پیر تہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پاب
 صحت کی، اور سلسلہ قادریہ چشتیہ میں منسلک ہو گئے۔ سیاسی زندگی میں اپنے تمام
 قات مسلم لیگ میں گزارے۔ ۱۹۴۷ء و ۱۹۴۸ء میں صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی
 سرکیم سول نافرمانی میں انتہائی سرگرمی سے حصہ لیا، اور جیل میں بھی گئے۔ اب تک
 مسلم لیگ ہیں۔ وہ جمعیتہ العلماء جس کی سرپرستی مولانا شبیر احمد عثمانی کر رہے تھے اس
 کی صوبہ سرحد شاخ کے ناظم اعلیٰ تھے۔ کانگریسی علماء کی جمعیتہ العلماء کے مقابلہ میں علماء
 کی تنظیم کی۔

۱۳۸۲ھ میں حج شریف کے ارادہ سے عمرین الشریفین کی زیارت سے اللہ تعالیٰ

نے نوازا۔

مسجد قوۃ الاسلام (اسیاء) میں خطیب اور محلہ بڑھ کی مسجد میں امام ہیں۔ آپ
 مبلغ اسلام ہیں۔ پشاور میں جو بھی مجلس و عطا ہو اس میں آپ کو دعوت دی جاتی ہے اور
 وہ وہیں تین گھنٹے موافق حسنہ سے لوگوں کو مستفید کرتے ہیں و خطبہ میں سنّتِ مجتہدت
 کے عقائدِ حقہ کو بہت ہی احسن و دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور فرق باطلہ کا ٹھوس
 ”دہا بیوں“ کا رد کرتے ہیں۔ متصوفین کی روش کو اپناتے ہوئے ہیں۔ نہایت سادہ و متواضع
 منکر المزاج، عہان نواز اور صاحبِ اخلاقِ حمیدہ و اوصافِ کریمہ کے مالک ہیں۔ تمام
 دینِ قرآن مجید ناظرہ کا درس دیتے ہیں۔ انتہائی دوست نواز ہیں ساوات کا اور سب احترام
 مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۷ برس کے قریب ہے۔ آپ کے
 ایک صاحبزادہ حافظ سیف الرحمن صاحب حافظ قرآن ہیں کراچی میں پولیس اسٹیشن کی مستند
 امام اور خطیب ہیں قرآن مجید کا ناظرہ درس کرتے ہیں۔ اخلاقِ حمیدہ کے مالک ہیں۔

سید ملک شاہ صاحب قادری نوشاہی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۶۲ھ تا ۱۳۲۲ھ

آپ کا اسم گرامی سید ملک شاہ صاحب، والد کا نام سید غلام جیلانی شاہ صاحب ہے اور سلسلہ قادریہ نوشاہیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ گیلانی سید تھے۔

آپ کے پروردگار سید محمد شاہ صاحب جو کہ سید سلطان محمد شاہ صاحب کے والد تھے، پشاور تشریف لائے، اور انہوں نے یہاں پر سلسلہ عالیہ قادریہ نوشاہیہ کی ترویج و اشاعت کی۔ آپ پنجاب کے ضلع گجرات میں گجرات سے پانچ میل کے فاصلہ پر موضع کھوکھر کے رہنے والے تھے۔

سید ملک شاہ صاحب ۱۲۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے زیر سایہ و پیر تعلیم سے بہرہ ور ہو کر والد ہی کے دست گرفتہ ہوئے اور سلوک و معرفت کے مقامات طے کئے۔ والد کے انتقال کے بعد صاحب سجاوہ ہوئے۔ آپ نے اپنی تمام عمر پشاور میں ہی گزاری۔ آپ کا ایک مرثیہ بیان کرتا ہے: "آپ نے کبھی بھی کسی سیاسی تحریک

۱۔ اس کا نام حاجی محمد ولد نظام دین تلمی گری ہے۔ اس نے اپنی ساری زندگی آپ کے گھر میں بچیت ایک کے گزاری ہے۔ اس وقت اس کی عمر ۶۵ برس ہے۔

میں حصہ نہیں لیا۔ ہر وقت علماء اور فقہار کی صحبت میں رہتے۔ اور اوہ وظائف میں مشغول رہتے، اور دنیاوی بھٹیوں میں نہ چھنتے بلکہ ہمیں بھی نصیحت فرماتے رہتے کہ ان حضرات سے الگ رہ کر یاد الہی میں مصروف رہو۔ اکثر پشاور کے علماء میں سے حضرت مولانا مولانا عبدالحکیم صاحب المشہور مولوی صاحب گاڑیخاں "آپ کے پاس تشریف لاتے اور دینی مسائل پر خوب مجلس قائم ہوتی۔ آپ فقہ حنفی کے بہترین عالم تھے جو بھی کوئی مسئلہ دریافت کرتا آپ اس کو تسلی بخش جواب دیتے۔

چونکہ آپ اپنے آبائی سلسلہ قادریہ نوشاہیہ کے شیخ تھے۔ اس لئے آپ نے پشاور، صوبہ سرحد، سوات، وادی، چترال، باجوڑ اور کابل کے علاقہ میں اس سلسلہ کی اشاعت و ترویج میں کئی دقیقہ فریاد گذاشت نہیں کیا۔ بلکہ اپنی زندگی ہی اسی تبلیغ کے لئے وقف کر دی تھی۔

خاص کر پشاور میں آپ نے اپنے مریدین کا ایک حلقہ ترتیب دیا اور ہر مرید کو اپنے حلقہ میں توجہ فرماتے، اور مریدین مرغ نیم بسمل کی طرح وجد و حال میں تڑپتے، اور تزکیہ نفس کر کے اخلاق پاکیزہ سے متصف ہوتے۔

آپ کے وقت میں اور بھی سلسلہ قادریہ نوشاہیہ کے خلفاء موجود تھے مثلاً علاقہ یکہ توت میں حاجی میاں محمد صاحب پیر اور وزیر المعروف حاجی کما، علاقہ گنج میں خلیفہ طلا محمد مرزا، گنداپور میں عبدالمجید زیندار المعروف خلیفہ میٹو محلہ فضل سحر صاحب اور وہیں خلیفہ میرا محمد صاحب، شنگری دروازہ میں جناب آغا میر جی صاحب اور دیگر خلفاء

۱۔ لہذا پشاور ہی لفظ ہے، چونکہ آپ کا قلمبہ تھا اس لئے اسی نام سے مشہور ہوئے۔

بھی اپنے اپنے طور پر سلسلہ کی اشاعت کرتے تھے مگر آپ کی ذات ان سب کے لئے قابل احترام
 و قابل عزت تھی۔ چنانچہ جب بھی آپ کے معاصر خلفاء و نو شاہید میں اگر کوئی تنازعہ پیدا
 ہوتا تو آپ ہی کے گھر پر آپ کی صدارت میں فیصلہ کیا جاتا۔

امیرِ کابل خاندانی حبیب اللہ خان صاحب مرحوم کو بھی آپ سے بہت عقیدت
 تھی اور ہر برس آپ کو ایک خلعت اور مبلغ پانچ سو روپیہ نذرانہ پیش کرتا۔

آپ اپنے بزرگانِ کرام کے عرس مبارک نہایت احترام کے ساتھ منعقد کرتے
 خصوصاً ربیع الثانی میں حضورِ عوثِ اعظمؓ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس
 نہایت شاندار طریقہ پر کرتے، تمام دن لنگر تقسیم ہوتا بکثرت اڑوہام ہوتا۔ اور
 تمام رات یا و الہی کے حلقہ ہاتے ذکر ہوتے۔

آپ کی توجہ بہت کامل تھی، اور بہت ہی کرامات کا صدور آپ سے ہوتا
 تھا، مگر آپ نے قطعاً کرامات کو ظاہر ہونے نہیں دیا۔ اور نہ ہی کبھی اپنی طرف
 نسبت کی۔

آپ کے مریدین موقعِ مشیٰ گل بیلہ میں بکثرت ہیں، ان میں افضل سبحانی بادشاہ
 بہت ہی بزرگ اور ایک آدمی تھے۔ ان کے ہاں شادی کے موقع پر آپ بھی مدعو تھے۔
 آپ حسبِ قاعدہ اپنے ہمراہ چند مریدین اور چند قوال لے کر تشریف لے گئے۔ قوالی
 شروع ہوئی، اور آپ کے مریدین پر وجودِ حال طاری ہوا، چونکہ گاؤں تھا اور آپ
 کی مجلس سے لوگ ناواقف تھے، انہوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ آپ نے ان کی طرف
 کوئی توجہ نہ دی، مگر ان کا استہزاء بڑھتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کے ایک مرید
 نے آپ کو متوجہ کیا کہ یہ لوگ اب بالکل گستاخ ہو گئے ہیں ان پر فکر کیجئے۔ آپ نے ان

پر توجہ کی تو بس پھر کیا تھا تمام مجلس وچھوڑ کر قص میں لگ گئی۔ جو مذاق اور استہزا کر رہے تھے وہ روتے پیتے اور چلاتے تھے۔ آپ کی اس توجہ کاملہ کی برکت اور کرامت کو دیکھ کر یہ تمام علاقہ آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گیا۔ اور اس کے بعد اس تمام علاقہ میں سلسلہ نوشتا پیہ کی خوب اشاعت ہوئی اور فضل سبحانی بادشاہ نے آپ کی نیابت میں بہت کام کیا۔ اب تک فضل سبحانی صاحب کا عرس بہت ہی اعلیٰ پیمانہ پر ہوتا ہے اور بہت بڑا اجتماع ہوتا ہے۔

آپ بہت ہی متوکل، مہمان نواز صاحب علم و بروہار تھے۔ آپ کے اخلاق حمید کا ہر ایک معترف ہے۔ آپ بعمر ۸۰ برس ۱۳۲۲ھ میں اس وارفانی سے رات ہی عالم جا و والی ہوئے۔

آخری برس گیا رھویں شریف کے عرس کے موقع پر اجتماع میں آپ نے اپنے پوتے شاہ محمد عوث صاحب کو صاحب سجاوہ مقرر کیا۔

آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ رسول شاہ، مقبول شاہ، شریف شاہ، ہر سہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ رسول شاہ کا فرزند عبداللطیف شاہ صاحب بقید حیات ہے۔

مقبول شاہ کے پانچ فرزند تھے جن میں سے ایک شاہ محمد عیاش فوت ہو چکا ہے اور دوسرے چار شاہ محمد عوث، عبدالرزاق، امداد حسین اور شاہ محمد ظریف زندہ ہیں۔

شریف شاہ صاحب کے تین فرزند تھے۔ فیاض حسین شاہ صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ مشتاق حسین شاہ صاحب اور لال حسین شاہ صاحب بقید حیات ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت و ترویج میں مصروف ہیں۔

حضرت خواجہ عبدالرحمن صاحب چھوہڑی رحمۃ اللہ علیہ (پہری پوچھ)

۱۲۶۲ھ تا ۱۳۲۲ھ

آپ کا نام نامی و اسم گرامی خواجہ عبدالرحمن صاحب ، والد کا نام خواجہ مخدومی صاحب
لقب غوث وقت ہے۔ آپ نسباً علوی، مذہباً حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ آپ کی
پیدائش بمقام چھوہڑ شریف ۱۲۶۲ھ ہوئی۔

آپ کے والد اپنے وقت کے اولیائے کاملین میں سے ایک تھے۔ بیان کیا جاتا
ہے کہ آپ کی تربیت طریقت حضرت مخدومیہ السلام نے کی۔ آپ کے وجود مبارک میں
اللہ تبارک و تعالیٰ کے عشق کی آگ ہر وقت اوساں بھڑکتی رہتی ، اور درو و عشق کا یہ
عالم تھا کہ آپ کے سینہ پر سات زخم ہو گئے تھے۔ روزانہ ہلدی کو گھی میں تل کر ان زخموں
پر پھیپہ لگایا جاتا اور عبادت کا یہ حال تھا کہ برف باری کے ایام میں عشاء کی نماز
کے وقت سے صبح کی نماز ادا فرماتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضور کی یہ کیفیت تھی
کہ چونکہ آپ اُمی تھے اور جب آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا اگر معلوم ہوتا تھا
دیتے اور اگر نہ معلوم ہوتا تو فرماتے کھوڑا صبر کرو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت
کر کے جواب دوں گا۔ آنکھیں بند نہ کرتے اور نہ ہی مراقب ہوتے۔ کھوڑی دیر کے

Marfat.com

بعد فرماتے ہیں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت کر لیا ہے ایسا نہیں ایسا
ہے۔ جناب حافظ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ ”آپ کے کمالات ظاہری و باطنی
اور کرامات و خرق عادات لاتعداد و عدد شمار سے باہر ہیں۔ حضرت خواجہ عبدالرحمن
صاحب کی عمر ابھی آٹھ برس کی تھی کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

حضرت خواجہ عبدالرحمن صاحب نے والد گرامی کی وفات کے بعد بہت ہی
ریاضت اور محنت شاقہ اٹھائی۔ آپ نے کسی کے سامنے زانوئے ادریس طے نہیں
کیا۔ آپ قطعاً محض امی تھے۔ آپ نے بچپن کی عمر میں چلے کاسے اور عبادت الہی
میں مصروف ہو گئے۔ آپ کے خلیفہ عجاز حضرت علامہ عارف علوم ظاہری و باطنی
جناب حافظ سید احمد صاحب سہری کوئی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں۔ ”جب آپ
کے والد بزرگوار عالی مقدار حضرت خواجہ خضریٰ قدس اللہ سرہ العزیزہ دارفانی سے
تشریف فرمائے عالم جاودانی ہوئے تو اسی خرو سالی دنیا بالعی کی حالت میں آپ نے
چلہ کا ارادہ فرمایا۔ آپ نے مکان میں دریافت فرمایا کہ میری خدمت کون کرے گا۔
قریبی رشتہ داروں میں سے کسی نے وعدہ کیا کہ آپ کی خدمت میں کروں گا۔ آپ
نے فرمایا کہ میرے پاس ایک برتن رکھ دو۔ چنانچہ روزانہ وقت مقررہ پر آپ اپنے
مذہب مبارک کو اس برتن کی طرف جھکا کر شکر منے کرتے کرتے، کھانا پینا بند تھا۔ ہر روز
آلائشات عناصرار لبتہ و تکدرات تو اسے ہمید اور ثقات و کثافتیں جسمانی کا استخراج

۱۔ مقدمہ مجموعہ صلوات الرسول از جناب حافظ سید احمد صاحب قدس سرہ ص ۱

۲۔ چھوہری پورہ ضلع ہزارہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔

بدریغہ خون قے کے فرماتے۔ کچھ ایام تک خون آتا رہا۔ جب بدن مبارک سے خون
 خلاص ہو گیا تو قے میں پانی آنا شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ چالیس دن پورے ہو گئے۔
 حافظ صاحب لکھتے ہیں کہ ”اس غضب کا چلہ اولیاء اللہ میں نہ کسی نے کیا اور نہ سنا۔
 اس ریاضتِ شاقہ کے ذریعے سے جسمِ عنصری کی ثقالت و کثافت و اخلاقِ بہیمہ کے
 ظلمات من کل الوجہ مستہلک و محو ہو کر لطافت کلی و روحانیت نامہ نصیب ہوئی۔“
 اس چلے سے آپ بہت کمزور اور نڈھال ہو گئے تھے۔ جب وجود مبارک میں
 کچھ طاقت آگئی تو آپ حضرت شیخ الاسلام غوثِ وقت حافظ عبد الغفور صاحب
 المشہور اخون صاحب سوات کو لے کر اپنے چند بزرگوں کو لے کر سوات تشریف
 لے گئے۔ آپ جب سید و شریف آپ کی قیام گاہ پر پہنچے تو لوگوں کا اثر و ہام تھا۔
 اور حضرت اخون صاحب کی ملاقات ناممکن تھی۔ احباب نے مشورہ کیا کہ چونکہ
 ملاقات نہیں ہو سکتی اس لئے رات گزار کر صبح واپس چلیں، جب صبح ہوئی تو احباب
 نے عرض کیا کہ صبح جڑاؤہ واپسی کا انتظام کرو کہ چلیں۔ آپ نے فرمایا کہ اتنی دُور سے
 آئے ہیں جس وقت اشراق کے بعد حضرت اخون صاحب اپنی مسجد کی بیٹریوں
 پر بیٹھ کر عام دُعا کر کے لوگوں کو رخصت کر دیتے ہیں ہم بھی آپ کی زیارت دُور سے
 کر کے رخصت ہو جائیں گے۔ اسی اثناء میں حضرت اخون صاحب کے خادم عام
 لوگوں میں آواز کر رہے تھے کہ جو صبح جڑاؤہ ہزارہ کا آیا ہے حضرت صاحب اس کو
 طلب فرما رہے ہیں۔ چنانچہ آپ کے احباب کے بتانے پر آپ کو خادم گویں

اٹھا کر حضرت انخون صاحب کی خدمت میں خلوت خانہ میں لے گئے۔ جناب انخون صاحب نے جب آپ کو دیکھا تو فرمایا کہ ”وغدوے - وغدوے - وغدوے“ یعنی یہی ہے۔ یہی ہے۔ یہی ہے۔ اور حضرت انخون صاحب نے فرمایا کہ ”اسس یشیم کے لئے دُعا کرو“ خواجہ عبدالرحمن صاحب فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت انخون صاحب سوات نے دُعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو مجھے ایسے محسوس ہوا کہ گویا ساتوں اسمائوں کا بوجھ مجھ پر آگیا ہے، اور جب دُعا سے فارغ ہوئے تو وہ بوجھ و سہت و فرحت و انبساط کے ساتھ بدل گیا۔

حضرت انخون صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو فرمایا۔ ”کیا رات کو خواب میں کچھ دیکھا ہے؟“ آپ نے جواب دیا۔ ”جس مقام پر چلے کرتا ہوں وہ جگہ دیکھی ہے“ حضرت انخون صاحب نے فرمایا۔ اسی جگہ پر جا کر قیام پذیر ہو جئے، کہیں مدت جاتی۔ آپ کے پیر صاحب آپ کے پاس آکر آپ کے مکان میں آپ کو مرید کر لیں گے۔ چنانچہ اسی طرح ہوا کچھ عرصہ کے بعد حضرت یعقوب شاہ صاحب گن چھتری رحمۃ اللہ علیہ کشمیر سے ہزارہ تشریف لائے اور یہاں پر آپ کو دریافت کر کے آپ کے مکان پر آئے۔ آپ اپنی عبادت گاہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت شاہ صاحب کا استقبال کیا۔ حضرت شاہ صاحب آپ کے خلوت خانہ میں تشریف لائے۔ اور آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کر کے بہت بہت دعائی عنائیں

۱۔ مقدمہ مذکور ص ۹

۲۔ آپ کا سلسلہ عالیہ قادریہ اس طرح ہے :- حضرت یعقوب شاہ صاحب مرید ہیں شیخ عبدالرشاد شاہ صاحب اور یہ مرید ہیں حضرت شیخ عبداللہ صاحب کے، اور یہ مرید ہیں شیخ محمد رفیق صاحب کے، اور یہ مرید ہیں حضرت خواجہ (بقیہ صفحہ ۱۸۸ ملاحظہ فرمائیں)

اور بخششیں کریں اور اپنے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کا جائزہ لینا بنایا اور صاحب مجاہد ہو کر
 محقق بن گئے۔ آپ نے سلسلہ عالیہ قادریہ کی انتہائی کوشش کے ساتھ اشاعت
 کی۔ صرف ہزاروں ہی نہیں بلکہ آپ کے مریدین کا سلسلہ کشمیر، صوبہ سرحد، افغانستان،
 عرب، ہندوستان، برما اور مخصوصاً بنگال تک پھیلا ہوا ہے۔ جتنی سعی یہ ہم آپ نے
 سلسلہ کی تبلیغ کے لئے اسی طرح آپ نے علوم اسلامیہ کی اشاعت کے لئے کوشش
 کی، اپنے گاؤں سے ایک میل کے فاصلہ پر ہزاروں کے مشہور شہر ہری پور میں ۱۳۲۱ھ
 میں ایک عظیم الشان دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔ جس کا نام دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور
 رکھا گیا اس کے مصارف اور تعمیر کا خرچہ برما اور بنگال کے علاقہ کے مریدین نے برداشت
 کئے۔ اس دارالعلوم میں درسی نظام کا مکمل انتظام ہے اور دورہ حدیث بھی ہوتا ہے
 دارالافتاء بھی ہے۔ اس دارالعلوم کے ساتھ پرائمری مدرسہ بھی ہے جس میں چھوٹے بچوں
 کے لئے وہابیات اور تعلیم قرآن مجید کا بہت ہی اعلیٰ انتظام ہے۔ آپ کی خواہش کے
 مطابق دن و گنی رات چوگنی اس دارالعلوم نے ترقی کی۔ اس دارالعلوم کے فاضل بھی
 مخلوق خدا کی اصلاح میں مختلف شہروں میں بحیثیت خطیب کے مصروف ہے۔
 اس سال یعنی ۱۳۵۲ھ میں ۱۲ رمضان المبارک بروز جمعہ ۲۱ مئی کے موقع
 پر صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان بعد وزیر تعلیم چوہدری فضل القادر صاحب

(بقیہ صفحہ ۱۸۷) گل صاحب بنگال کے اوریہ مرید ہیں۔ حضرت خواجہ عبدالصبور کے اوریہ مرید ہیں۔ حضرت خواجہ
 حافظ احمد بارہ مولہ کے اوریہ مرید ہیں۔ حضرت شیخ عنایت اللہ شاہ صاحب کے اوریہ مرید ہیں۔ حضرت سید عبداللہ
 صاحب کے حضرت شاہ عبداللہ صاحب ابوالبرکات سید حسین پشاور کے والدین باقی سلسلہ انہی کا ہے
 لے جناب عزت آپ فضل القادر صاحب چوہدری۔ حضرت چوہدری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت سید
 احمد شاہ صاحب بنگال والے کے مرید ہیں۔

دہلی (دہلی) کے اس تقریب میں شامل ہوئے اور مبلغ پچاس ہزار روپیہ مرکزی گورنمنٹ کی طرف سے بطور عطیہ کے دارالعلوم کو مرحمت فرمایا۔ سابق عمویہ ہمدرد میں صرف یہ ایک دارالعلوم ہے جس میں صحیح العقیدہ اہل سنت و جماعت علماء تیار ہوتے ہیں جس وقت ۱۹۱۳ء میں اسلامیہ کالج کی تعمیر شروع ہوئی شروع ہوئی تو کالج کی بنیاد رکھنے وقت جب جناب حضرت حاجی صاحب ترنگڑی رحمۃ اللہ علیہ سے انکار کیا تو حضرت خواجہ صاحب نے مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔

آپ کے اخلاق حضور و خرد و عالم سید الکونین صاحب خلیق عظیم احمد مجتبیٰ صاحب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ کے عین مطابق تھے۔ سنت نبوی علیہ الرحمۃ و الشاکا کا اتباع آپ کی زندگی کا مقصد تھا۔ آپ سے مستحبات بھی کبھی ترک نہیں ہوتے۔ مجالس کی خدمت خود کرتے۔ آپ کی خانقاہ اور مجلس میں بدعات اور محرمات خلاف شرع کا نام تک نہ تھا۔ آپ نہایت ہی متواضع، خلیق صاحبِ حکم، عفو و درگزر کرنے والے، منکسر المزاج اور پردہ پوش تھے۔ علماء فقراء و سادات کی قدر و منزلت اور انتہائی ادب و احترام کرتے۔ آپ کی خانقاہ انتہائی سادہ اور ہر قسم کی آرائش و زیبائش سے پاک تھی۔ تمام اوقات مسجد ہی میں بسر ہوتے۔ طالب علموں کی خدمت اپنے لئے سرمایہ آخرت سمجھ کر بہت ہی محبت اور اخلاص سے خود کرتے۔ "دارالعلوم رحمانیہ اسلامیہ" کے ابتدائی دور میں طلباء کے لئے کھانا وغیرہ چھوہر شریف سے تیار ہو کر ہری پور آتا۔ ایک دن بہت بارش تھی رات بھی

تار یک تھی۔ آپ نے خادموں سے فرمایا کہ طلبہ اس کے لئے روٹی پہنچا دو۔ مگر کسی
 میں ہمت نہ ہوئی۔ آپ بنفس نفیس روٹی اور کھانا اٹھا کر طلبہ کے لئے موسلا دھا
 بارش میں لے گئے۔ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا یہ عالم تھا کہ ایک بار حدیث
 شریف میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی چٹائی لے کر درست فرمائی ہے۔
 آپ نے بھی اپنی مسجد کی چٹائی جو کہ کھٹی ہوئی تھی سینے میں تھروا کر دی۔ اسی اثنا میں ایک
 بزرگ حضرت شاہ ولی بابا تشریف لے آئے اور آپ سے عرض کیا کہ اٹھو اور میرے
 گھر سے مکھن لاؤ۔ آپ نے چٹائی سینے میں کچھ دیر لگائی تو شاہ ولی بابا نے
 لگے کہ تمام چٹائی کا سینا سنت نہیں ہے۔ سنت ادا ہو گئی ہے، اٹھو اور مکھن
 دو۔ مجھے دیر ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے شاہ ولی بابا کی اس صفائی پر سنسی آگئی
 جناب حافظ سید احمد صاحب فرماتے تھے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کشفِ زمانی
 و مکانی اور عیانی مکمل و اکمل عطا فرمایا تھا۔ مگر آپ نے دو چیزوں سے توبہ کر لی تھی
 ایک تو کشف کے اظہار سے اور دوسرے ضروریاتِ زندگی کے خیال سے
 اللہ تعالیٰ آپ کو بغیر طلب و خیال کے ضروریاتِ زندگی بہتا اور پوری فرماتا تھا چنانچہ
 ایک بار آپ گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میرے لئے سیاہ رنگ کی دوپہری چاد
 بناؤ۔ باہر تشریف لائے پھر گھر تشریف لے گئے اور منع فرما دیا۔ دوسرے دن ایک
 شخص آیا اور عرض کی کہ میں باہر کہیں جا رہا ہوں اور یہ سوت جاعتر ہے بنوائی اور رنگ
 کی مزدوری بھی پیش خدمت ہے۔ آپ اپنے لئے چادر بنوائیں۔ آپ نے فرمایا
 کہ میں نے اب اپنی ضروریاتِ زندگی کا خیال بھی ترک کر دیا ہے اور توبہ کر لی ہے
 اور جس روز سے توبہ کی ہے اللہ تعالیٰ بغیر خیال و طلب کے موسم گرما میں گرمائی کے کپڑے

وہ موصوفہ ہر ماہ میں سر مائی کے کپڑے عنایت فرما دیتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت قبلہ عالم حضرت اعلیٰ پیر مر علی شاہ صاحب گوڑووی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو فرمایا کہ آپ کے مکان زیادہ آگے ہیں اور آمدنی آپ کی کم ہے۔ میں آپ کو فلاں وظیفہ کی اجازت دیتا ہوں۔ اس کے پڑھنے سے آمدنی زیادہ ہوگی۔ آپ چپ رہے۔ حضرت پیر صاحب نے مکرر یہ کہہ کر اپنے خیال کا اظہار فرمایا تو آپ نے فرمایا کہ ”پیر صاحب خدا سے شرم آتی ہے کہ باہر سے لوگ پیر خیال کر کے آویں اور اندیپسیوں کے لئے وظیفہ پڑھا جاوے۔“

کشف کے اظہار سے توجہ کا واقعہ اس طرح فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا میں بیٹھا ہوا تھا وہ شخص کپڑے اتار کر نہانے لگا۔ جب فاسخ ہوا تو میں نے اس کو کہا کہ تم نے زنا کیا ہے۔ اول تو منکر ہوا جب میں نے پکڑا تو اعتراف کیا اور معافی مانگنے لگا۔ فرماتے ہیں میں نے دل میں خیال کیا کہ اللہ پاک اپنے بندوں کے گناہ دیکھ کر پر وہ پوشی فرماتا ہے اور میں صاحب کشف ہوا تو پر وہ درمی کرتا ہوں۔ اسی روز سے اس فکر کے بعد میں نے کشف کے اظہار سے توجہ کر لی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو توجہ کاملہ سے نوازا تھا۔ آپ کے ایک مرید احمد الدین برادر یوسف ترکھان سکندری چوہرنے ایک عجیب و غریب واقعہ آپ کی توجہ کاملہ و تصرفات کا بیان کیلئے کیا۔ احمد دین کہتا ہے کہ آپ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ اثنائے سفر میں ایک پیر صاحب بھی ہمسفر ہو گئے۔ جب ہم عرب پہنچے تو ایک درویش ہم دونوں کو ملا اور اس نے

بہت آہ و زاری کی اور کہا کہ میں ایک بڑی مصیبت میں مبتلا ہوں میری فریاد یہی
 کیجئے۔ اُس درویش نے بیان کیا کہ میں فلاں گاؤں میں رہتا ہوں اور میری عادت
 ستارہ بجانے کی ہے۔ میرے گاؤں کے عالم نے مجھ پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ آپ
 دونوں بڑے نیک آدمی ہیں۔ عالم میں میرے ساتھ چل کر اس عالم کو سمجھائیں کہ مجھے
 کافر نہ کہے۔ میں ان کے اس فتویٰ سے بڑا تنگ ہوں۔ فرماتے ہیں کہ میں اور وہ
 پیر صاحب دونوں اُس عالم کے پاس گئے۔ اس پیر صاحب نے اُس عالم سے پوچھا
 کہ آپ نے اس شخص پر کفر کا فتویٰ کیوں دیا ہے۔ اس عالم نے جواب دیا کہ یہ ستارہ
 بجاتا ہے۔ اس لئے میں نے اس پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ اگر ستارہ بجانے سے باز آ
 جائے تو کفر کا فتویٰ بھی واپس ہو جائے گا۔ وہ پیر صاحب درویش کو چاہتے تھے کہ
 ستارہ بجانے سے منع کریں کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے پیر صاحب کو کہا کہ آپ اس
 وقت ان کے درمیان فیصلہ نہ کریں جب ہم لوگ حج کے مناسب ادا کر لیں پھر اگر ان
 کے درمیان فیصلہ کر لیں گے۔ جب ہم واپس آئے تو درویش کے ہمراہ اس کے گاؤں
 میں گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ مفتی صاحب درسگاہ میں طلباء کے درمیان تشریف فرما ہیں
 اور بڑے ذوق و شوق سے ستارہ بجانے میں ہم دونوں کو دُور سے دیکھ کر مفتی صاحب
 تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ میں خاموش تھا۔ پیر صاحب نے مولوی صاحب سے دریافت
 کیا کہ یہ کیا حال ہے آپ کا، آپ تو ستارہ بجانے کو کفر کہتے ہیں اور آج خود اس کفر
 میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ مولیٰ صاحب نے جواب دیا کہ آپ دونوں میں سے کسی کی
 برکت سے یہ نعمت مجھے نصیب ہوئی، دُعا کرو کہ جب تک زندہ رہوں ستارہ بجاتا
 رہوں جب مردوں ستارہ بجاتے مردوں اور قیامت کے دن جب اللہ پاک کے سامنے

جاؤں سنا رہا تھے جاؤں، پیر صاحب نے آپ سے فرمایا کہ فقیر صاحب یہ کیا کہیں گے
 آپ نے، فرمایا کہ آپ نے ہی کچھ کیا ہوگا۔ پیر صاحب نے کہا کہ میں جو کچھ ہوں خوب
 جانتا ہوں آپ بتائیے کہ اصل قصہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ ان دونوں کے
 درمیان فیصلہ فرمائیے، درویش آپ کے کہنے پر ہتھار نہ بجاتا تو جس وقت اس کو اپنی
 روحانی غذا کی ضرورت ہوتی تو وہ نہ ملنے پر مر جاتا۔ اس کا خون آپ کے ذمہ ہوتا۔
 تو میں نے چاہا کہ آپ اس کے خون سے محفوظ رہیں اور دوسری بات یہ تھی کہ یہ مفتی
 صاحب اپنے علم پر ناناں و فرحان ہو کر درویشوں کو کافر کہتے ہیں ان کو بھی حد سے
 آشنا کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ بھی صاحب درویش ہو گئے۔ یہ واقعہ لکھنے کے بعد حضرت حافظ
 صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ”آپ میں جذبات و تصرفات حضرت علیہ السلام علیہ
 تھے جس شخص میں جو کیفیت پیدا کرنے چاہتے اپنی التوجہ سے پیدا کر دیتے۔ کیفیات
 و جذبات صمدیہ پر آپ بوجہ اتم متصرف تھے۔ جس طرح بنی نوع انسان پر آپ کے
 تصرفات اسی طرح نباتات اور حیوانات پر بھی آپ کے تصرفات تھے۔ جناب
 حافظ بیدار صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ جب میں (دنگوں سے) وطن کو آیا تو حضرت
 قبیلہ عالم کے وصال کو ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ آپ کی خانقاہ میں مریدین و مخلصین
 جمع تھے۔ ایک شخص میرے قریب رو رہا تھا۔ اس شخص نے مجھے کہا کہ تم کہاں سے
 آئے ہو۔ میں نے کہا رنگوں سے آیا ہوں، وہ اشارہ کر کے فرماتے لگے کہ اس درخت
 کو جب دیکھتا ہوں مجھے رونا آجاتا ہے۔ میں نے سبب دریافت کیا تو انھوں نے کہا

کہ مجھے حضرت قبیلہ عالم نے بلا کر حکم دیا کہ تم میری طرف سے تحائف و ہدیائے کریم
 بیت اللہ شریف و زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جاؤ، اور یہ اشیاء
 وہاں پر فلاں فلاں لوگوں کو دے دو۔ میں حیران ہوا کہ خداوندیہ کام مجھ سے کیوں کر انجام
 ہوگا۔ میں تو بہت سوتا ہوں مجھے کوئی ٹکڑے ٹکڑے کروے جب بھی بیدار نہیں ہوتا
 ہوں اسیہ دور و راز کا سفر ہے مگر آپ کے سامنے انکار نہ کر سکا۔ حضور پر نور نے
 سفر کا سامان تیار کر کے مجھے رخصت کرنے کے لئے میرے ساتھ چند قدم لئے جب
 اس نوبت کے درخت کے پاس حضور پہنچے تو اس درخت کو مخاطب کر کے فرمانے
 لگے کہ اے نوبت تو اس شخص کی نیند کو اپنے پاس امانت رکھ لے۔ پھر آپ نے میرے
 لئے دعا فرمائی۔ میں آپ سے رخصت ہو کر حسن ابدال ریلوے اسٹیشن پہنچا۔ وہاں
 سے بمبئی کا ٹکٹ لے کر بمبئی پہنچا۔ اس تمام ریل کے سفر میں صرف دو تین منٹ کی
 اونگھ آتی جس سے میری طبیعت آسودہ ہو جاتی، نیند قطعاً نہیں آتی، بمبئی سے جہاں
 میں سوار ہو کر جڑہ، مکہ مکرمہ پہنچا۔ تمام مناسک ادا کر کے اور ضروریات سے فالغ
 ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ تمام تحائف متعلقہ لوگوں کو پہنچا کر واپس چھوہر شریف پہنچا۔
 اور اس تمام سفر میں نیند نہیں آتی۔ جب آستانہ پر پہنچا کہ آپ سے ملاقات ہوئی تو
 فرمایا کہ اپنی امانت لے لی۔ بس پھر کیا تھا نیند نے آدھو چا مسجد میں جا کر سو گیا نیند
 کے غلبہ سے چند وقت کی نماز بھی قضا ہو گئی۔ اسی رات کو آپ نے خود بنفس نفس
 آکر جگایا اور فرمایا کہ روٹی کھا کر پھر سو جاؤ۔ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد قبلہ سید صاحب نے
 لکھا۔ کہ اس سے معلوم ہوا کہ غیر ذوی العقول اور نباتات وغیرہ مخلوقات بھی آپ کے
 تصرف میں تھیں، نیز بشری لوازمات نوم و نطقہ وغیرہ کیفیات غیر محسوسہ بھی آپ کے

تصرف میں غناک تھے۔“

آپ کی اسی توجہ کا ملکہ برکت اور نورانیت سے ہزاروں میل دور آپ کے اور آپ کے خلفاء کے مریدین نیکوکار، نماز گزار، تہجد گزار اور اولیاء بن گئے۔ بڑے بڑے فاجر اور بدکار جب آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے تو اور لوگوں کے لئے ہادی بن گئے۔

حضرت خواجہ عبدالرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ امی (بے پڑھے) تھے صرف قرآن مجید اپنے استاد سے پڑھا تھا، باقی علوم متداولہ تفسیر، حدیث، فقہ اصول، منطق وغیرہ آپ نے کسی سے نہیں پڑھے، اور نہ ہی خط آپ نے کسی سے لکھنا سیکھا، مگر اللہ جل جلالہ نے آپ کو علم لدنی سے نوازا تھا، علماء بہت ہی اچھے ہوتے مسائل لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ نہایت ہی سہل طریقہ پر ان مسائل کو حل فرما دیتے اور علماء اقرار کرتے کہ آپ صاحب علم لدنی ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی میں ان روحانی تصرفات، کرامات، مکشوفات اور تملیہ عالم اجسام کے علاوہ دو کارنامے ایسے کئے ہیں کہ ہر ایک متعلقہ شخص آپ کے ان ہر دو کارناموں کو رہتی دنیا تک قدر و عزت کی نظر سے دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس سے فائدہ حاصل کرے گی۔ ایک تو دارالعلوم رحمانیہ اسلامیہ ہری پور۔ اور دوسرا آپ کی تصنیف العقیلہ ”محیر العقول فی بیان الحقائق منقول العقول المسنیہ بمجموعہ معلولات الرسول صلی علیہ وسلم“۔ اس کتاب کو آپ نے بارہ سال آٹھ مہینے اور بیس دن میں لکھا۔ یہ کتاب درود شریف کی طرز پر بیس پاروں میں منقسم ہے۔ ہر پارہ کا الگ عنوان ہے اور وہ عنوان حضور اکرم عالم علوم

اولیں و آفرین احمد مختار محمد مصطفیٰ اصلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شمائل پر ہے۔
 یہ کتاب پہلی بار آپ کے ہی ارشاد پر آپ کے خلیفہ اعظم حافظ سید احمد صاحب
 سہری کوئی نے چھپوانی اور اس کے اخراجات سید احمد اللہ صاحب کیا اور
 رنگون کے دوسرے مریضین نے بروا منت کئے۔ پھر دوسری بار ۱۹۵۳ء میں حافظ
 سید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے ذر کثیر خرچ کر کے تین جلدوں میں پشاور سے شائع کی۔
 اس کتاب کی تعریف و توصیف بیان سے باہر ہے اس کتاب کی قدر و ہی کو سنا
 ہے جو اس کا مطالعہ کرے۔

جناب حافظ سید احمد صاحب فرماتے ہیں کہ "آپ نے اپنے علوم و معارف اپنے
 جذبات و مشقہ اور تصرفات عالم ملکوت و ماسوت اور علوم حقائق و جوہر قدیمیہ ازلیہ
 اجمالیہ اور علوم مراتب صفاتیہ امکانیہ تفصیلیہ اور اقسام مراتب توحیدیہ و جوہر
 اور شہودیہ، وغیرہ کمالات کو اس کتاب میں اجمالاً و تفصیلاً اشارتاً و کنایتاً بیان
 فرمایا ہے۔ یہ کتاب آپ کے کمالات پر شاہد عدل ہے۔ یہ کتاب آپ کے حسن
 مجال کا منظر اتم ہے۔"

اس کتاب کے علوم کا ماخذ و منبع قرآن حکیم و احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 ہے۔ اس کے اوراد، اور وظائف سو سے زائد کتب معتبرہ سے نقل کئے گئے ہیں۔۔۔
 یہ کتاب برنخ و جوہر و امکان کے معیت میں پایہ تکمیل کو پہنچی ہے۔ وائرہ اولیہ امکانیہ
 کے مرکز اعلیٰ سے اس کتاب کے علوم لئے گئے ہیں۔ چونکہ ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
 صفت علیہ واجب الوجود ہے۔ اس واسطے قرآن حکیم نے حضور پر توصلی اللہ علیہ وسلم کے
 کمالات و اثبات اجمالیہ کا اظہار فرمایا اور یہ کتاب حضور پر توصلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات

صفات تفسیلاً کو طرق متعدد کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ چونکہ وفات محمدی ذات واجب الوجود کے لئے صفت اولیٰ اور ممکنات کے لئے بیولی ہے اجمالاً اور صفات و کمالات محمدی واجب الوجود کے صفت ظاہر کے لئے منظر اتم ہیں۔ تفسیلاً، گوشاہ منشاہ زمان خواجہ خواجگان حضرت خواجہ عبدالرحمان صاحب قدس سرہ العزیز نے اپنی کتاب لا جواب میں عقل اقل یعنی صفت حقیقیہ ذاتیہ اولیہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن ذاتی و کمالات صفاتی کو اجمالاً و تفسیلاً بطرز عجیب و ترتیب غریب اس طور پر بیان فرمایا ہے کہ بڑے بڑے علمائے کمالین و عرفائے راہنما حیرت اور حیرت ہیں اور یہ کتاب ایک اُمّی نے لکھی جو علوم مروجہ سے نابلد تھا جس کا کوئی اُستاد نہیں تھا۔

ذات فضل اللہ یوقیہ من یشاء۔

آپ کے تین صاحبزادے تھے (۱) مولانا مولوی فضل الرحمن صاحب المعروف پھن میرزہ فوت ہو چکے ہیں۔ (۲) صاحبزادہ حاجی محمد فضل سبحان صاحب (۳) صاحبزادہ محمود الرحمن صاحب۔ یہ صاحب سجادہ ہیں آپ کے صاحبزادہ شباب الصالح عالم و فاضل مولینا مولوی طیب الرحمن صاحب ہیں اللہ تعالیٰ زندگی عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت خواجہ عبدالرحمن صاحب کی وفات پھر انہی برس بروز شنبہ بعد از نماز مغرب بتاریخ یکم ذی الحج ۱۳۴۷ھ بمقام چھوہر شریف ہوئی۔

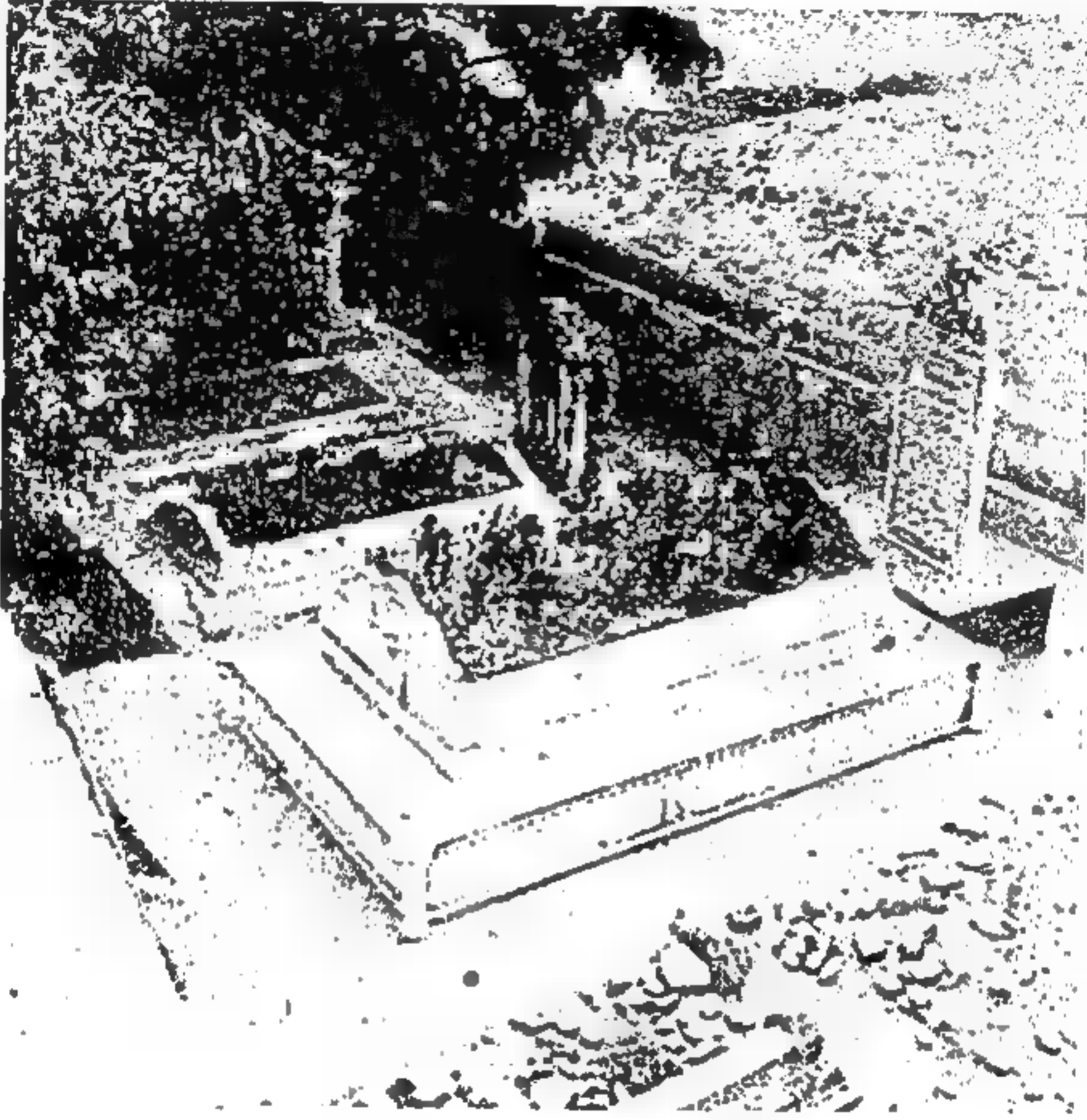
حضرت آقا سید سکندر شاہ صاحب قادری حشمتی رحمة اللہ علیہ

۱۲۶۶ھ تا ۱۳۳۱ھ

آپ کا اسم گرامی سید سکندر شاہ صاحب والد گرامی مرتبت کا اسم شریف سید میر علی الدین صاحب، لقب سلطان المشائخ، اور گورکھ پوری والے "آغا صاحب" کے نام سے مشہور تھے۔

آپ حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند حضرت محدث اعظم مرشدنا و مولینا سید شاہ محمد عوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں پشاور میں آپ کے چچا حضرت سید میر عیسیٰ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۱۸ھ میں تشریف لے چکے تھے۔ آپ کے والد اور آپ کے چچا حضرت میر رسول شاہ صاحب کو حضرت میر عیسیٰ شاہ صاحب نے کشمیر سے بلوا کر اپنی دو صاحبزادیاں ان ہر دو حضرات کے حوالہ عہد میں دے دیں۔ سید میر رسول شاہ صاحب کی اولاد کچھ نہیں رہی میں فوت ہو گئی، اور جناب سید میر علی الدین شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دو فرزند عطا فرمائے ایک آنجناب اور دوسرے سید میر اسحاق شاہ صاحب۔

جناب آقا سید سکندر شاہ صاحب نے اپنی تعلیم کے حصول کے لئے بہت ہی



مزار حضرت آقا سید الحاج سکندر شاہ صاحب قادری حشتی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
مجلس
کتاب
تاریخ
پندرہ

محنتِ شاقہ اٹھائی، اور ریاستِ کشمیر و جموں کے اساتذہ سے بھی دینی تعلیم حاصل کی۔
پشاور میں جناب حضرت العلامہ میر آند علیہ مولانا مولوی میاں نصیر احمد صاحب بھی
آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔ آپ نے کافی سفر کر کے دینی تعلیم کو مکمل کیا اور علوم
مروجہ سے فراغت حاصل کر کے عالم و فاضل ہو گئے۔

سلسلہ عالیہ قادیان میں حضرت علامہ شیخ المشائخ آقا سید اکبر شاہ صاحب المعروف
آغا پیر جان صاحب پشاور سے فیض حاصل کیا اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت
شمس العارفین خواجہ شمس الدین صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کیا
آپ بڑے بڑے اکابر مشائخ کرام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فیوضاتِ باطنی
سے مالا مال ہوئے۔ گوالیار میں ایک فقیر صاحب کی خدمت میں پہنچے ان سے بھی
آپ کو بہت فائدہ پہنچا تھا۔

آپ کی ذات والا صفات پشاور، لاہور، چونیاں، قصور اور ہندوستان کے
مختلف علاقوں میں جو آپ کے ہزاروں کی تعداد میں مریدین تھے باعثِ رحمت و افتخار
تھی، آپ انتہائی وسیع و متنوع مانا بد مرتاض، عالم و فاضل اور عارفین کا ملین
سے تھے۔ اگرچہ آپ عزت پسند تھے اور شہرت سے نفرت کرتے تھے مگر آفتاب
کسی کے چھپائے چھپ نہیں سکتا، اس آفتابِ ولایت کی شعاعیں خود ہی بتا رہی
ہیں کہ آفتاب موجود ہے۔

آپ کی مجلس میں علماء فقرا، صلحاء اور اُمرا کا ہر وقت اجتماع رہتا اور کسی نہ کسی دینی
مسئلہ پر گفتگو رہتی۔ پشاور میں آپ کی ایک ایسی شخصیت تھی جس نے سلسلہ چشتیہ کو
روشمن کیا، اور حلقہ ارادت قائم کیا۔ تمام بزرگان کرام کے عرس نہایت ہی اتمام اور

ادب و احترام کے ساتھ منعقد کرتے۔ اور خصوصاً ربیع الثانی شریف کی گیارہویں تاریخ کو حضور غوث اعظم قطب ربانی محبوب سبحانی سید شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک کو بہت ہی شان اور عظمت سے کرتے۔ تمام دن لشکر تقسیم ہوتا اور تمام رات ذکر الہی کے حلقے رہتے اور آپ کو توجہ کاملہ کے ماتحت تھے۔ جب مریدین پر توجہ فرماتے تو مرغ بسمل کی طرح مریدین ٹپتے رہتے۔ آپ کے مریدین پر حال "اود جذبہ" بہت غالب تھا۔ صاحب اسرار التوہف فرماتے ہیں۔ "آپ کی توجہ باطنی میں کچھ ایسی کشش و تاثیر ہے کہ کیسا ہی منکر ہو ایک ہی توجہ میں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ اپنے فیوض باطنی میں سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ اسی کشش دلی و جذب باطنی سے بے شمار مرید صاحب سیر سلوک ہو گئے ہیں۔"

پشاور کے ساوات میں یہ قاعدہ ہے کہ جب ان ساوات میں میت ہو جائے تو جنازے کے آگے ذکر الہی کے حلقے کرتے ہوئے میت کو شہر کے دروازے تک پہنچا کر وعا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے خانہ دان میں ایک میت ہو گئی، جنازہ کو کھانے کے سامنے پہنچا۔ میت کے آگے آپ کا حلقہ زکرا ذکر الہی میں مصروف تھا۔ آپ حلقہ کے وسط میں مراقب تھے۔ حلقہ میں چیف جسٹس جناب شیخ عبد الحمید صاحب کے والد شیخ غلام رسول صاحب مرحوم و بعد و حال میں مصروف تھے۔ تحصیل کے دروازہ پر ایک پولیس کا سپاہی ڈیوٹی پر تھا وہ جناب شیخ صاحب مرحوم کے و بعد و قرض پر مذاق

۱۔ الحمد للہ کہ آج کے دن تک آپ کی خانقاہ قائم ہے اور اسی طرح عرس ہوتے ہیں۔

۲۔ ص ۱۱۶۔ ۳۔ آقا سید بزرگ شاہ صاحب گنج والے کی اہلیہ تھی۔

اور عینسی کر رہا تھا۔ آپ نے مراقبہ سے سزاٹھا کر اس سپاہی کی طرف دیکھا اس کی حالت
 اور عینسی کو دیکھا۔ جناب آقا صاحب مرحوم نے اس پر توجہ فرمائی۔ آپ کے دیکھنے
 کے ساتھ ہی وہ سپاہی بے حد متعجب و مدعی کے حلقہ ذکر میں وہجد و حال میں مصروف
 ہو گیا اور روتا پیٹتا رہا۔ آپ نے اس کو حلقہ سے باہر نکلوا دیا۔ سپاہی کے حوالے
 بجا نہ رہے اور وہ تھانہ میں بھی بدستور روتا پیٹتا رہا۔ آخر پولیس افسران اس کو
 لے کر دوبارہ حلقہ ذکر میں لائے۔ اس وقت میت چوک قصا باں کے قریب
 پہنچ چکی تھی۔ آپ نے اس کی طرف نظر کرم سے دیکھا اور وہ شخص ہوش میں آ گیا۔
 اور اس سے وہ کیفیت جانتی رہی۔ آپ نے اس کو نصیحت فرمائی کہ اللہ والی
 مخلوق پر مت ہنساکرو، اور فرمایا

خاکسارانِ جہاں را بخت سارت منگر

تو چہ دانی کہ دیدی گرو سوارے باشد

پشاور شہر اور لاہور میں آپ کے مریدین کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ ہر طبقہ کے افراد
 آپ سے عقیدت رکھتے اور آپ سے اصلاح پذیر ہوتے۔ جہاں پر آپ فقرا اور
 متوسط طبقہ کی اصلاح فرماتے۔ وہاں پر آپ اُمراء اور حکام کی بھی اصلاح فرماتے
 چنانچہ صوبہ سرحد کے اعلیٰ حاکم جناب کریل محمد اسلم خاں آپ کی خدمت میں حاضر ہونا
 اپنی سعادت سمجھتے اور خان بہادر غلام محمدانی خان صاحب سے آپ کے اتنے معتقد
 تھے کہ انھوں نے اپنی دو صاحبزادیاں آپ کے ہر دو صاحبزادگان کے حوالہ عقد
 میں دیں۔ اسی طرح پشاور کے سردار خیل اور قاضی خیل اور دوسرے کئی خاندان آپ
 کے حلقہ مریدین میں داخل ہوئے۔ آپ کے وجود سے سلسلہ عالیہ چشتیہ کو صوبہ سرحد

میں اس دور میں کافی ترقی ہوئی۔ اس وقت اس علاقہ میں اس مبارک سلسلہ کا کوئی شیخ نہیں تھا جو طریقہ شریف کی تبلیغ و ترویج کرتا، اور اس سلسلہ کی اشاعت اس علاقہ میں ایک بہت ہی مشکل اور کٹھن کام تھا۔ اس علاقہ پر طریقہ قادریہ اور نقشبندیہ کا انتہائی اثر و نفوذ تھا خصوصاً سلسلہ سوات صاحب جو اپنے آپ کو "قادریہ نقشبندیہ زاہدیہ" سے نسبت کرتے تھے۔ سماع کا سننا انتہائی گراہی اور بے دینی سمجھتے تھے۔ آپ نے اس ماحول میں (جبکہ پرانے تو تھے ہی، دشمن ایٹوں سے بھی بحث مباحث اور بسا اوقات مناظرہ تک نوبت آتی) ہمت و استقلال اور اخلاق حمیدہ کے ساتھ اس سلسلہ کو گھر گھر پہنچایا اور وجد و حال کی مجالس کو قائم رکھا۔

آپ کرامات کے اظہار کرنے میں بہت ہی محتاط تھے، اور اگر آپ سے کوئی کرامت صادر ہو جاتی تو بھی اس کی نسبت اپنی طرف نہ فرماتے۔ اور اولیاء کا یہی طریقہ کار رہا ہے۔ ہزاروں مکشوفات اور کرامات آپ کے مشہور ہیں۔ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب کی صورت بن جاتی ہے۔ آپ کی اکثر کرامات اصلاح حال پر مبنی تھیں۔

آپ کے تصرفات کا یہ عالم تھا کہ ادھر آپ نے توجہ فرمائی اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے وہ کام پورا فرما دیا۔ آپ کے روحانی کمالات کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جو آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا ہو۔ آپ کے ایک مرید بیان فرماتے ہیں کہ مجلس سماع میں جس وقت آپ توجہ فرماتے تھے تو سانس سیر فی اللہ اور سیرج اللہ میں مصروف ہو جاتے اور یہ تمام آپ کی نظر کرم اور توجہ کاملہ کی طفیل ہوتا۔

آپ نے بہت سفر کئے۔ حج کا سفر اپنے شیخ گرامی حضرت آغا سید پیر جان صاحب

مراہ کیا، اور جس جگہ اور جس شہر میں بھی سنا کہ کوئی اللہ کا نیک بندہ ہے آپ وہاں پہنچتے اور اُس شخص کی ملاقات کرتے۔ آپ نے سنا کہ گوالیار میں ایک فقیر ہے۔

آپ نے رخصت سفر باندھ کر گوالیار کی راہ لی اور اس حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ جب آپ اُس کو ملے تو وہ بہت ہی شوش ہوئے۔ حکیم حسن صاحب نے فرمایا کہ یہ شخص کون ہے؟

”چنانچہ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ بس دنیا میں صرف ایک شخص یعنی فقیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے۔ جو بالکل حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کے قدم مبارک پر قدم رکھ کر چل رہے ہیں۔“

اور فقیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے متعلق یہ فرمایا کہ

”سید صاحب آپ کی ہستی کا کوئی بزرگ ہندوستان میں نہیں ہے۔“

اور مزہبی کوئی آپ کی تسلی کر سکتا ہے۔“

آپ نے ان سے خوب فیض باطنی حاصل کیا۔ حضرت شیخ المشائخ میاں شیر محمد شہر پوری بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ بلکہ آپ کو ایک بار شہر پور شریف آسٹہ کی طرف

دی اور آپ شہر پور بھی لے گئے۔ جلال پور شریف میں آپ حضرت سید حیدر شاہ صاحب سجادہ نشین سے ملے۔ یہ آپ کے پیر بھائی تھے یعنی خواجہ شمس الدین صاحب

رحمۃ اللہ علیہ سیالوی کے مرید تھے۔ حضرت قبلہ عالم پیر مر علی شاہ صاحب گڑھوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آپ کی اکثر ملاقات رہتی۔ لاہور میں حضرت مولانا مولوی غلام قادر

صاحب بھیروی خطیب مسجد بیگم شاہی (یہ بھی حضرت سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے)

۱۔ حکیم صاحب موصوف نے ایک کتاب انوار الشیخ فی تذکرۃ الشیخ آپ کے حالات میں لکھی ہے جو مطبوعہ لاہور

اور جناب مولانا مولوی سراج الدین صاحب چشتی جو کہ لاہور کے اکابر علماء سے تھے۔ آپ کے پاس آیا کرتے اور فیض و برکات حاصل کرتے۔ موہڑہ شریف میں اس وقت جناب پیر قاسم صاحب نقشبندی زندہ تھے۔ آپ ان کی ملاقات کے لئے بھی شریف لے گئے۔ مگر ان کی گفتگو سے آپ کی تسلی نہیں ہوئی۔ کشمیر کی سیاحت کی۔ اولیاء کرام کے مزارات پر حاضر ہوئے اور بزرگ شخصیتوں سے ملاقاتیں بھی کیں۔ حکیم حسن محمد صاحب لکھتے ہیں۔

”قاضی فضل حق صاحب چمنپوری بیان کرتے ہیں کہ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ قاضی صاحب آدمی کو ایسا ہونا چاہیے کہ اگر ستر صوفیوں کے درمیان بیٹھا ہو تو ہر ایک کے باطن پر نظر ہو، اور ہر ایک کے دل کی گہرائی کو دیکھ رہا ہو، اور اس کے دل کو وہ ستر صوفی نہ دیکھ سکیں۔ چنانچہ اس بات کے ثبوت میں حضرت میاں صاحب شترپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاضی تمہارے دل کو میں اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے پتھیلی۔ لیکن حضرت قبلہ عالم کے قلب کی طرف جب خیالی کرتا ہوں تو میرے دل کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے کہ میری نظر باطنی وہاں پہنچ ہی نہیں سکتی۔“

”قاضی فضل حق صاحب چمنپوری نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں پشاور میں حاضر ہوا تھا کہ ایک مولوی یا عثمانی صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر تھے اور انھوں

لہ انوار الشیخ فی تذکرۃ الشیخ (دہلی) ص ۱۹۹ قاضی فضل حق صاحب آپ کے صاحب مجاز خلیفہ تھے اور

نہایت ہی مؤدب، متواضع صاحب اخلاق حمیدہ بزرگ تھے۔ اپنے شیخ کے عشق میں ہر وقت مستغرق رہتے۔

نے توحید کے بارے میں عرض کیا کہ اولیاء اللہ کے اندر جب اللہ تعالیٰ کا نور روشن ہو جاتا ہے۔ تو بندہ بندہ نہیں رہتا بلکہ خدا ہو جاتا ہے۔ حضرت قبلہ عالم نے فراتھوڑی ویر خاموشی اختیار کر کے ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب فراسورجی کرکلام کرو، یہ مقام توحید ہے۔ آپ اس کی کیفیت نہیں سمجھ سکتے اور آپ نے فرمایا غور کرو کہ جب بندہ بندہ ہے تو خدا کیسے ہو گیا۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور جب کسی مکان میں چراغ روشن کرویا جاتے تو روشنی ہو جاتی ہے۔ یہی حالت اولیاء اللہ کی ہوتی ہے۔ آپ نے فوراً فرمایا مولیٰنا جب چراغ بجھا دیا جاتا ہے تو پھر اندھیرا کہاں سے آجاتا ہے۔ گویا اندھیرا اندھری موجود تھا کہیں نکل نہیں جاتا۔ مطلب یہ ہوا کہ بندہ بندہ ہے اور خدا خدا ہے۔ اگر نورانیت پیدا ہو جائے تو پھر بھی بندہ بندہ ہی رہتا ہے۔

چودہ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ بروز پیر آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے انتقال پر تمام پشاور کے بازار بند کئے گئے۔ ہر شخص اشک بار نظر آتا تھا۔ جنازہ پرا تباہا ہجوم تھا کہ بہت مشکل سے کندھا دینے کا موقع ملا۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک کا اسم گرامی سید محمد سعید جان صاحب المعروف آغا جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے کا نام نامی واسم گرامی سید محمد حسین صاحب المعروف آغا گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

آغا سید محمد سعید جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہایت ہی خوبصورت، باارکھب اور انتہائی صاحب عقل سلیم تھے۔ نہایت ہی پاکیزہ اور مستحضر لباس زیب تن کرتے۔ علمی لحاظ سے ایک بلند پایہ محقق عالم تھے۔ علوم متداولہ کی تکمیل کی ہوئی تھی۔ حضرت مولانا لطف اللہ صاحب علیگرہی سے حدیث و ادب پڑھا تھا۔ بے نظیر فقیر تھے۔ نہایت متقی، پرہیزگار پابند رسوم و عبادت تھے۔ شاہانہ زندگی بسر کی۔ لاوطنیقت میں نیز گام، حقیقت و معرفت

کے روز و حقائق کے عالم اور شعرائے متصوفین کے کلام پر کافی عبور تھا۔ ۵۶ برس کی عمر میں ۱۹۳۵ء کو انتقال کیا۔

جناب آغا سید شریف حسین صاحب صاحب سجادہ ہوئے جو آپ کے بڑے فرزند تھے۔ آپ کے دوسرے فرزند سید حسن سعید صاحب بنی الیس۔ سی ہیں اور وہ جھنگلا میں ڈسٹرکٹ فارسٹ آفیسر ہیں۔

جناب آقا سید سکندر شاہ صاحب کے دوسرے صاحبزادے آغا سید نذیر حسین صاحب المعروف آغا گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم، فقیہ اور معقولی تھے۔ بڑے بڑے اکابر علماء سے تکمیل علوم کیا۔ مگر آپ کی طبیعت مبارک پرسوز و گداز اور عشق الہی کا جذبہ غالب تھا۔ فراغت تعلیم کے بعد آپ کی زندگی کا اکثر حصہ استغراق اور محویت میں گذرا۔ جب آپ پر یہ عالم طاری ہوتا تو آپ دنیا و مافیہا سے بالکل بے فکر ہو جاتے بیوی صاحبہ، بچوں، احباب اور مریدین سے قطع تعلق ہو جاتا، اور بے خبری کے عالم میں کئی کئی مہینے بلکہ سال تک گذر جاتے۔ آخری مرتبہ ۱۳۴۷ھ میں جب یہ عالم اور ہوا تو پھر ماہ تک نہ کھانے کی خبر نہ پینے کا علم۔ بلکہ آپ نے نہ چھوٹا پیشاب کیا اور نہ بڑا۔ اسی عالم میں حضرت نور المشائخ ملا صاحب شور بانزار رحمۃ اللہ علیہ آپ کو دیکھنے کے لئے چوئیاں (قصور پنجاہ) تشریف لے گئے، مگر آپ نے کوئی بات وغیرہ نہیں کی۔ حضرت نور المشائخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے لئے دعا کی اور واپس ہوئے۔ اسی استغراقی کیفیت میں ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں انتقال فرمایا۔ حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں پہلو کے قریب دفن کئے گئے۔ آپ کے دو صاحبزادے ہیں ایک کا نام سید احمد شاہ صاحب بنی الیس اور دوسرے کا نام علی جواد صاحب ہے۔

فخر المجاہدین شیخ المشایخ حضرت فضل احمد علی صاحب جہاد ترمگزی

۱۲۶۸ھ تا ۱۳۵۶ھ

آنجناب کا نام نامی واسم گرامی فضل واحد، لقب فخر المجاہدین، شیخ الافغانہ اور مشہور حاجی ترمگزی ہے۔ آپ پیر پورہ کی نسل سے اور خاندان پیران ترمگزی سے ہیں۔

آپ کی پیدائش اسی گاؤں میں ۱۲۶۸ھ میں ہوئی۔ ابتدائی دینی تعلیم کے حصول کے بعد علاقہ آزاو قبائل کے مشہور و معروف مجاہد کبیر عالم اہل، صاحب استقامت و کرامت حضرت نجم الدین صاحب المعروف "ہڈہ ملا صاحب" کی خدمت میں بمقام چمپر کونڈ حاضر ہوئے اور مرید ہوئے۔ کافی عرصہ مرشد عالی مقام کی خدمت میں رہ کر مجاہدات و ریاضات کئے۔ ذکر و فکر، مراقبہ و مشاہدہ میں مصروف رہے۔ نیز اپنے مرشد گرامی مرشد کی معیت میں انگریزوں کے خلاف جہاد میں بھی مصروف رہے۔ جناب مجاہد اعظم "ہڈہ ملا صاحب" کی وفات کے بعد سلسلہ مبارکہ کے باقی اسباق اپنے پیر و مرشد کے

۱۔ موضع ترمگزی، تحصیل چارسدہ میں چارسدہ سے تقریباً اڑھائی تین میل پر ایک گاؤں ہے۔

۲۔ آپ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت، اخوان سوات صاحب کے خلیفہ تھے۔

خلیفہ عجاز جناب حضرت عمونی صاحب نور اللہ مرقدہ سے کلمہ کر کے صاحب عجاز اور
معین ہوئے۔

صاحب عجاز نے ہونے کے بعد ارشاد و تبلیغ شروع کر دی، اور اپنے گاؤں توگڑی
میں سلسلہ عالیہ قادریہ کا "لنگر" جاری کر دیا۔ آپ اپنے گاؤں میں بیٹھے نہیں بلکہ اصلاح
اعمال اور تہذیب نفوس کے لئے گاؤں گاؤں پھرے۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ آکر
داخل بیعت ہوئے اور ذکر الہی میں مشغول ہو گئے۔

آپ نے اپنے مشائخ کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے طریقہ پر چلتے ہوئے
"امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کا سلسلہ شروع کر دیا غیر اسلامی مراسم اور بدعات
کے خلاف عمل کیا۔ عقیدہ بیگانہ رو اتے، ایک ایک دہان میں بغیر کسی قسم کی خوشیاں
منانے کے چالیس چالیس ختنے کرواتے۔ لوگوں کے جھگڑے اور تنازعات شریعت
محدیہ کے مطابق فیصلہ کرتے۔ آپ کے یہ ساجی جمیلہ دیکھ کر علماء کا ایک خاصہ گروہ آپ
کے گرد جمع ہو گیا۔ جن کو آپ نے مختلف مرکزی مقامات پر مدارس بنا کر مدرس کر کے
مخلوق خدا کی ہدایت کے لئے مامور فرما دیا۔ نیز آپ نے ان تمام علماء اور فقہاء کو ایک منظم
صورت سے گرفتاری کی ایک تحریک شروع کر دی۔ آپ نے ایک تعلیمی بورڈ
بنا یا جو کہ پچاس مدارس اور ایک مرکزی دارالعلوم (جو گندہ کے مقام پر تھا) کی کلمہ نگاری کرتا
اس مجلس میں چیدہ چیدہ علماء اور انگریزی تعلیم یافتہ حضرات تھے۔ وہ مجلس ان حضرات
پر مشتمل تھی۔

- ۱ - تاج الدین صاحب بی۔ اے ، سکند بخداوہ مروان۔
- ۲ - مولانا مولوی شاکر اللہ صاحب ، سکند اتانزئی۔
- ۳ - مولانا مولوی قاضی سمیع الحق صاحب کڑوی۔
- ۴ - مولانا مولوی قاری عبدالستعان صاحب ، اکبر پورہ۔
- ۵ - مولانا مولوی سید زمان شاہ صاحب ساکن لاہور ، تحصیل صوابی۔
- ۶ - مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب ، اتان زئی۔

ان میں سے کچھ تو آپ کے ساتھ بعد میں ہجرت کر گئے اور کچھ انگریزوں کی جیلوں میں فوت ہو گئے۔ ان مدارس میں نصابِ تعلیم عربی ، اردو ، فارسی ، حساب ، جغرافیہ ، تاریخ ، وینیات ، طبیعیات اور انگریزی تھا۔ مذہبی تعلیم لازمی مضمون تھا۔ ۱۹۰۸ء سے لے کر ۱۹۱۳ء تک یہ تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ جب آپ نے ۱۹۱۳ء میں ہجرت کی تو یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔

آپ کی ان سرگرمیوں کو فرنگیوں نے بہت ہی مشکوک نظروں سے دیکھا اور ۱۹۱۰ء میں آپ کو بھرہ رفقار کے گرفتار کر لیا۔ پھر آپ کو ضمانت پر رہا کر دیا۔ مگر آپ کے رفقار کو تین تین سال قید کر دیا۔ اس عرصہ میں آپ کو بڑی بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، مگر آپ کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش پیدا نہیں ہوئی۔

۱۹۱۳ء میں سر صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب نے عبویہ سرحد میں ایک کالج کھولنے کا انتظام و انصرام کیا۔ چند مقتدر اور معتد حضرات بمقام حاجی آباد یعنی آپ کی خانقاہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہم عبویہ سرحد میں ایک اسلامی دارالعلوم بنانا چاہتے ہیں اس لئے آپ بنفس نفیس اس دارالعلوم کی سنگ بنیاد رکھیں۔ اس وقت میں

پشاور شہر کے مشہور و معروف تاجمیر سیمٹی کریم بخش صاحب مرحوم بھی تھے جنہوں نے
 اسلامیہ کالج کی جامع مسجد کی تعمیر کا ذمہ لیا تھا۔ انہوں نے آپ کو بہت مجبور کیا کہ اس
 مسجد کا سنگ بنیاد آپ ہی رکھیں گے۔ آپ نے منظور کر لیا۔ تاریخ مقرر پر آپ بمبہ
 اپنے رفقاء کے پہنچ گئے۔ مگر انگریزی تعلیم کے مقابلہ میں دینی تعلیم کے نہ ہونے پر آپ نے
 سنگ بنیاد رکھنے سے انکار کر دیا، اور بھرے اجتماع سے ہر منہ غلغلی کے اٹھ کر
 چلے گئے۔ اسی روز آپ کافر ڈھیری سے براستہ متھرا، میاں گجر، بانڈو ملا خان قشور لہیا
 لے گئے۔ رات وہاں قیام کیا اور صبح کو براستہ نستہ، ترنگڑی پہنچے، آپ اس وقت
 سفید گھوڑی پر سوار تھے۔ اب ارباب حکومت نے آپ کے خلاف ایک انتقامی
 صورت اختیار کر لی، اور آپ کی تبلیغ، اصلاح اور ارشاد پر کڑی نگرانی رکھ کر آپ کو
 بہت زیادہ پریشان کیا گیا یہاں تک کہ پھر آپ کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے گئے
 آپ کو جب اس بات کا علم ہوا۔ تو آپ بعد اپنے بیٹوں فرزندوں اور بعض رفقاء
 کے اپنے آبائی وطن سے ہجرت کر کے علاقہ آزاد کے ہمند قبائل کی بے آب و گیاہ
 پہاڑیوں کی طرف کوچ کر گئے۔ انگریزوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں نے اس مرد مومن کی مسجد
 کی دیواروں کو مسمار کر دیا۔ اس بیکر صداقت و استقامت کی زمین کوڑیوں کے مول نہلا
 کر دی گئی۔ آپ کا تعاقب کیا گیا مگر اللہ تعالیٰ کی امداد سے آپ برطانیہ کی عملداری سے
 بچریت نکل گئے۔

۱۰ پھر غالباً خواجہ عبدالرحمن صاحب چھوڑی (ہری پور) نے سنگ بنیاد رکھا۔

۱۱ بانڈو ملا خان میں الحاج ملک محمد زین صاحب مرحوم کے ہاں وہاں تھے۔

حضرت حاجی صاحب نے علاقہ آزاد ہند میں اپنا مرکز قائم کر کے سلسلہ رشیدیہ ^{بیت} شروع کر دیا۔ لنگر بھی جاری کیا۔ جس طرح نرنگڑی میں اڑوہام تھا اب اس سے بڑھ چڑھ کر لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ آپ ارشاد و تبلیغ کے لئے بنیر، باجوڑ اور دیگر قبائل میں بھی تشریف لے جاتے۔ انگریزوں کے لئے آپ کا ان پہاڑوں میں نکل جانا بہت بڑے خطرے کا باعث سمجھا جانے لگا۔ اور فرنگی کا طریقہ ہے کہ ایک چیز کا سرا و دوسری چیز سے ملاتا رہتا ہے۔ انہوں نے اپنے سازشی و مبالغہ سے حاجی صاحب کو بھی ایک چالباز سیاسی آدمی سمجھ رکھا تھا (استغفر اللہ) اور وہ آپ کو ہندوستانی ہندوؤں کا ایجنٹ سمجھ کر آپ کو پریشان کرتے تھے۔ حالانکہ آپ فریب ناوار، مجلس، مفکر، الحالی اور دین اسلام سے غافل مسلمان کی اصلاح کر کے اُس کو اپنے پاؤں پر خود کھڑا کرنے چاہتے تھے۔ اور مصالح اور لیڈران کے نقش قدم پر چلنا اپنے لئے عزت اور فخر سمجھتے تھے۔ آپ کا اپنا طریق تبلیغ تھا، اپنا سلسلہ طریقت تھا اپنا طریق جہاد تھا۔ اور ^{نہایت} دوستی کا اپنا طریق درس تھا۔ آپ اپنے مشائخ حضرت امام المجاہدین اخوان صاحب سوات، حضرت مجاہد اعظم ہڈہ ملا صاحب وغیرہ وغیرہ کے طریق ہدایت کے پیرو تھے۔ ان کا اپنا معرفت الہی کے حصول کا نبوی طریقہ تھا۔ ان کے اپنے وطن کا اپنا ماحول تھا جس کو سمجھ کر وہ خود اپنے مسائل کو حل کرتے تھے۔ کسی ہندوستانی کے پیرو یا مقلد نہیں تھے۔ بلکہ افغان قوم کو اسلام کی برادری کی بنا پر متحد و متفق کرنا آپ کا کام تھا۔ اسی لئے آپ ”شیخ الافغاندا“ کہلاتے۔

آپ نے ہجرت کے بعد تمام آزاد قبائل میں سلسلہ عالیہ قادریہ کا فیض عام کیا۔ بڑے بڑے علماء ملک خوانیں اور اُمراء آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔

آپ کے اس اثر و نفوذ سے انگریزوں کی خارجہ پالیسی جو آزاد قبائل کے بارے میں
 تھی، کو مستقل خطرہ لاحق ہو گیا، آپ کے بغیر کے قیام میں انگریزوں نے بھاری فوج کے
 ساتھ بغیر پر حملہ کر دیا۔ حضرت شیخ الافاضل رحمۃ اللہ علیہ جمعہ مریدین مخلصین اور معتقدین
 کے بمقام ”سرکاوی“ انگریزی فوج کے مقابل ہوئے۔ مسلمانوں کے اس لشکر کا سپہ سالار
 حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا صاحبزادہ جناب فضل اکبر المعروف بادشاہ گل
 صاحب مدظلہ، العالی تھے۔ اس لڑائی میں پشاور شہر کے مشہور سیاسی کارکن اور مجاہد حکیم
 محمد اسلم بھٹائی اکبر پورہ کے مشہور عالم قاری محمد ادریس صاحب مرحوم، ٹیپارہ کے قاضی
 شیر رحمان اور سید توران شاہ وغیرہ وغیرہ کافی اصحاب شریک تھے۔ اس لڑائی میں اللہ
 تعالیٰ نے مجاہدین کو فتح و نصرت عطا فرمائی اور انگریزوں کو شکست فاش نصیب ہوئی۔
 اس شکست کے بعد انگریزوں نے دولت کے خزانے کھول دیئے۔ علاقہ بغیر کے خواتین
 اور ملکوں نے چھ ماہ تک تو آپ کا ساتھ دیا، مگر پھر دولت کے لالچ نے ان کو اندھا کر
 دیا، اور انھوں نے آپ کا ساتھ نہ دیا۔ آپ بغیر سے نکل کر سوات تشریف لاتے۔
 سوات کے لوگوں نے آپ کی آؤ بھگت بہت کی۔ مگر جہاد کی فضا سازگار نہ دیکھ کر
 آپ ریاست ویر تشریف لے گئے۔ نواب ویر نے انتہائی گرم جوشی کے ساتھ آپ
 کا استقبال کر کے نہایت ہی مایوسانہ جواب دیا۔ آپ نواب کے ہاں نہ ٹھہرے اور
 قافلہ آزاد قبائل ہمند کی سینکڑوں میل با پیادہ سفر طے کرتے ہوئے مجاہد آباد چمکنڈ میں
 آکر رکھا۔ آپ نے مجاہد آباد میں بیٹھ کر قبائل کی طرف وفود بھیجے، اور جہاد کے لئے
 ایک منظم تحریک چلانے کے وسائل پر غور کیا۔ آپ نے حضرت مجاہد کبیر نجم الدین صاحب
 المعروف بڑہ ملا صاحب کے بزرگ اور مقدس خلفاء کو دعوت نامے لکھے۔ ان مجاہدین

کے اسمار یہ ہیں :-

ملا صاحب چکنور، ملا صاحب تگاو، ملا صاحب ماگرہ، ملا صاحب سرکائی،
 بادشاہ صاحب اسلام پور اور امینا و صاحب ہڈہ شریف، ان تمام حضرات نے آپ
 کی دعوت کو قبول کیا۔ سرداران قبائل ہمندر، موسیٰ خیل، صافی، کوڈا خیل، قندھاری،
 عیلم زئی اور ترک زئی بھی آپ کی دعوت پر مجاہد آباد پہنچ گئے۔ ان تمام مشائخ اور سرداروں
 نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ ہمندروں میں مستقل سکونت اختیار کریں۔ حاجی صاحب نے
 فرمایا کہ ”میر انصیب العین جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اور مخالفتِ برطانیہ، انگریزوں نے
 علاقہ پٹیہ میں میری تحریک کو ناکام بنانے کے لئے دولت کے ڈھیر لگا دیئے اور لوگوں سے
 دولت کے لالچ میں آکر مجھے اور میرے رفقاء کو تکلیف پہنچائی۔ مجھ اور مجھے غیر سوات
 اور دیپہ کو چھوڑنا پڑا، اگر آپ لوگ دولت کی لالچ میں آکر میدانِ جہاد سے فرار اختیار
 کر لیں تو اسی صورت میں بھی بہتر ہوگا کہ آپ مجھے اسی جگہ یعنی مجاہد آباد میں آرام سے
 رہنے دیں اور واپس چلے جائیں۔“

تمام قبائل کے سرداروں نے آپ کو یقین دلایا اور ایک تحریکی مجاہدہ پر تمام علماء
 مشائخ اور سرداران قبائل نے دستخط کر دیئے۔ اسی وعدہ کے مطابق حضرت حاجی صاحب
 اس جگہ پر جہاں کہ اب اپنی آخری آرام گاہ ہے یعنی ”غازی آباد“ میں مستقل سکونت اختیار
 کر لی۔ اس جگہ آپ کو بہت تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مگر ایک تکلیف

لے ”غازی آباد“ کا اصلی نام ”سرخ کڑ“ ہے۔ سرخ کڑ ایک خشک پہاڑی ہے۔ جس کے ارد گرد

تینوں طرف بلند بلند فلک بوس پہاڑ ہیں۔ زمین بہت سخت پتھریلی ہے :-

بہت ہی پریشان کن تھی اور وہ یہ کہ اس مقام پر پانی نہیں تھا صرف ایک معمولی سا چشمہ
 تھا جس کے گرد جناب گڈ ملاء صاحب نے ایک چھوٹا سا تالاب بنا رکھا تھا اس میں
 پانی جمع ہوتا تھا تو کل بارہ آدمی اس سے وضو بناتے تھے۔ آپ کا یہ قافلہ ایک سو بیس
 افراد پر مشتمل تھا اور پانی مشکیزوں میں بہت دُور سے لایا جاتا جو کہ ایک جانگاہ مستحق
 جناب حضرت حاجی صاحب ایک دن صبح کی نماز کے بعد ان ساتھیوں کو ساتھ
 لے کر اس چشمہ آب پر تشریف لائے۔ آپ نے دعا فرمائی اور اپنے دست مبارک کو
 اس چشمہ کے منہ پر رکھ کر یہ دعا پڑھی یا مُفْتِحِ الْاِبْوَابِ الْخَيْرِ وَالْحَمْدُ
 آپ نے جب دست مبارک اٹھایا تو اللہ تعالیٰ نے اس چشمہ کے سوتے کھول دیئے
 وہ چشمہ جس سے تمام دن میں پانی جمع کرنے کے بعد صرف بارہ آدمی وضو کرتے تھے۔
 اب اسی چشمہ سے آپ کی کرامت سے ۴۰ پن چکیاں چل رہی ہیں اور اس کے گرد و زح
 کی زمین تقریباً ۴۰ میل تک اس چشمہ سے سیراب ہو رہی ہے۔ خَالِكٌ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهَا
 مِنْ شَاءِ ط -

۱۰ گڈ ملاء صاحب کی شخصیت بھی عجیب و غریب شخصیت تھی۔ یہ صاحب اس شرح کریں کافی عرصہ سے
 مقیم تھے۔ تقریباً حاجی صاحب کی اس جگہ کے آمد سے پہلے یہ صوفی فقیر منس بزرگ ۲۰ برس پہلے یہاں پر ایک بہت
 بڑی مسجد تعمیر کر رہا تھا۔ آپ کے ساتھیوں نے آپ کو کہا کہ حضرت یہاں پر عید اور جمعہ کو بھی دس بارہ آدمی ہوتے ہیں
 تو اتنی بڑی مسجد کی کیا ضرورت، آپ نے فرمایا! کہ اس مسجد کو اللہ تعالیٰ ایک عظیم المرتبہ انسان عطا فرمائے گا،
 جس کی وجہ سے یہاں اس قدر ہجوم ہوگا کہ یہ مسجد بھی اس کو ناکافی ہوگی۔ آپ کا یہ کشف حاجی صاحب کی تشریف آوری
 پر سچا ثابت ہو گیا کہ اس مسجد میں تلی دھرنے کو جگہ نہ تھی۔

آپ نے تبلیغ شروع کر دی۔ وہی ”امر بالمعروف“ اور ”نہی عن المنکر“ ہو رہا ہے۔ وہ پہا
 اللہ تعالیٰ کے ذکر سے گمراہ رہے ہیں، مجاہدات و ریاضت ہو رہی ہے۔ ہر طرف سے
 یاو الہی کی مقناطیسی قوت لوگوں کو کشاں کشاں کھینچ رہی ہے۔ انگریز اسی طرح اپنی
 سازشوں اور چالوں سے باز نہیں آتا۔ اگر رحمانی طاقت انسان کی اصلاح و فلاح کے
 لئے جدوجہد میں مصروف ہے تو دوسری طاقت شیطانی طاقت تباہی و بربادی پر کمر بستہ
 ہے۔ یہ دستور جہاں ہے۔

موسى و سرعون ، شبیر و بنید

این دو قوت از حیات آید پدید

انگریزوں نے قبائل میں تشقت و افتراق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ انہی قبائل میں
 سے ایک قبیلہ کو آپ کے خلاف بھڑکایا۔ آپ یہ تمام سازش جانتے تھے۔ آپ نے
 جہاد کی تیاری شروع کر دی۔ آپ نے راستہ ”حافظ کور“ قلعہ شیب قدر پر جہاں
 انگریز اس قبیلہ کے ساتھ مل کر ان مجاہدین کے خلاف منصوبے بنا رہے تھے حملہ کر دیا۔ اعلانِ عام کر دیا۔
 قبیلہ کے چند افراد آپ کے مقابلہ پر آئے، آپ نے اعلانِ عام کر دیا۔

”چونکہ ہم جہاد کر رہے ہیں اس لئے جو مسلمان قبیلہ بھی انگریزوں کے ساتھ
 مل کر ہمارے مقابلہ میں آئے گا وہ مسلمانوں کا اور اسلام کا دشمن منقسم ہوگا۔
 اس کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوگا جو کافروں کے ساتھ ہوگا۔“

جب اس قبیلہ کے ان افراد نے یہ اعلان سنا تو وہ فوراً انگریزوں کا ساتھ چھوڑ کر میدان
 سے لوٹ آئے۔ حضرت حاجی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے لڑائی میں فتح و ظفر عطا فرمایا۔
 دشمن ہزیمت اٹھا کر واپس ہوا۔ یہ لڑائی ۱۹۱۶ء میں ہوئی۔ اس ہزیمت کا اثر حکومت

سمر حد پر بہت بڑا پڑا، حکومت کے حواس باختہ ہو گئے۔ اگر اس وقت صوبہ سرحد میں غلام کا کوئی بھی خواہ لیڈر ہوتا تو ایک مکمل انقلاب برپا ہو سکتا تھا۔ جس کی وجہ سے صوبہ سرحد سے انگریزی حکومت کا جنازہ نکل جاتا۔

جب انگریزوں کی اور افغانستان کی تیسری جنگ شروع ہوئی تو یہ مجاہد فی سبیل اللہ نے اپنی ٹوٹ کر کے افغانستان کی حمایت میں میدان میں نکل آیا۔ اور حکومت برطانیہ کے علاقے میں بمقام "گنبد" داخل ہو گیا۔ مگر انگریزوں نے جن قبائل کو اپنی مدد کے لئے حاصل کیا تھا وہ اڑے آئے۔ اور آپ کو ان قبائل کی وجہ سے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی اور آپ واپس لوٹ آئے۔

۱۹۲۶ء میں حکومت برطانیہ نے ان تمام خطرات پر قابو پانے کے لئے جو اس کو شمال مغرب کی طرف سے ہو سکتے تھے، ہمدردوں کے علاقے میں سڑکیں تعمیر کرنی شروع کر دیں۔ ادھر یورپ میں جنگ چھڑی ہوئی تھی، آپ نے تمام قبائل کو جمع کیا اور ان سڑکوں کی تعمیر کا پس منظر بتایا اور سمجھایا۔ قبائل بھی یہ برداشت نہیں کرتے تھے کہ ان پر انگریزوں کا کوئی سیاسی یا اقتصادی اقتدار ہو۔ ان تمام قبائل نے آپ کے ساتھ مل کر جہاد کا عہد و پیمانہ باندھا، اور فیصلہ کیا کہ اس سے پہلے کہ انگریزوں پر حملہ کیا جائے ان قبائل کے خلاف قدم اٹھایا جائے جنہوں نے انگریزوں کی حمایت میں دولت ایمان کو فروخت کر رکھا ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۷ء میں ان قبائل پر ہلہ بول دیا۔ وہ قبائل متقابلہ کی تاب نہ لا کر انگریزوں کے پاس پناہ گزیں ہو گئے۔ انگریزوں نے وفادار قبائل کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ اس قبائلی جھڑپوں پر تقریباً چار برس مسلسل گزر گئے، ادھر صوبہ سرحد کے اندر تحریک آزادی پورے عروج پر تھی۔ ۱۹۳۰ء کی سیاسی زندگی ایک

خون سے بھری ہوئی داستان ہے جس پر صوبہ بہرحد کا چپہ چپہ گواہ ہے۔ غریب عوام پر چہرہ
 استبداد، قید و بند، ظلم و جور، کا ایک الم ناک دور تھا جو گذر رہا تھا۔ اور علاقہ آزاہ پر
 خاصاً قبضہ سڑکوں کی تعمیر کے بہانے پر، یہ تمام واقعات حضرت حاجی صاحب
 رحمۃ اللہ علیہ کی مومنانہ فراست کی نظر سے پوشیدہ نہیں تھے۔ علی الاعلان انگریزوں کا ان
 قبائل کی حمایت پر آجانا حضرت شیخ الافاغنه نے اعلان جنگ تصور کر کے اس کو قبول
 کر لیا۔ ۱۹۳۲ء میں آپ نے ایک لشکر حراز تیار کیا۔ اور اس مجاہدین کے لشکر کی قیادت
 حضرت بادشاہ گل صاحب مدظلہ کو سونپی گئی۔ ایک طرف بہار، توپیں، مشین گنیں،
 اور مسلح افواج۔ دوسری طرف پھٹے پڑے کپڑے، ناکافی اسلحہ اور کھانے کے لئے
 سنو۔ مگر ہاں ان تمام طاقتوں پر غالب طاقت جس کا نام اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔ وہ ان
 روزہ دار، ذکر الہی کرنے والوں کے ساتھ تھی۔ اس شرط پر معاہدہ ہو گیا کہ حکومت برطانیہ
 کوئی ایسا کام نہ کرے گی جس سے یہ شک پیدا ہو کہ برطانیہ اس علاقہ پر اپنا کسی قسم کا
 اقتدار پیدا کرنا چاہتی ہے، اور حاجی صاحب کے پیرو حکومت انگلیشیہ کے سرکامٹیوں
 سے تعرض نہ کریں گے۔ مگر انگریزوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور علیم زئی قبیلہ کے
 زیر نگرانی ۱۹۳۳ء میں پھر سڑک کی تعمیر کا منصوبہ تیار کیا۔ حضرت حاجی صاحب نے
 حضرت بادشاہ گل صاحب کے زیر قیادت پندرہ سو مجاہدین کا لشکر بھیجا۔ علیم زئی کے
 گھروں کو نذر آتش کیا، اور موسیٰ خیل کی طرف سے جو سڑکیں بنائی جا رہی تھیں، انھیں
 عملاً بے کار کر دیا۔ انگریزوں نے فوراً توپ خانہ اور مسلح دستے روانہ کر دیئے۔ غریب
 گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ مجاہدین نے شجاعت و ہمت کا ثبوت دیا اور حضرت بادشاہ گل
 صاحب نے شجاعت و دلیری کے وہ کارہائے نمایاں کئے کہ انگریز مسلح پوزیشنوں پر مجبور ہو گئے۔

چنانچہ اس شرط پر صلح ہو گئی کہ ”سٹرک تعمیر نہیں ہوگی“ مگر حکومت برطانیہ نے حسب سابق اپنی طاقت و قوت پر اترنے ہوئے صلح کی اس شرط کو پورا نہ کیا اور تعمیر سٹرک کا منصوبہ پھر تیار کیا۔ چنانچہ مرکزی اسمبلی کے سال ۱۹۳۵ء کے بجٹ میں یہ منصوبہ رکھ دیا گیا۔ ڈاکٹر خانصا مرحوم نے انتہائی شدت کے ساتھ اس سکیم کی مخالفت کی، اور کافی اکثریت کے ساتھ یہ سکیم نامنظور ہوئی۔ مگر وائسرائے نے اپنے خصوصی اختیارات کے ساتھ اس سکیم کو منظور کر لیا۔ جب اس اقد کے مقبول ہونے نے انگریزوں کی وعدہ خلافی کا یہ عالم دیکھا تو اعلان کر دیا کہ برطانیہ کو اپنے کسی بھی عہد و پیمانہ کا پاس نہیں۔ اس لئے آزادی کی جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تمام قبائل جو کہ بہت ہی غریب، نادار اور مفلوک الحال تھے مگر اپنی آزادی کو برقرار رکھنے پر اپنی کسی چیز کی پروا نہیں کرتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب کی آواز پر لیک کہہ کر میدان میں آگئے۔ حضرت بادشاہ گل صاحب کو پھر سپہ سالار بنا دیا گیا۔ آپ لشکر لے کر دیانے سوات کو عبور کر کے آگرہ تک پہنچ گئے۔ انگریز اپنے منصوبہ یعنی ”کھڑپہ“ کی سٹرک کو تعمیر کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ اس مجاہدین کے لشکر نے انگریزوں کے تمام ارادوں پر پانی پھیر دیا۔

آج کھڑپہ کی سٹرک شہدائے اسلام کی شہادت پر گواہی دے رہی ہے اور انگریزوں کی عدویہ و خلافی ہو بس ملک گیری اور مفلوک الحال نادار غریب لوگوں پر بے پناہ ظلم کی یاد تازہ کرواتی ہے۔ جب بھی کوئی سیاح اس سٹرک پر سے گزرے گا تو شہدائے کی بہت و استقامت استقلال و صبر کو سنہری حروف سے لکھے گا۔ اور انگریزوں کی سازشوں چال بازیوں اور ریشہ ووائیوں پر فرین و ملامت کریگا۔ آخر کار یہ افلاک کی وسعتوں میں مسلسل تکبیریں بلند کرنے والا مجاہد اعظم، غوثِ وقت، شیخ المشائخ، شیخ الافغانہ، ارشوال ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۳۷ء بروز منگل ظہر اور عصر کے درمیان بمقام غازی آباد واصل بحق ہوئے۔

خواجہ عبدالرحمن صاحب نقشبندی بہادر گلپشاور

۱۲۷۰ھ تا ۱۳۴۰ھ

آپ کا اسم شریف عبدالرحمن والد کا اسم گرامی فیض محمد صاحب اور "بحر ذخار" کے خطاب سے ملقب تھے۔

آپ کے والد کابل (افغانستان) سے پشاور تشریف لائے۔ اور پشاور کے محلہ گل بادشاہی علاقہ جہانگیر پورہ میں قیام کیا۔ آپ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین جناب پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بنیرمی کی اولاد سے ہیں۔

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم کے زیر سایہ ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد پشاور شہر کے مشہور و معروف محدث علیل حضرت مولانا مولوی محمد الیوب صاحب صفحہ صفحہ رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر کے حضرت علامہ سے سند حدیث حاصل کی۔

یہاں سے تعلیم کے حصول کے بعد آپ نے ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔ لاہور، سہارنپور، دہلی، کانپور، بونے، بونے، کلکتہ پہنچے۔ کلکتہ میں مدرسہ عالیہ میں حضرت مولانا مولوی لطائف گل صاحب

۱۔ مولانا لطائف گل صاحب بھی ضلع پشاور تحصیل نوشہرہ، موضع پیر پائی کے رہنے والے تھے۔

(جو کہ مدد سے تھے) کے درس میں شامل ہو گئے۔ دو برس کے بعد مدرسہ عالیہ کلکتہ ہی میں تدریس کے فرائض انجام دیتے پر مامور ہوئے اور چار برس تک علوم متداولہ کی کتابیں پڑھنے لگے۔ آپ کے علم کا شہرہ تمام برکال میں پھیل گیا۔ یہاں تک کہ علماء نے آپ کو "بکر و خارا" سے مخاطب کیا۔

چونکہ آپ اپنی طور پر زہد و تقویٰ، ریاضت و مجاہدہ آپ کو ورثہ میں ملا تھا اس لئے آپ کی طبیعت میں سلوک و تصوف کو باقاعدہ طور پر حاصل کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔ آپ کلکتہ سے پشاور تشریف لائے اور والدہ صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے علم سے بہرہ ور فرمایا۔ آپ کی والدہ نے فرمایا کہ "بیٹا تم نے علم دین بھرا اللہ حاصل کر لیا ہے۔ اب روحانیت اور سلوک و تصوف حاصل کرنے کسی شیخ کامل کی بیعت کرو"۔ نیز فرمایا۔ "بیٹا! پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر حاضر ہو جاؤ اور جو کچھ وہاں سے ارشاد ہو تمہیں کرو"۔ آپ والدہ کے حکم کے مطابق حضرت شیخ الاسلام والمسلمین پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مزار اقدس پر حاضر ہوئے۔ حضرت پیر بابا صاحب نے آپ کو خواب میں ارشاد فرمایا۔ "مزار زید عبد الرحمن! پشاور میں مسجد شیخان جاؤ وہاں پر ایک شخص سید محمد اصغر شاہ تمہیں ملے گا وہ تمہارا پیر طریقت ہے، اس کے ہاتھ پر بیعت کر لو"۔ آپ پشاور مسجد شیخان پہنچے، تو حضرت سید اصغر شاہ صاحب مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی فرمایا، "بیٹا آؤ،"

سید اصغر شاہ صاحب پیشین علاقہ قندھار کے رہنے والے تھے۔ موسیٰ زنی شریف کے حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ سے طریق نقشبندیہ میں دعوت ہو کر ولایت صغریٰ تک پہنچے، صاحب تصرف تھے اور کرامات سے مشرف تھے۔

پیر بابا صاحب نے بھیجا ہے اور مجھے پیر بابا صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کو بیعت کرو۔ چنانچہ آپ اسی وقت سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہو گئے۔ آپ کے پیر و مرشد موصیح وید بہادر میں ایک برس تک آپ کے پاس رہے۔ ظاہری علم سے بہت کم واقف تھے۔ اسی لئے مشنوی مولانا روم آپ سے پڑھی، اور آپ ان کے فیوضات و برکات سے مستفید ہونے لگے۔

آپ کچھ عرصہ کے بعد موسیٰ زئی تشریف لے گئے تاکہ اپنے شیخ کے مرشد کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر روحانی تربیت حاصل کریں۔ جب آپ موسیٰ زئی پہنچے تو معلوم ہوا کہ جناب خواجہ محمد عثمان صاحب حج کے ارادہ سے روانہ ہو چکے ہیں۔ چنانچہ آپ نے بھی وہاں سے حج کا ارادہ کیا اور عازم کراچی ہو گئے۔ آپ کی ملاقات جناب خواجہ محمد عثمان صاحب سے جہاز میں ہو گئی۔ مدینہ منورہ پہنچ کر آپ کے دادا پیر نے تجدید بیعت کے طریقہ علیہ نقشبندیہ میں غرقہ و خلافت عطا فرما کر صاحب مجاز و معتمد فرمایا۔ واپسی پر اپنے نہال کے گاؤں موصیح "بہادر کلی" میں اقامت کر کے سلسلہ رشد و ہدایت شروع کی اور خانقاہ قائم کر دی۔

ہزاروں لوگ آ کر سلسلہ نقشبندیہ میں آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنے لگے اور ذکرِ الہی، تلاوتِ قرآن، اوراد و وظائف میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے صوبہ ہند اور صوبہ بہرحد کی ریاستوں میں سلسلہ نقشبندیہ کی خوب اشاعت کی اور قرآن و سنت کی اتباع کی دعوت دی، دور دراز کے سفر کئے۔ لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا جذبہ پیدا کیا۔

۱۹۲۳ء میں لوہاب شجاع الملک، لوہاب چترال پشاوڑ آئے۔ آپ کی خدمت

میں حاضر ہو کر بہت ہی متاثر ہوا۔ اور بقول مصنف ”نئی تاریخ چترال دارو“
 ”اعلیٰ حضرت مرحوم سر شجاع الملک کو آپ کے والد (یعنی خواجہ عبدالرحمن صاحب) حضرت
 مشفق سے ۱۹۲۳ء میں پشاور کے سفر کے موقع پر ملاقات کے دوران میں روحانی
 اخلاص و محنت کا واسطہ پیدا ہوا تھا۔ جس کی تکمیل کے لئے اعلیٰ حضرت مرحوم نے ان کی
 خدمت میں ایک خط لکھا کہ پشاور میں آپ کا نیاز خاطر خواہ میسر نہ ہوا تھا۔ اس کمی کو کسی
 دوسرے موقع پر پورا کرنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ چنانچہ نواب صاحب آپ کے مریض
 ہوئے مصنف نئی تاریخ چترال لکھتے ہیں۔ ”ستمبر ۱۹۳۲ء میں حقائق و معارف کا
 الحاج حضرت محمد عبدالرحمن صاحب نقشبند یہ خانقاہ بہادر کلی پشاور بادشاہ کی پایا
 دعوت پر اپنے مرشد زادہ حافظ محمد ابراہیم صاحب خانقاہ موسیٰ زئی اور متعدد ہمراہیوں
 کے چترال تشریف لائے۔ چونکہ اعلیٰ حضرت علماء مشائخ کے بے حد قدروان اور اخلاص و
 عقیدت کے رازدان ہیں، دونوں مشائخ کا مناسب احترام کیا اور ان کے تعارف و
 تالیف سے نہایت محظوظ ہوئے۔“

لارڈ برٹن سرٹی جلال الدین ایک انگریز تھا اور وہ مسلمان ہوا تھا۔ اس کی ملاقات
 بھی آپ سے اکتوبر ۱۹۳۲ء میں چترال میں ہوئی۔ وہ بھی اس ملاقات میں آپ سے
 اس وجہ متاثر ہوا کہ فوراً آپ سے بیعت کر لی۔ مصنف نئی تاریخ چترال رقمطراز ہیں
 مشائخ کرام میں سلسلہ نقشبندیہ سے حضرت عبدالرحمن صاحب بہادر کلی پشاور کے دونوں

۱۔ نئی تاریخ چترال اردو مصنف مرزا محمد غفران مرحوم مؤلف نقشبند مرزا غلام مرتضیٰ (فرزند مصنف) مشفق

۲۔ ایضاً ص ۱۱۱

۳۔ ص ۲۱۲

چترال میں موجود تھے۔ محترم نو مسلم لارڈ سیر جلال الدین ان کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ ملاقات کے لئے پھر ہاتھ آگے بڑھایا، اور ان سے بیعت بھی کی۔ غرضیکہ اگر آپ کے دست مبارک پر عام لوگ بیعت ہو کر نیک بنے تو علماء، اُمراء اور صاحبان فہم و فراست بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اصلاح و ارشاد کے حامل ہوتے۔ تقریباً دو ماہ چترال میں قیام کر کے واپس پشاور تشریف لائے اور دوبارہ حج کو گئے۔ پھر تیسری بار ۱۹۳۵ء میں حج کو تشریف لے گئے، اور اس بار پشاور شہر سے (آپ نے بیعت حج) احرام باندھا۔

آپ نہایت ہی کریم النفس، متواضع، مفسر المزاج، متواضع، مفسر، شریف النفس صاحب اور بربود تھے، ایک بار آپ نے اپنے مریدین کو فرمایا کہ لوگ مجھے کافر بھی کہیں تو تم میری طرف سے جواب نہ دو۔ آپ علم لدنی سے نوازے ہوئے تھے۔ اور جس وقت بھی کوئی مسئلہ آپ کے سامنے پیش ہوتا تو آپ بلا توقف اس کو حل فرماتے۔ آپ سہ ماہی پورہ تشریف لے گئے تو علماء کرام کی ایک مجلس میں آپ نے بیان کیا کہ اے علماء کرام اگر آپ کو کسی مسئلہ میں کوئی علمی اشکال ہوں تو اس وقت بیان کریں یہ فقیر انشاء اللہ اس مسئلہ کو حل کر دے گا۔ مولانا مولوی محمد شریف صاحب محدث فرماتے ہیں کہ یہی وجہ تھی کہ علماء نے آپ کو ”بھڑخار“ کا خطاب دیا تھا۔

آپ کے زہد و تقویٰ، نجابت و شرافت کی وجہ سے پشاور شہر کے علماء و اصحاب، اور عوام آپ کی بہت ہی عزت و توقیر کرتے۔ آپ جس وقت بھی سفید گھوڑی پر سوار چارہ سر پر ڈالے پشاور کے بازاروں سے گزرتے تو لوگ ادباً احتراماً اپنی دکانوں پر کھڑے ہو کر آپ کا استقبال کرتے اور انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ دعائیں کرتے ہوتے

مسجد مہابت خاں نماز کے لئے چلے جاتے۔

آپ کا وصال ۵ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ بروز جمعرات عشاء کی نماز کے بعد ہوا اور
یہ آفتاب سلسلہ نقشبندیہ جمعہ کے دن سپرد خاک کر دیئے گئے۔

آپ نے اپنے بعد کافی خلفاء چھوڑے جو اب تک اصلاح، رشد و ہدایت
میں مصروف ہیں۔ ان میں سے بعض کے اسفار یہ ہیں :-

مولانا مولوی عبدالمنان صاحب پلوسی، مولانا مولوی سعید الرحمن صاحب مرحوم
ساکن محلہ مروی ہالپشاور۔ مولانا مولوی حافظ غلام محمد صاحب مرحوم پینڈہ سلطانی۔ مولانا
مولوی صوفی محمد یعقوب صاحب مدرس ڈھاکہ۔ مولانا مولوی پائندہ گل صاحب رسوا
میں زندہ ہیں، مولانا مولوی رحمان الدین (پڑانگ چارندہ میں زندہ ہیں) سید نذر شاہ
صاحب (گلگت میں تھے) مشہور و معروف حاجی عمران صاحب جو تقریباً تمام عمر ہر
سال حج پر جاتے تھے آپ کے ہی مرید تھے۔

آپ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ اپنے دوسرے صاحبزادہ جناب حضرت مولانا
مولوی محمد عزیز الرحمن صاحب کو مرید کر کے خلافت سے نوازا اور خلافت نامہ تحریر کر کے
بھی دیا۔ آپ کے سلسلہ کی اشاعت میں آپ بہت ہی جانفشانی کے ساتھ کوشش
کرتے ہیں۔ آپ نے جب علوم متداولہ کی تکمیل مکمل کر لی تو پھر آپ کو سند خلافت مل گئی
صاحبزادہ محمد عزیز الرحمن صاحب والد کی وفات کے بعد پشاور سے کراچی چلے
گئے۔ وہاں سے پلوسی سون سیکس ہوتے ہوئے چترال میں مقیم ہو گئے۔ صاحب نئی تاریخ
چترال (اردو) لکھتے ہیں۔

”موصوف زبدة العارفين الحاج محمد عبدالرحمن صاحب مرحوم سجاوہ نشین خانقاہ
 بہادرکلی کے صاحبزادہ ہیں اور ان کا اسم گرامی محمد عزیز الرحمن صاحب ہے وقتین سال
 سے پتھراں میں بعد خاندان قیام پذیر ہیں۔ انھوں نے اپنے والد بزرگوار سے مستدرسا
 سنبھالا، اور ان کے خلیفہ و حجاز مطلق جانشین ہیں، کتب تصوف و سلوک کے باوجود
 معتد و علماء سے علوم ظاہری کی تکمیل کی، اور سرکردہ فضلاء سے ہیں، اور اپنے والد
 بزرگوار کے فیوضات و توجہات عالیہ سے ہر مقام پر مستفید ہیں۔“

باوجود اس کے کہ آپ کے تعلقات بہت ہی وسیع ہیں۔ علماء اُمراء اور حکام
 ریاست سب کے سب آپ کے معتقد اور مخلصین تھے، حتیٰ کہ والی ریاست بھی آپ
 کا انتہائی معتقد اور آپ کی ارادت میں شلک تھا۔ مگر آپ نے کبھی بھی ان سے کوئی
 طرح یا لالچ نہیں رکھا، اور نہ ہی کوئی وظیفہ لیا۔ صاحب نئی تاریخ پتھراں لکھتے ہیں: ”
 آپ کے نفقہ کا کوئی انتظام ریاست سے جاری نہیں، لیکن پھر بھی آپ کسی کے
 محتاج نہیں۔ نفقہ الغیب سے روزی کا سامان موجود ہے۔“

آپ کا یہی توکل اور استغنا ہے جس سے معتقدین صوفیاء کرام کے اخلاق ہوید
 تمام علماء اور فضلاء آپ کے اخلاق حمید اور علمی کمالات و فضائل کے معترف ہیں۔ صاحب تاریخ
 پتھراں لکھتے ہیں: ”پتھراں کے علماء جب آپ سے ملتے ہیں تو علمی فضائل کے مباحث سے اعتراف
 کرتے ہیں کہ آپ کے علمی کمالات بلند وسیع ہیں اور آپ کا سلسلہ کلام نہایت شریک و جاذب ہے۔“
 آپ نے ایک تاریخ بھی لکھی ہے جو علمی ہے اور شاہی کتب خانہ پتھراں میں موجود ہے۔ فقیر
 نے علامہ مرتضیٰ قزوانی سے ”حضرت صاحب کا ایک بیسیٹہ مجموعہ روزگار تحفہ کتاب تاریخ باسم حضرت
 شاہی کتب خانہ میں موجود ہے جو نہایت خوش خط و زلفاں قابل نسخہ ہے۔“

حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب نیشاپور ساکن کوٹلہ محسن خان پشاور

۱۲۷۴ھ تا ۱۳۶۹ھ

آپ کا اسم گرامی عبدالرحیم، والد کا نام حاجی گل نواز، موصوف کوٹلہ محسن خان کے رہنے والے تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۲۷۴ھ بتائی جاتی ہے۔

دینی تعلیم سے فراغت حاصل کر کے حج کرنے بیت اللہ شریف لے گئے۔ ابتدا ہی سے زاہدانہ زندگی اپناتے ہوئے تھے۔ نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھے رہتے۔ بزرگان کرام کی مزارات پر بھی حاضر ہوئے اور استفادہ کیا۔ صحیح العقیدہ اہل سنت و جماعت تھے اور اسی مسابک کی تبلیغ و اشاعت فرماتے۔ بزرگان کرام کی توہین کرنے والوں کی صحبت سے منع فرماتے، اور کہتے کہ ان کے دل پر ایک ایسا وارغ پیدا ہو جاتا ہے جو ان کے تمام اعمال کو برباد کر دیتا ہے۔ یہی آپ کی نیک سیرتی تھی جو آپ کو نہایت ہی عقیدت، محبت اور ادب و احترام کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں لے گئی۔ حضور پتید و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

نہ کوٹلہ محسن خان پشاور سے مغرب کی طرف ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس فقیر کو پیر کی تلاش اور ضرورت ہے آپ ابو المظاہرین
 ہیں رہنمائی فرمائیے۔“ بارگاہِ مقدسہ و معطرہ و معالیٰ سے ارشاد ہوا کہ ”سر سید شریف مجاہد
 تمہیں وہاں پیر مل جائے گا۔“ چنانچہ آپ مدینہ منورہ سے سیدھے سر سید شریف پہنچے
 حضرت امام ربانی محبوب سبحانی کا شرفِ علومِ حروفِ مقطعاتِ قرآنی مجدد و الف
 ثانی احمد سر سیدی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو فرمایا، کہ ”جاؤ تمہیں اسٹیشن پر پیر مل جائیگا۔“
 جناب حاجی صاحب جب اسٹیشن پر پہنچے تو آپ کو ایک بزرگ صورت آدمی ملا۔
 اور حاجی صاحب کو کہا کہ رامپور کا ٹکٹ لو۔ اور وہاں پہنچ کر محلہ چاہ شور پر حفاظ
 عنایت اللہ صاحب رامپوری رہتے ہیں ان سے بیعت کر لو۔“ فرماتے ہیں کہ ”سیدھا
 ان کے پاس رامپور پہنچا۔ جب ان کے سامنے ہوا تو آپ وہی شخص تھے جو کہ سر سید کے
 اسٹیشن پر مجھے ملے تھے، اور وہ خود حفاظ عنایت اللہ صاحب تھے۔“ ۱۸۹۵ء
 میں آپ حفاظ صاحب کے بیعت ہوئے۔

آپ پر اپنے شیخ کی خاص نظر اور توجہ تھی اور کیوں نہ ہوتی جبکہ حاجی صاحب خاص
 طور پر مدینہ پاک کی بارگاہِ عالیہ سے بھیجے گئے تھے۔ نتیجتاً بہت ہی قلیل عرصہ میں یعنی صرف
 تین ماہ میں سلوک کی تکمیل کر لی، آپ اس عرصہ میں لطائفِ سنتہ سے سرفراز کئے گئے۔
 اور شیخ نے آپ کو خلافت سے نواز کر معنی و صاحبِ مجاز کر دیا۔ اور ساتھ ہی حکم
 دیا کہ اپنے وطن جا کر سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت و تبلیغ شروع کرو۔“ خوب فتوحات
 ہوئے لوگ جوق در جوق آنے لگے، اور فیض حاصل کر کے بامراد لوٹتے۔ مریدین کو تعلیم
 سلوک و تزکیہ نفوس کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ پڑھاتے۔ اور مکتوبات
 حضرت مجدد و الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مشکل مقامات کو آسان پیرایہ پر بیان فرماتے

اور نہایت ہی سہل طریقہ پر ذہن نشین کروادیتے۔ ہر قسم کے سیاسی جھگڑوں اور کشمکش سے کنارہ کش رہے۔ بلکہ ایسے تمام جھگیلوں سے نفرت کرتے، اور اپنے مریدین کو بھی منع فرماتے۔ آپ مریدین پر عموماً مغرب کی نماز کے بعد توجہ فرماتے۔

آپ نے بہت سفر کئے، اجمیر شریف بھی تشریف لے گئے۔ آپ فرماتے تھے کہ "روحانی طور پر حضرت خواجہ بزرگ عظیمی رسول خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے مجھے کافی فیض ہوا ہے" افغانستان میں "حضرت صاحب چار باغ" سے آپ کی اکثر ملاقات رہتی۔ آپ ان کی بہت تعریف کرتے، یہاں تک فرمایا کہ "آپ یعنی حضرت صاحب چار باغ" مجھ سے اپنے گھر میں یعنی پشاور میں جسمانی طور پر ملاقات کرتے ہیں حالانکہ وہ افغانستان میں ہوتے تھے" جناب حاجی صاحب فرماتے تھے کہ مسلسل آٹھ برس تک پیداری کے عالم میں جسمانی طور پر حضور خیر و دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میرا تعلق رہا ہے"

آپ کے مریدین عویہ سرحد، آزاد قبائل، اور مغربی و مشرقی پاکستان میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ طبع سادگی اور صاحبِ حال ہیں۔ اپنے شیخ سے بہت ہی عقیدت اور عشق رکھتے ہیں۔ آپ اپنے مریدین کی تکمیل سال کے عرصے میں کر دیتے تھے۔ آپ کے ایک خلیفہ جناب ملک ابراہیم صاحب نقشبندی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب میں دوسری بار رامپور اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو شیخ نے فرمایا کہ حاجی عبدالرحیم قرآن مجید کی تلاوت کرو۔ میں نے عرض کیا کہ حضور میری عینکیں پشاور میں رہ گئی ہیں۔ میرے پیر و مرشد نے مجھے فرمایا "حاجی میں نے عینکوں کا نہیں کہا بلکہ قرآن پاک کی تلاوت کا کہا ہے" حاجی صاحب نے کہا کہ آپ کے اس ارشادِ گرامی

کے بعد یہ ہوا کہ ”سنہ ۱۹۵۵ء تک ۱۰۸ برس کی عمر میں بھی بغیر عینک کے روزانہ دس پارے
 قرآن مجید پڑھتا ہوں“ آپ کو ملنے کے لئے تہکال بالا پشاور کے ایک بزرگ جناب
 ارباب صاحب ملنے کے لئے آئے۔ ارباب صاحب بھی جناب حاجی
 صاحب سے ایک مسئلہ پوچھ گئے۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ ارباب صاحب
 ابھی آپ کو نماز پڑھنی نہیں آتی اور آپ فقیروں سے کچھ رہے ہیں، ارباب صاحب
 نے کہا آپ ہی نماز پڑھا دیجئے۔ حاجی صاحب نے فرمایا اٹھ اور دو رکعت نفل کے
 لئے کھڑا ہو جا، ارباب صاحب بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب نماز پڑھ کرے ہوئے
 اور ادھر حاجی صاحب نے بحیب مراقبہ ہو گئے۔ ارباب صاحب کی نماز کے دوران
 ہی کیفیت بدل گئی اور گریہ طاری ہو گیا۔ بیعت کر کے حاجی صاحب کے پاس
 یہ رونا اس وقت سے آپ پر اتنا غالب ہوا کہ عشق رسولؐ میں مرتے وقت تک
 روتے رہے اور بقول ملک ابراہیم صاحب ارباب صاحب فرماتے کہ حاجی
 صاحب کی توجیہ کاملہ اور نظر عنایت سے روزانہ صبح نماز سے پہلے حضورؐ فیروز عالم
 صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور حضورؐ عورتیا فخم شیکہ شیخ
 عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔“

آپ کے مریدین صوبہ سرحد، آزاد قبائل، مغربی اور مشرقی پاکستان میں بکثرت
 پائے جاتے ہیں، بقیع سنت اور صاحب حال ہیں۔ اپنے شیخ سے بہت ہی عقیدت
 اور عشق رکھتے ہیں۔ آپ اپنے مریدین کی تکمیل ایک برس میں کرتے تھے۔ آپ کے
 ۲۵ کے قریب خلفاء ہوں گے۔ ان میں سے اکثر نے سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت ترویج
 کی۔ اس وقت آپ کا اپنا بیٹا جناب عبداللہ خان صاحب جو کہ آپ سے بیعت ہے

اور خلیفہ تیسرا ملا صاحب سے خلافت حاصل کر کے اپنے آبائی سلسلہ کو فروغ دے رہا ہے
 ملک ایرار حسین صاحب نقشبندی بیان کرتے ہیں کہ جب میں آپ کی خدمت میں
 حاضر ہوا تو میں علمی طور پر توجید باری اور دیگر مسائل علم کلام میں بہت الجھا ہوا تھا میں نے
 عرض کی کہ اللہ تعالیٰ کی توجید پر کوئی دلیل ہو تو فرماویں۔ آپ نے نہایت ہی سادگی سے
 فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو بغیر دلیل کے ماننا چاہیے۔ میں نے پھر عرض کیا کہ میں ذہنی اور علمی
 طور پر ان مسائل میں الجھا ہوا ہوں، اور یہ عقیدہ مدلل طور پر حل کیجئے۔ میری طرف نظر
 اٹھا کر دیکھا اور فرمایا اچھا تمہیں دلیل مل جائے گی۔ اس گفتگو کے بعد ایسا ہوا کہ جس وقت
 بھی کوئی ایسا سوال میرے ذہن و قلب میں پیدا ہوتا تو میں محسوس کرتا کہ ایک شخص
 میرے شانے کے قریب کھڑا ہے اور اس مسئلہ کے متعلق تقریر کر رہا ہے اور میری اس
 تقریر سے تسلی ہو جاتی، تمام شکوک زائل ہو جاتے اور میں مطمئن ہو جاتا۔ اور یہ معاملہ چھ ماہ
 تک ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ اب بالکل مطمئن ہوں۔

وفات ۱۸ رمضان المبارک ۱۹۴۹ء میں ہوئی۔

تیسرا ملا صاحب، حاجی صاحب کا خلیفہ ہے اور لاہور میں امام مسجد ہے۔ بہت ہی برگزیدہ صاحب
 اوصاف مجیدہ اور صلاحیت کا مالک ہے۔

جناب فقیر خدام بخش صاحب نشاہی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۷۵ھ تا ۱۳۶۵ھ

آپ کا اسم شریف خدام بخش صاحب، والد کا نام میاں عبدالغفار صاحب اور فقیر صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ آپ آنکھوں سے معذور تھے۔

آپ کے والد میاں عبدالغفور صاحب کو پیر گل بادشاہ جی صاحب علاقہ جہانگیر پورہ پشاور کے رہنے والے تھے، اور مشہور و معروف چرم کے سوداگر تھے۔

بقول جناب پیر بخش خان صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ بی۔ ابتدا سے عمر سے ہی عشق

۱۔ مصباح السالکین ۲۵، مصباح السالکین آنجناب نے چھوٹے سائز کے ۴۴ صفحات پر مشتمل ایک سالہ فقیر صاحب کے حالات میں قلمبند کیا ہے۔ یہ مختصر سا رسالہ چار اجزا پر مشتمل ہے۔ جز اول میں پیغام اسلام، صحیفہ آسمانی، حقیقت روح، نظریہ توحید اور مقام انسانیت، روح انسانی کے مدارج یعنی نفس مارہ، لواہر اور مظہر پر بحث کی گئی ہے۔

جز دوم میں فقیر صاحب کی مختصر سوانح عمری ہے۔

جز سوم میں ختم شریف اوراد و دعائیں اور شجرہ شریف ہے۔

الہی کا بذبہ آپ کو ولایت پہنچا تھا، جس کے امتیاز چھپن ہی میں نمودار تھے۔

آپ تلاش معرفت الہی میں خوب پھرے اور جس جگہ بھی کسی فقیر درویش اور اللہ والے کا پتہ چلا وہاں پہنچے، اور کسب فیض کیا۔ بالآخر کامیاب و کامگار ہوئے۔ صاحب مصباح السائلین لکھتے ہیں "عہد شباب میں وہ فقرا اور اہل اللہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ دنیوی کاروبار سے رغبت قطعاً نہ تھی۔ چنانچہ انھوں نے ہر جگہ سے قلبی فیض حاصل کرنے کی کوشش کی اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے۔"

آپ سلسلہ قادریہ نوشاہیہ میں جناب حضرت عباس علی شاہ صاحب نوشاہی کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور صاحب مجاز ہو کر سلسلہ کی اشاعت ترویج میں مصروف ہو گئے۔ آپ کے مرشد نے آپ کا نام غلام علی شاہ رکھا تھا۔ ساری زندگی زہد و ریاضت، عبادت خداوندی اور ذکر الہی میں بسر کی۔ اپنے طریقہ کے معمولات اور وظائف کے انتہائی پابند تھے، اور جو کچھ خود کرتے اسی کی تلقین بھی کرتے۔ آپ کے مریدین اور عقیدتمندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ دور دور سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی فیوض و برکات حاصل کرتے اور اور آپ کی توجہ کاملہ سے استفادہ حاصل کرتے۔ جناب پیر بخش خان صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈوکیٹ لکھتے ہیں۔

"شب و روز ذکر الہی میں مصروف رہتے۔ آپ کے ارد گرد ہمیشہ طالبان حق کا مجمع جمع رہتا تھا اور ان کو احکام خداوندی کی پابندی کی تلقین کرتے ہوئے قلوب کو آلائش سے پاک رکھنے کی ہدایت کرتے۔ آپ کے مریدان خاص کا حلقہ صرف پشاور شہر یا اس کے مضافات تک ہی محدود نہ تھا بلکہ دور دراز مقامات تک کے لوگ

ان سے روحانی فیض حاصل کرتے تھے۔ قرآنی احکام اور سنت کے مطابق توجیہ و تہنیت
کی تبلیغ فرماتے تھے۔ سختی کے ساتھ صوم و صلوٰۃ کی پابندی کرتے اور کرواتے تھے۔ آپ
کی زندگی اس تعلیم کا عملی نمونہ تھی۔“

رضائے خداوندی، زندگی کے آلام و مصائب پر صبر و استقامت، خوفِ الہی
سے قلب پر خشیت کا عالم طاری، بلند خیالی اور عزتِ نفس پر حدود و پیمانے ہر کام پر
انتہائی محنت اور کوشش کرنے والے تھے۔

آپ کی زندگی کا نقشہ صاحبِ مصباح السالکین نے بہت ہی عمدہ الفاظ میں کھینچا
ہے۔ ص ۱ پر لکھتے ہیں: ”صاحبِ حال تھے، قلب جاری رکھتے تھے، اور صاحب
توجہ تھے۔ ہمیشہ یہ افسوس کرتے تھے، کہ کاش صرف نوجوان جوان پاکیزہ سیرت پیغمبرؐ
جائیں جو مجھ سے صرف ذاتِ خداوندی کے طالب ہوں تاکہ میں ان کو پوری روحانی توجہ
سے صاحبِ حال بنا دوں، اپنی تمام عمر انتہائی صبر، استقلال اور پامروشی کے ساتھ
گذری۔ غایت درجہ خوددار اور غیور تھے۔ پنی نوعِ انسان کی خدمت ان کا نصب العین
تھا۔ آپ صاحبِ کشف و کرامات تھے۔ تمام زندگی باوالمہی میں گذری اور عشقِ الہی
میں ٹوٹ ٹوٹ کر آخر اپنی جان اس جہانِ آفریں کے حوالے کر دی۔“

آپ کا انتقال بروز شنبہ بتایک ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء
۱۹۴۶ء بوقت قریب ظہر ہوا، دوسرے روز انھیں میرے باغ نزد وزیر باغ میں
دفن کیا گیا۔“

مفتی سرحد حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب پولوینی علیہ السلام

۱۲۸۴ھ تا ۱۳۲۸ھ

آپ کا اسم گرامی عبدالحکیم لقب مفتی سرحد اور رئیس العلماء تھا۔ پولوینی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد محترم میاں حافظ محمد امین صاحب حافظ قرآن ہونے کے علاوہ صاحب علم بھی تھے جناب مفتی سرحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی "بسم اللہ شریف" آپ کے والد صاحب نے خود فرمائی، انہی سے قرآن مجید حفظ کیا، اور تمام ابتدائی تعلیم کی تکمیل کی۔ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد دیوبند شریف لے گئے۔ وہاں علوم متداولہ کو تکمیل کر کے لکھنؤ شریف لے گئے۔ اپنے علم کی بیاس کو لکھنؤ میں خوب سیراب کیا۔ وہاں سے راجپور کے علماء سے استفادہ کرتے ہوئے اجمیر شریف دارالعلوم معینیہ میں صدر مدرس مقرر کئے گئے۔ (آج تک اجمیر شریف اور دہلی میں آپ مفتی پشاور کے نام سے مشہور ہیں) ہندوستان کے مشہور و معروف پیر اور بزرگ حضرت بہاؤ شاہ صاحب مرحوم کے فرزند ارجمند جناب اقبال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ چشتی صابری آپ ہی کے شاگرد تھے۔ سینکڑوں کی تعداد میں علاقہ غیر پنجاب ہندوستان اور صوبہ سرحد کے علماء آپ کے شاگرد تھے۔

ہندوستان سے واپس تشریف لاکر پشاور شہر میں مدرسہ جہان دارالعلوم تعلیم القرآن
 میں صدر مدرس مقرر کئے گئے۔ آپ کے علم کا شہرہ دور دراز تک پھیلا۔ اور قرآن حدیث
 فقہ اور معقول کے امام تسلیم کئے گئے۔ فاسخ التخصیل علماء آ کر آپ سے دوبارہ
 علوم پڑھتے بستت نبوی علیہ التیمۃ والشان کا مکمل نمونہ تھے۔ اخلاق حمیدہ و کریمانہ کو
 آپ کی فات پر ناز تھا۔

اگرچہ آپ کسی سلسلہ میں بیعت نہیں تھے مگر مشائخ کے ساتھ انتہائی اوست
 رکھتے۔ اور مشائخ آپ کو انتہائی عزت و تعظیم کے ساتھ پیش آتے۔ شیخ المشائخ
 حضرت آقا سید پیر جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ قادری پشاوری اور آپ کے صاحبزادے
 جناب سیادتپاہ آقا سید سعید احمد شاہ صاحب مرحوم کے ساتھ آپ کی والہانہ محبت
 و عقیدت تھی اور آقا سید پیر جان صاحب کی تاریخ وفات آپ ہی نے لکھی ہے
 ہر برس گیارہویں شریف کا ابتدائی فاتحہ آقا صاحب مرحوم کے گھر آپ ہی فرمایا
 کرتے اور یہی طریقہ حضرت مفتی اعظم سرحد مولانا عبدالرحیم صاحب پوپلزی رحمۃ اللہ
 تک جاری رہا۔ حضرت محبوب اولیاء حضرت فقیر احمد صاحب میری سے بھی بڑی
 عقیدت رکھتے تھے۔ غرضیکہ اولیاء کرام کی محبت و موت آپ کی طبیعت مبارکہ میں
 موجزن تھی۔ اور اسی محبت اولیاء کا نتیجہ تھا کہ آپ نے اپنے فرزند خواجہ محمد مفتی اعظم
 سرحد حضرت علامہ مولانا عبدالرحیم صاحب پوپلزی کی "بسم اللہ خوانی" حضرت فقیر
 صاحب میروی رحمۃ اللہ علیہ سے میرہ شریف حاضر ہو کر کروائی۔

جس طرح آپ کی شخصیت علماء فقراء اور مشائخ کے ہاں قابل احترام و قابل عزت
 تھی۔ اسی طرح صاحبان سیاست میں بھی آپ ممتاز سمجھے جاتے ہیں۔ تحریک خلافت

میں آپ نے ملے طور پر حصہ لیا اور آپ کو صوبہ سرحد کی وزارت کی کمیٹی کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ جب آپ صدر منتخب ہو گئے تو صوبہ سرحد اور ملحقہ علاقہ کے علماء اور مشائخ نے آپ کو مفتی اعظم سرحد کا عظیم اعزاز دیا۔ پشاور کی مرکزی جامع مسجد، مسجد قاسم علی خان کی امامت اور خطابت بھی آپ کو سونپ دی گئی۔ آپ نے اپنی عزیز زندگی دین اسلام کی سر بلندی، اشاعت سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اعلیٰ کلمہ اللہ کے لئے وقف کر دی تھی۔ پشاور شہر کے محترم ترین فرد اور ٹھیکیدار جناب غلام صوفی صاحب (جو جامع مسجد قاسم علی خان مرحوم کے متولی تھے) کے ساتھ حج بیت اللہ شریف نے گئے اور حرمین الشریفین کی زیارت سے شرف فرماتے۔

آپ مسائل و نیوے کے بیان کرنے کے وقت کسی جاہل سے جاہل حاکم کی بھی پروا نہیں کرتے تھے، اور جو شخص بھی شریعت اسلام کی مخالفت کرتا۔ اسی وقت اس کو روکتے اور منع فرماتے۔ ایک بار انگریز پولیٹیکل کمشنر کے سامنے آپ نے مسئلہ جہاد انتہائی دلیری اور شجاعت کے ساتھ بیان کیا جس پر وہ سب سے پہلے آپ کا کیا ہو گیا، مگر تمام عوام نے آپ کا ساتھ دیا تو وہ اپنی سازشوں اور چالوں میں جو وہ آپ کے خلاف کرنا تھا ناکام و نامراد ہوا۔ چونکہ آپ مفتی اعظم تھے اس لئے روز آپ کے ارشاد پر رکھا جاتا۔ عید آپ کے حکم پر کی جاتی، اور ہر شریعی مسئلہ پر آپ کا ارشاد و حکم نافذ سمجھا جاتا۔

جناب مولانا صاحب نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی شادی کوہاٹ میں مولوی عبدالحکیم صاحب کی ہمشیرہ سے کی۔ یہ شادی ہندوستان جانے سے پہلے کی۔ اس سے لڑکا پیدا ہوا۔ آپ کو ایک لڑکا عطا فرمایا جس کا نام میراں عبدالرشید رکھا گیا۔ یہ صاحبزادہ اپنے ماموں صاحب کے ہاں رہا۔ اس کی پرورش وہیں ہوئی اور جوانی کے عالم میں ہی انتقال کر گیا۔

آپ کی دوسری شادی جس وقت آپ دیوبند سے لکھنؤ پہنچے تو آپ کے اخلاق
پر بارہ اور اعلیٰ علم کی قابلیت سے متاثر ہو کر مولانا عبد الحمید صاحب کابلی نے اپنی لڑکی
آپ کے حوالہ عقید میں دی۔

یہ بیوی صاحبہ نہایت متقیہ، پابندِ صوم و صلوة اور قرآن خوان تھیں۔ یہ بیوی صاحبہ
کا پڑھنا میں اپنے گھر قرآن مجید کا درس فرماتیں۔ بلکہ حفظ بھی کروائیں۔ ہزاروں غزلوں
ورنچوں نے آپ سے قرآن مجید حفظ بھی کیا اور ناظرہ بھی پڑھا۔

اس نیک بخت اور بزرگ بیوی رحمتہ اللہ علیہا کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو
چار صاحبزادے عطا فرمائے اور تین صاحبزادیاں۔ ایک صاحبزادی حضرت علامہ اجل
محدث اعظم حضرت مولانا مولوی گل فقیر احمد صاحب کے حوالہ عقید میں آئی۔

۱) حضرت مفتی اعظم علامہ دوران حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب پوپلڑی مرحوم (۲)
حضرت مولانا مولوی مفتی محمد عبد القیوم صاحب پوپلڑی مدظلہ (۳) میاں عبد البصیر صاحب
مرحوم (۴) میاں عبد النصیر صاحب مرحوم۔

میاں عبد البصیر صاحب اور میاں عبد النصیر صاحب اعلیٰ حیوانی کی عمر قرآن مجید حفظ
کرتے پختے فرماتے رہے۔ (مولانا عبد الرحیم صاحب کے حالات انکس لکھے گئے ہیں۔
مولانا مولوی مفتی محمد القیوم صاحب سے ابتدائی تعلیم ایشیا اور میں مکمل کر کے دیوبند آئے اور
لے گئے۔ وہاں سے مرلی ٹرائیڈ سے گئے۔ علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر کے ایشیا
آئے۔ درس تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ بڑے بھائی حضرت علامہ مولانا مولوی عبد الرحیم
صاحب کی وفات پر پوپلڑی ایشیا اور نے آپ کو ان کا جانشین بنایا، اور آپ مفتی محمد
کھلائے۔ مجلس احرار اسلام کی پوری تاریخ میں آپ کا نام سنہری حروف سے لکھا جاتا ہے۔

علم کی خدمت کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنی عمر سیاسیات میں گزاری۔ مجلس احرار کو یہاں
 پر آپ ہی نے قائم کیا اور اسی جماعت سے وابستہ رہے۔ اگرچہ پشاور شہر میں یہ جماعت
 کامیاب نہ ہوئی، مگر عوام آپ کے خاندانی وقار کا لحاظ اب بھی کرتے ہیں۔ پاکستان
 بننے کے بعد آپ نے کسی سیاسی جماعت میں عملاً حصہ نہیں لیا۔ مارشل لا میں نظام العلماء
 دیوبند کی مجلس کے آپ سرپرست رہے۔ پشاور
 شہر میں اس تنظیم کے قیام پر آپ نے انتہائی محنت و خلوص اور
 انتھاک کوشش کی۔ مارشل لا کے ختم ہونے کے بعد دوبارہ جمعیتہ العلماء اسلام کا جیسا
 کیا اور اس کی تنظیم میں کوشاں ہیں۔ آپ نے مسلم لیگی سیاست سے کبھی بھی اتفاق نہیں
 کیا۔ آپ نے بہت دفعہ انگریزوں کے خلاف قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں
 ہیں، اور پاکستان کے دور میں بھی قادیالوں کے خلاف مردان میں تقریر کی بنا پر ایک
 سال قید گزاری، اور اس وقت جب کہ ڈاڑھی سفید ہو چکی ہے۔ مگر خطابت اسی طرح
 دلیرانہ، اور جوان ہے۔ انتہائی مندر عالم ہیں حکومت کو نہایت ہی حق گوئی کے ساتھ ان
 کی برائیوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اگرچہ مسلم لیگ والوں نے حکومت کے دوران آپ کو
 مفتی شہر حد کے اعزاز سے ہٹانے کی کوشش کی، مگر عوام میں آپ اسی طرح مفتی شہر حد
 کے لقب سے موسوم ہیں۔ محکمہ اوقاف نے آپ کو عید گاہ کی خطابت سے الگ کر دیا ہے
 نیز مسجد قاسم علی خان سے بھی ظلم و جبر کے ساتھ الگ کرنے کی کوشش کی۔ مگر عوام کے
 آگے وہ ناکامیاب ہوتے۔ غرضیکہ مولینا صاحب کی زندگی مسلسل مصیبتوں، صعوبتوں
 اور جدوجہد کی زندگی ہے۔

حضرت مولینا مولوی مفتی اعظم عبدالحکیم صاحب نے (۱۳۲۴ھ) وفات پائی

حضرت میر آغا (آخوند) جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

۱۲۸۲ھ تا ۱۳۶۹ھ

آپ کا اسم گرامی سید میر اصغر صاحب المعروف میر آغا جان، والد کا نام سید میر اکبر صاحب ہے۔ حضور غوث الاعلیٰ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہیں۔ آپ کے بچپن اعلیٰ کامزار خاص شہر کابل میں گذر شہیدان پر "شاہ شہید" کے نام سے مزاج عوام و خواص ہے۔ "شاہ شہید" بغداد شریف سے کابل تشریف لائے تھے۔

جناب سید میر اکبر شاہ صاحب بلند پایہ عالم اور صاحب اثر و وجاہت تھے۔ تمام افغان نشان کے لوگ آپ کے زہد و عبادت اور سیادت کی وجہ سے انتہائی احترام کرتے۔ آپ کا سلسلہ مبارکہ آبائی قادریہ تھا۔ آپ کا خصوصی شغل تہجد کی نماز سے لے کر صبح کی نماز تک ذکر جہر کرنا تھا۔

جناب حضرت میر آغا (آخوند) جان صاحب کی عمر تین برس تھی کہ آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ جناب میر آغا جان صاحب کی پرورش آپ کے بڑے بھائی جناب سید میر احمد شاہ صاحب اور والدہ ماجدہ نے کی۔ آپ کی پرورش و تربیت بطریق احسن کی گئی۔ چونکہ آپ کے ماموں اور بھائی قالین اور قرقلی کے پوست کی تجارت کرتے تھے۔

اس لئے انھوں نے آپ کو بھی (جبکہ آپ کی عمر بیس برس کی ہوتی تھی) اپنی تجارت میں شامل کر لیا جس وقت آپ نے تجارت شروع کی تو اس وقت عمر بیس برس کی تھی آپ کی تجارت بہت ہی وسیع پیمانہ پر تھی۔ کابل مرکز تھا۔ پشاور، دہلی، کلکتہ، بمبئی اور کوئٹہ میں شاخیں کھلی ہوئی تھیں۔ آپ اکثر پشاور اور دہلی میں رہتے۔

پشاور میں قالیبن اور پوست کا ایک مشہور دلال تھا جس کا نام اویس قندھار تھا۔ یہ دلال آپ کا کام بھی کرتا تھا۔ بزرگان کرام کی باتوں باتوں میں اس نے آپ کے حافظ عبد الغفور صاحب نقشبندی پشاوری کا تذکرہ کیا۔ آپ اس کے ساتھ حضرت حافظ صاحب کے مزار پر حاضر ہوئے۔ آپ کا حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایسا مضبوط تعلق اور رابطہ قائم ہوا کہ وفات تک بلکہ وفات کے بعد تک بھی نہ ٹوٹا۔ آپ نے پہلے تو اس تعلق کا کافی عرصہ تک کسی سے بھی اظہار نہیں کیا۔ خود فرماتے تھے میں دس برس تک روزانہ حضرت حافظ صاحب کے مزار پر حاضر ہوا۔ مگر میں نے کسی سے اظہار نہیں کیا۔ اور جب اپنے اس تعلق کا اظہار کیا تو وہ بھی ایک خاص واقعہ کا بنا۔ آپ فرماتے تھے کہ ”میں سامان تجارت لے کر ہندوستان جا رہا تھا کہ اترپردہ میں میرٹھ کے ریلوے اسٹیشن پر ایک انگریز سے ملاقات ہو گئی۔ اس انگریز نے کہا کہ اگر کابل کا کوئی ٹکٹ ہو تو مجھے دے دیجئے، اتفاقاً اس وقت میرے پاس کوئی ایک سو ٹکٹ تھا اور یہ ٹکٹ ہم لوگوں کو کسٹم سے ملا کرتے تھے ہم لوگ ہر ہینڈل پر یہ ٹکٹ لگاتے جس سے پتہ چلتا کہ اس مال پر کسٹم ادا ہو چکا ہے، اور یہ ٹکٹ عموماً تاجر لوگ بجائے ہینڈل پر چسپاں کرنے کے اپنے پاس ہی رکھتے۔ آپ فرماتے ہیں میں نے وہ ٹکٹ اس انگریز کو دے دیئے۔ اس انگریز نے کہا کہ اس قسم کے دو ہزار ٹکٹ مجھے منگوا دیں۔ آپ نے

اپنے بھائی کو وہی پہنچ کر خط لکھا کہ یہ کسٹم والے ۲ ہزار ٹکٹ چھپا کر کے ایک لکڑی کے ڈبے میں مجھے بھیج دو۔ فرماتے تھے کہ ”وہی میں نے رات کو واقعہ میں دیکھا کہ امیر عبدالرحمن والی کابل میرے سامنے تلوار سونت کر کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ تو میری حکومت کے ٹکٹ فروخت کرتا ہے، کیا کروں کہ حافظ عبدالغفور صاحب پشاور نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا ہے ورنہ میں تجھے اس تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔“ فرماتے تھے کہ جب صبح ہوئی تو میں بہت پریشان اور مشغوش تھا۔ دوسرے دن کابل کے تاجر سامان بھاری لے کر پیچھے تو پتہ چلا کہ آپ کے سامان میں ایک لکڑی کے ڈبے سے ٹکٹ برآمد ہوئے اور کسٹم والوں نے سامان لانے والے کو گرفتار کر لیا ہے۔ چند دن میں آپ کے بھائی کا خط بھی آپ کو ملا۔ جس میں لکھا تھا کہ تمہاری وجہ سے والی کابل امیر حبیب اللہ صاحب کے سامنے ہمیں پیش ہونا پڑا۔ بادشاہ نے ہمیں تو برا بھلا کہہ کر چھوڑ دیا ہے مگر تم کو نہ چھوڑے گا۔ آپ اسی پریشانی اور تشویش میں پشاور تشریف لائے۔ آپ روزانہ بدستور حضرت حافظ عبدالغفور صاحب کے مزار پر حاضری دیتے۔ یہاں تک کہ اس فکر مندی میں چھ ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ آپ فرماتے تھے کہ ”ایک بہت ہی بے خبری اور پریشانی کے عالم میں مزار پر بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت حافظ صاحب نے مجھے فرمایا۔

”پریشان نہ ہو، شیر کی طرح کابل جا، اور شیر کی طرح واپس آ۔ تیرا کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔“

آپ فرماتے تھے کہ میں نے چالیس روپے پر ایک گھوڑا خریدا، بیس روپے پر زین خریدی اور دوسرے دن کابل روانہ ہو گیا۔ جب میں اپنے گھر پہنچا، تو گھر میں ایک کھرام برپا ہو گیا کہ حکومت آپ کو گرفتار کرے گی اور بہت سخت سزا دے گی۔ مگر آپ نے فرمایا کہ

”آپ لوگ نہ گھبرائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرمائے گا۔“

چنانچہ آپ کابل میں رہے، والی کابل سے کئی بار ملے۔ مگر کسی نے آپ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

۱۹۱۱ء میں آپ کا ایک نوجوان عالم و فاضل فرزند سید میر جعفر صاحب وودن بیمارہ کو انتقال کر گئے۔ اُس وقت آپ بڑے تاجر تھے۔ اور تقریباً مین لاکھ روپیہ آپ کے پاس تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ مجھے خیال آیا کہ کوئی ایسا طریقہ ہو میری ساری دولت خرچ ہو جائے۔ مگر میرا یہ پیارا بیٹا دوبارہ زندہ ہو جائے۔ مگر ایسا ناممکن تھا۔ بس اس خیال نے آپ کی زندگی کا ورق الٹ دیا۔ آپ نے جس جس شخص کا حساب دینا تھا۔ اُسے بلا کر ادا کر دیا۔ اور جس سے لینا تھا اُسے بخش دیا۔ باقی جتنی دولت تھی راہِ خدا میں بانٹ کر درویشی و قناعت کی راہ اختیار کر لی۔

آپ نے فرمایا کہ ”ایک دن میں حافظ صاحب کے مزار پر مراقب تھا کہ آپ نے مجھے ارشاد فرمایا، کہ جو شخص بھی (یعنی عالم ہو، زاہد ہو، فقیر و درویش ہو) اگرچہ اویسی ہی کیوں نہ ہو، اُس کو ظاہری بیعت ضرور کرنی چاہیے۔ لہذا تم لاہور جا کر حضرت میر جان صاحب نقشبندی کی بیعت کرو۔“ آپ لاہور میں حضرت میر جان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت میر جان صاحب بیعت کرنے سے گریز کرتے تھے۔ اور قطعاً عام طور پر خرید نہیں کرتے تھے، مگر جب آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بغیر کسی قسم کی گفتگو کرنے کے حضرت میر جان صاحب نے آپ کو فرمایا۔ ”اگرچہ میں کسی

۱۰ حضرت میر جان صاحب، میان محمد نگر صاحب مجددی کے بیعت تھے۔ آپ کا مزار حضرت ایشاں کے

مقبرہ لاہور میں واقع ہے۔

کو خرید نہیں کرتا۔ مگر آپ کو حضرت بابا جی صاحب (عافظ عبد القفور صاحب) نے میرے پاس بھیجا ہے اس لئے مجھے مجال انکار نہیں۔ اور آپ کو بیعت کر لیا۔ آپ اپنے شیخ کی خدمت میں تین برس تک رہے، اور خدمتِ شیخ میں اپنے آپ کو فنا کر دیا۔ نگین سلوک کے بعد آپ کے شیخ نے آپ کو معائنہ کر کے صاحبِ مجاز بنا کر خلافت سے نوازا، آپ جب مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے تو اپنی زندگی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی ترویج و اشاعت کے لئے وقف کر دی، نہ بد و عبادت اور ذکر الہی میں اپنے تمام اوقات کو صرف کرتے۔ دن کو روزہ اور رات کو قیام میں بسر کرتے تمام زندگی اتباعِ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گذاری اور آپ کا یہ اتباع ایسا کمال تک پہنچ چکا تھا کہ آپ نے بسکٹ تک نہیں کھایا اس لئے کہ یہ بسکٹ فریو کے تبق میں بنا اور کھایا گیا۔ جو شخص بھی تبق سنت ہوتا وہ آپ کو بہت ہی محبوب اور پسند ہوتا، اور جو سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند نہ ہوتا اس شخص کو آپ بہت ہی ناپسند فرماتے۔ اگرچہ بڑے سے بڑا حکمران یا بڑے سے بڑا تاجر ہی کیوں نہ ہوتا۔

بچپن سے لے کر وفات تک آپ نے تہجد کی نماز قضا نہیں کی، ختم خواجگان اور اپنے امرا و باقاعدہ پابندی کے ساتھ روزانہ پورے کرتے۔ صبح کی نماز کے بعد مراقبہ کرتے۔ تہجد کی نماز کے بعد صبح کی نماز تک ذکرِ ہر میں مصروف رہتے۔ آپ اپنے حالات و واقعات کو بہت ہی رازداری سے رکھتے، اور کمالِ رعب کا انکسار تھا۔ نواضع تو آپ کی طبیعت میں کورٹ کورٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ آپ کا انکسار اس حد تک تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بھٹکی ہوئی مخلوق سے زیادہ محبت کرتے اور ان

کے ساتھ اخلاص کرتے۔ بلا امتیاز مذہب و ملت ہر ایک کی خدمت کرتے۔ اور اسی کی وصیت کرتے۔ اہل دنیا سے بہت نفرت کرتے۔ ساوات، اور علماء کی عزت و احترام میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرتے۔

آپ نے بیعت میں بہت تھوڑے افراد کو داخل کیا ہے۔ یہ اس لئے کہ آپ استعداد اور اہلیت کو دیکھ کر مرید کرتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "اس فقیر نے تو اپنے شیخ کے لئے زندگی وقف کی ہے۔ جو مرید ہوتا ہے کم از کم پانچ برس تو شیخ کی صحبت میں گزارے"۔ بہر حال آپ صاحب استعداد اور اہلیت والے افراد کو بیعت فرماتے

آپ کی صحبت میں ساوات، علماء، علما اور عابد حضرات آتے۔ آپ ہر ایک کے ساتھ اس کے منصب اور حیثیت و مقام کے مطابق گفتگو کرتے، اور پوری پوری توجہ کے ساتھ ہر ایک کے ساتھ پیش آتے۔ طلباء اور علماء کی ہر ممکن خدمت کرتے۔

آپ کا کابل سے ہجرت کر کے پشاور آنا بھی دینی جمیعت پر مبنی تھا۔ امیر امان اللہ خان والی کابل جب یوڈپ سے دورہ کر کے واپس کابل پہنچے تو انھوں نے باغ منصوبی (کابل) میں تمام حکمران، اُمراء، علماء اور ساوات کو جمع کر کے جلسہ کیا۔ دوران تقریر

میں والی کابل نے کہا: "کہ حضور بھی ایک معلم تھے، انھوں نے بھی قوم کو ایک آئین دیا تھا میں بھی حیثیت بادشاہ کے معلم ہوں۔ میں اب اپنا آئین بنا کر قوم کو دیتا ہوں دین اسلام کی اب ان باتوں کو چھوڑ دو یہ پڑانی ہو گئی ہیں"۔ آپ اس جلسہ سے اٹھ

کر چلے آئے۔ تین دن تک آپ کو آرام نہیں آیا۔ تیسرے دن آپ نے کابل سے ہجرت کی اور پشاور تشریف لے آئے، اور تمام زندگی یک سو رہ کر عبادتِ الہی میں حضرت حافظ عبد الغفور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں گزار دی۔ اگرچہ امراء کابل نے

اکثر اوقات آپ کو کابل آنے کی دعوت دی، یہاں تک کہ سرور ہاشم خاں مرحوم نے خود آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اب آپ تشریف لے آویں۔ مگر آپ یہی فرماتا کہ "حافظ صاحب جب اجازت دیں گے تو کابل جاؤں گا۔"

پشاور شہر میں بھی آپ نے اپنا سارا وقت عبادتوں، ریاضتوں اور مجاہدوں میں گزارا، فیاضی اور سخاوت کا یہ حال تھا کہ جو کچھ آپ کے پاس ہوتا اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے صرف کر دیتے۔ اگر کوئی حاجت مندرجہ ذیل آتا اور آپ کے پاس کچھ نہ ہوتا تو اوڑھے ہوئے کپڑے اس کو دے دیتے، مگر ضرورت مند کو خالی جانے نہ دیتے۔

آپ روزانہ حضرت حافظ عبد الغفور صاحب کے مزار پر حاضر ہو کر ختم خواجگان کرتے۔ پشاور میں مختلف علاقوں میں آپ سب سے ہیں اور آخر کار بیرون نیا دروازہ قیام کیا۔ ہر سال ۱۵ شعبان کو حافظ صاحب کا شاندار ہتھام کے ساتھ عرس کرتے۔ آپ کثیر الکرامات تھے۔ مگر اپنا حال کسی پر ظاہر ہونے نہیں دیتے تھے۔ بلکہ نہایت عاجزی کرتے اور عاجزی کرنے کی نصیحت بھی فرماتے۔

آپ کی وفات پھر ۸۵ برس بروز بدھ ۲ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ میں ہوئی اور چھاؤنی میں حافظ عبد الغفور صاحب رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی کے پہلو میں اس آفتاب ولایت کو سپردِ خاک کیا گیا۔

آپ کے دو فرزند ہیں اور دونوں صاحبِ خلاقِ حمیدہ اور اوصافِ پاکیزہ ہیں۔ اپنے والد کی طرح یکسوئی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ذکر و فکر میں مصروف ہیں۔ بڑے کامیاب گرامی سید غلام محمد المعروف آغا گل صاحب اور چھوٹے کامیاب گرامی سید غلام تباری المعروف گل آغا جان ہیں۔ دونوں حضرت نورالمنیر صاحب کابلی مرحوم کے مرید ہیں اور تکمیل سلوک کر چکے ہیں۔

حضرت مولانا سید حبیب شاہ صاحب

۱۲۹۳ھ تا ۱۳۶۳ھ

آپ کا اسم گرامی سید حبیب شاہ صاحب، والد کا اسم گرامی حضرت مولانا سید اکبر شاہ صاحب، اور لقب مفتی، ڈسٹرکٹ خطیب تھا۔ آپ جس گھر میں پیدا ہوئے وہ علم و سیاست کا مرکز تھا، آپ کے والد کوہاٹ (جو کہ پشاور ڈویژن کے ایک ضلع کا شہر ہے) کے رہنے والے تھے۔ وہ اپنے والد سید علی شاہ سے اجازت لے کر حصول علم کے لئے گھر سے نکلے، اور ہندوستان تشریف لے گئے۔ مختلف علماء سے تعلیم حاصل کی اور پھر پشاور تشریف لائے۔

پشاور میں حضرت علامہ شارح صحیح البخاری حافظ محمد احسن صاحب المشہور حافظ دراز صاحب اور جناب مولانا مولوی مفتی محمد احسن صاحب ساکن کوٹلہ رشید خان سے علوم متداولہ پڑھا، نیز کافی وقت بحر العلوم حضرت حافظ محمد عظیم صاحب المشہور گنج والے حافظ جی صاحب کی خدمت میں رہ کر سند علم و افتاء پر جلوہ افروز ہوئے۔ تقریباً چالیس برس تک علم و معرفت کا درس پشاور میں دیا۔ آپ کے کتب خانے میں علم معقول و منقول کی کوئی ایسی کتاب نہیں جس پر آپ کا تحریر ہو۔ وہ عاشرہ موجود نہ ہو، پشاور شہر

کا ہر فرد علمی مسئلہ کی دریافت کے وقت آپ کی طرف رجوع کرتا اور اسی لئے ہر شخص کے دل میں آپ کی انتہائی عقیدت و محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ اپنے وقت کے مفتی اعظم تھے۔ آپ نے علم کی خدمت کے ساتھ تصوف کی خدمت بھی کی۔ تصوف کی کتابوں کا درس دیتے، ثنوی، لوائح جہانی، کتاب اللعۃ، منطق الطیر، مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی، پڑھاتے تھے، گویا آپ کی ذات میں علم و معرفت کا اجتماع تھا۔ اپنے آبائی سلسلہ قادریہ میں صاحبِ مجاز اور معصوم تھے۔ اور اسی سلسلہ کی اشاعت کی۔ صاحبِ کشف و کرامت تھے۔ میری نانی صاحبہ فرماتی تھیں کہ پشاور میں ایک بار بہت سخت وبا پھوٹ پڑی سینکڑوں لوگ روزانہ مرنے لگے، اور لوگ میتوں کو دفن کرنے سے عاجز ہوئے لگے۔ جن مشائخ کرام کے ساتھ لوگوں کا تعلق تھا وہ ان حضرات کی خدمت میں دُعا کے لئے حاضر ہوئے۔ چنانچہ یہیں بھی اپنے والد تمام گھر والوں کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ دُعا ہوئے۔ آپ جن جگہ عبادت کرتے تھے اس جگہ کھڑے ہو گئے اور اپنا کرتہ مبارک دامن سے پکڑ کر اٹھایا اور فرمایا تم سب اس کے پیچھے سے گذر جاؤ۔ ہم اس دامن کے نیچے سے گذر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے ہمیں اس و بار سے محفوظ رکھا۔ آپ بہت ہی بابرکت، متواضع، منکسر المزاج، صاحبِ اخلاقِ حمیدہ، اور نہایت ہی مہمان نواز تھے۔ آپ کی وفات ۱۳۱۲ھ میں ہوئی۔

سید حبیب شاہ صاحب آپ کے فرزند ارجمند ہیں، آپ علم و حکمت، سیاست و تدبیر کی گویں پروان چڑھے، اپنے وقت کے قابل ترین علماء کے آگے زانوئے ادب طے کیا، اور علوم منذ اول سے فراغت حاصل کر کے مستدرس و افتا پر متمکن ہوئے۔

علاقہ چچا اُس وقت علم معقول کا مرکز تھا۔ آپ نے علماء چچہ سے علم معقول کی تعلیم کو مکمل کیا۔
 فقہ کا مرکز صوبہ سرحد تھا۔ آپ نے علماء صوبہ سرحد سے فقہ شریف کو مکمل کیا۔ اُس وقت
 کے فقہ کے امام حضرت شیخ الفقہ حقیقی مولانا صاحب آپ کے ارباب تہذیب میں سے تھے۔
 حدیث شریف کی تکمیل پشاور کے مشہور و معروف عالم محدث اعظم جناب مولانا
 محمد الیوب صاحب خطیب و امام جامع مسجد سنگ مرفر پشاور سے کی۔

صاحب اخلاق جمیدہ، مہمان نواز، علماء اور مشائخ کے انتہائی قدروان اور
 صاحب ہمت و استقلال نڈر عالم تھے۔ نہایت کی وجہ تھے۔ علماء کی مجلس میں ہمیشہ
 آپ ہی صدر الصدور ہوتے۔ آپ کے فتویٰ پر تمام علماء سرحد تصدیق فرماتے، آپ
 کی ذات شریف عقائد حقہ اہل سنت و الجماعت کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط و
 مستحکم فولادی دیوار تھی جو بھی آپ کی زندگی میں ان عقائد سے ٹکرایا ایک بہادر اور
 شجاع جرنیل کی طرح ہر قسم کے خطرات سے بے نیاز ہو کر آپ اُس کے مقابلہ میں آتے
 اور جس وقت بھی گمراہوں کے اجتماع میں آپ کے آنے کی خبر ہوتی اور آپ پہنچ جاتے
 تو وہ گمراہ میدان سے بھاگ جاتے۔

جس طرح آپ دین اسلام شریعت محمدی اور فقہ حنفی کی اشاعت میں مستعد تھے
 اسی طرح سیاست میں بھی آپ نے عملی طور پر ہمت و استقلال کے ساتھ کام کیا۔ سیاسی
 اعتبار سے آپ کانگریس کے بہت سخت مخالف تھے اور مسلمانوں کی لگاپنی جمعیت
 اور جماعت کے حامی تھے۔ اسی لئے آپ نے کانگریس کے ساتھ شمولیت اختیار نہیں کی
 اور ہمیشہ مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ اسی وجہ سے ہمیشہ کانگریسی حضرات نے آپ پر قسم قسم
 کے الزامات لگائے۔ یہاں تک کہ آپ کو انگریزوں کا ایجنٹ تک کہا گیا۔ مگر ان سب

پرائیڈوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے۔ آپ نے مسلمانوں کی سر بلندی اور مسلمانوں کی اپنی
 جمعیت کے لئے اپنی زندگی بسر کر دی۔ یہ دور ایک خالصاً سیاسی دور تھا۔ خدائی خدمتگار
 تحریک، خاکسار تحریک اور احرار تحریک کی مخالفت کرنا آسان کام نہیں تھا تمام علماء
 یا کانگریسی تھے یا احراری، مگر صرف علماء میں ایک آپ تھے کہ اس وقت بھی آپ نے
 مسلم لیگ کے مقابلہ میں ہر اس تحریک کی علی الاعلان مخالفت کی جس سے مسلمانوں کی
 سر بلندی مسلمانوں کی جمعیت کو نقصان پہنچتا تھا۔

جب غازی امان اللہ خاں مرحوم یورپ کی سیاحت پر گئے اور کابل میں خلاف
 شرع امور رونما ہونے لگے تو آپ نے بھی پشاور میں ان کی شدت کے ساتھ مخالفت
 کی تھی، اس وقت پشاور کے تمام عوام نے آپ کی بڑی مخالفت کی، مگر آپ اپنی
 لائے پیچھے رہے۔

جس وقت جمعیتہ العلماء ہند سے الگ ہو کر مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی
 مولانا مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی اور مولانا مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی
 نے جمعیتہ العلماء اسلام کی بنیاد رکھی تو آپ نے یہاں کے علماء کو جمع کیا اور یہاں
 پر بھی جمعیتہ العلماء اسلام بنائی گئی، آپ اس جمعیت کے صوبہ سرحد میں پہلے صدر
 تھے۔ اس جمعیت نے بھی مسلم لیگ کی حمایت میں سیاست میں عملی کام کیا۔
 پشاور شہر کے سادات کی تنظیم میں آپ بہت ہی دلچسپی لیتے اور ہر وقت آپ
 کی کوشش ہوتی کہ علم اور سیاست میں سادات پشاور، پشاور کے عوام کی رہبری کریں
 جب تک آپ زندہ رہے انجمن سادات پشاور کے آپ صدر رہے اور انتہائی
 گرم جوشی کے ساتھ آپ نے اس انجمن کی خدمت کی۔

۱۹۲۸ء میں جب مسلم لیگ صوبہ سرحد میں برسرِ اقتدار آگئی اور زمام حکومت خان
 عین القیوم خان کے ہاتھ آیا اور وہ وزیرِ اعلیٰ مقرر کئے گئے تو ان کے مشورہ کے ساتھ
 وزیرِ تعلیم میاں جعفر شاہ صاحب نے محکمہ اوقاف کو سنبھال کر اس میں اصلاحات کیں
 ان اصلاحات میں ایک یہ سکیم بھی تھی کہ صوبہ سرحد میں ڈسٹرکٹ خطیب مقرر کئے جائیں
 اور تمام مذہبی امور میں ان کی طرف رجوع کیا جاوے۔ چنانچہ صوبہ سرحد کے ہر ایک
 ضلع میں ایک ڈسٹرکٹ خطیب مقرر کیا گیا۔ پشاور کے ضلع کے لئے جناب مولانا
 مولوی سید حبیب شاہ صاحب کو خطیب مقرر کیا گیا۔ جب آپ کو خطیب مقرر
 کیا گیا تو حکومت کے اس اقدام کو پشاور کے لوگوں نے عموماً اور سادات نے خصوصاً
 بہت سراہا، اور آپ کو اس کے بعد پشاور کی مرکزی جامع مسجد مہابت خان کی
 خطابت اور عید گاہ کی خطابت بھی سپرد کر دی گئی۔ آپ نے تمام زندگی ان
 ذمہ داریوں کو باحسن و جود پورا کیا۔

اسی وقت سے آپ پشاور کا مفتی اور خطیبِ اعظم بھی سمجھا جانے لگا۔ اگرچہ
 اس سے پیشتر بھی علاقہ تحصیل مہند اور آفریدیوں کے تمام قبائل آپ ہی سے اپنے
 شرعی فیصلے کرواتے تھے۔ مگر اب حکومت پاکستان کی طرف سے بھی آپ ضلع پشاور
 کے خطیب اور مفتی ہو گئے۔

آپ بڑے سخی، جواں بہمت، متواضع، انتہائی مہمان نواز، قدروان، بہترین
 اخلاقِ حسنہ کے مالک تھے۔ پُر و جھبیہ شکل و صورت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ

لے عید گاہ میں مفتی مولانا مولوی عبد القیوم صاحب پولوئی کو ہٹا کر محکمہ اوقاف نے آپ کو خطیب مقرر
 کیا۔

کا مکمل نمونہ نظر آتی تھی، فقہہ حنفی کو آپ پر ناز تھا۔ پشاور کا ہر فرد آپ کو عزت و احترام
 کی نظر سے دیکھتا تھا اور اب بھی جب آپ کا ذکر ہوتا ہے تو ادب و احترام سے
 ہوتا ہے۔

۱۳۷۳ء میں اس مونیاتے فانی سے عالم جیادوانی کو سدھارے ایبٹ آباد
 میں آپ کا انتقال ہوا، اور پشاور میں آپ اپنے آبائی قبرستان میں سپردِ خاک کئے
 آپ کے صاحبزادہ مولانا مولوی سید مبارک شاہ فاضل دیوبند کو آپ کی جگہ
 مسند افتا سپرو کی گئی اور جناب جعفر شاہ صاحب کا کاخیل وزیر اوقاف نے
 آپ کی جگہ مولانا موصوف کو ڈسٹرکٹ خطیب مقرر کر دیا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب جزوہ حافظ علی احمد جہان صاحب رحمہ اللہ

۱۳۰۱ھ تا ۱۳۶۶ھ

آپ کا اسم گرامی صاحب جزوہ علی احمد جہان صاحب، والد کا نام صاحب جزوہ محمد عبدالقیوم صاحب، لقب شیخ الحدیث، رئیس لواغظین ہے۔ آپ کا گھر حفظ قرآن اور علم و حکمت کا گھر تھا۔ یہاں تک کہ آپ کے گھر میں عورتیں بھی قرآن مجید کی حافظہ تھیں۔ آپ نے ۱۲ برس کی عمر میں جناب حافظ خان محمد صاحب آسیا والے سے قرآن مجید حفظ کر لیا اور تیرہ برس کی عمر میں تراویح میں قرآن پاک سنایا۔ ذالک فضل اللہا یوتیہا من یشاء۔ بچپن ہی میں آپ کو تحصیل علم کا شوق تھا۔ حفظ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ ابتدائی کتابیں صرف و نحو، منطق، اصول فقہ، فقہ اور دیگر کتب حضرت مولانا مولوی بھوڑا صاحب سے پڑھ لیں۔ ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مولوی پیر علی شاہ صاحب ساکن ڈھکی نعلبندی کی خدمت میں حاضر

۱۔ بھوڑا صاحب پشاور شہر کے قریب بھانہ ماڑی کے باہر سکونت پذیر تھے۔ بہت ہی بڑے علامہ تھے۔ معقول و منقول میں اپنا جواب خود تھے۔ آپ کی قبر بھی ڈھیری یا غیاثاں کے راستہ پر واقع ہے۔

ہوتے اور علوم متداولہ کو ان سے تکمیل تک پہنچایا۔

حضرت محدث جلیل مولانا مولوی محمد ایوب صاحب صدر المدرسین مدرسہ جلال
کی خدمت میں حاضر ہو کر صحاح ستہ کا مکمل دورہ کیا اور ان سے سند حدیث حاصل
کی، آپ کی سند حدیث مکی تھی اور مسہمی تھی ثبت امیری سے۔

علوم متداولہ کے حصول کے ساتھ ساتھ آپ نے فنِ تخریر بھی اس وقت کے
باکمال اساتذہ سے سیکھا چنانچہ اس فن میں بھی آپ نے کمال حاصل کیا۔ اس فن میں
آپ کے استاد سید گوہر علی شاہ صاحب تھے آپ کے یہ استاد اپنے فن میں یگانہ روزگار تھے۔ گرجا
پشاور میں جو تخریر ہے وہ بھی آپ کے استاد محترم کا شاہکار ہے۔ درس نظامی کو
پایہ تکمیل تک پہنچا کر آپ نے ۷۷ برس کی عمر میں درس تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔
آپ نے ملازمت اختیار کی ہوئی تھی، یعنی آپ محافظ دفتر تھے اور اگر ملازمت
کے سلسلہ میں کہیں باہر بھی تشریف لے گئے تو باقاعدہ درس تدریس و عطا و نصیحت
جاری رہتا۔ ایک بار آپ کی تبدیلی شب قدر ہو گئی تو وہاں پر بھی شب قدر کی مسجد
میں درس قرآن جاری کیا۔ جمعہ کی نماز میں و عطا ارشاد فرماتے اور جب تک پشاور
میں رہتے ہوا آخری دم تک ضلع کچہری کے خطیب تھے۔ باوجود ملازمت میں ہونے
کے کبھی بھی آپ حق گوئی سے باز نہ آئے۔ افسران اور حکومت کو ہمیشہ علی الاعلان
ٹوکتے۔ بلکہ آپ کی اس سچائی پر آپ کے مکان کی تلاشی بھی لی گئی آپ سے
جواب طلبیاں بھی کی گئیں، مگر آپ کے پاسے استقلال میں لغزش نہ آئی۔

شہر ہی سنگھن تخریب کے خلاف آپ نے حضرت امیر شریعت پیر جماعت علی
شاہ صاحب کے ہمراہ تمام ہندوستان کا سفر کیا، اور ہر مقام پر ہزاروں مخلوق کو حفظ

نصیحت فرمائی۔ تقریباً پانچ ماہ یہ سفر جاری رہا۔ آپ کی اس اتھک مساعی اور پُراثر
 مواعظ کو دیکھ کر آپ کو رئیس الواعظین کا لقب حضرت امیر شریعت نے عطا فرمایا۔
 بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے سامنے یعنی امیر شریعت کے ہمراہ تقریباً پچاس کے قریب
 علماء تھے جو وعظ بیان کرتے۔ مگر جناب صاحبزادہ صاحب کے وعظ کا اتنا اثر
 ہوتا کہ ہر جگہ آپ ہی ان واعظین کے پیشرو ہوتے اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ
 آپ کے وعظ کے دوران ہر طرف شوق و ذوق میں لوگ نعرہ ہاتے "اللہ ہو"
 بلند کرتے اور لوگوں پر اتنی رقت ہوتی کہ بے ہوش ہو جاتے۔ غرضیکہ آپ نے
 شدھی سنگھٹن تحریک کی نہایت ہی شدت کے ساتھ مخالفت کی۔ اور آپ کا
 یہ سفر بہت ہی کامیاب رہا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنان دین اسلام کے منصوبوں کو
 خائب و خاسر کیا۔ آپ حقیقی طور پر پشاور شہر میں عقائد اہل سنت و جماعت کے
 داعی تھے۔ آپ کے مزاج میں ہی نہیں بلکہ آپ کی رگ و پے میں حضور نور محمد
 کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت موجزن تھی۔ اور بے احترام
 کی وجہ سے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی و اسم گرامی نہیں لیتے تھے۔ بلکہ
 حضور کے صفاتی اسماء میں سے کسی تک لے کر حضور کا ذکر فرماتے، اور جب کسی
 صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں منہمک ہوتے تو آپ پر ایک وجدانی
 کیفیت طاری ہوتی اور اس کیفیت کا اثر سامعین پر بھی ہوتا۔

آپ نے اپنے گھر کے سامنے مسجد شریف میں "مدرسہ تعلیم القرآن والحديث حنفیہ"
 قائم کر رکھا تھا۔ عصر سے لے کر عشاء تک آپ بنفس نفیس اس دارالعلوم میں درس فرماتے
 عصر سے لے کر مغرب تک حدیث شریف کا اور مغرب سے عشاء تک قرآن مجید

کھاؤ کس ہوتا تبھر کی نماز پڑھ کر آپ اپنی آبائی مسجد ڈھیری باغباناں شریفینے جاتے، صبح کی نماز وہاں ادا کرتے۔

پشاور شہر کا بچہ بچہ آپ کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا۔ آپ متواضع، فلسفہ، منکسر المزاج، صاحب اخلاق جمید، اور انتہائی عہمان نواز تھے۔ آپ کے درس میں علماء، صحابہ اُمراء اور غریب غریبیکہ ہر قسم کے لوگ آکر فیض حاصل کرتے۔ خلافت کی تحریک میں بھی آپ نے جناب حضرت مولانا مولوی سید مقبول شاہ صاحب کے ہمراہ خوب تن دہی سے حصہ لیا اور پھر ہجرت کی تحریک میں خود غرض لوگوں کی وجہ سے آپ بد دل ہو گئے اور عملی طور پر سیاسیات سے یکسوئی اختیار کر کے صرف اور صرف دینی تبلیغ اور تعلیم و تعلم کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ آپ کے درس میں خان بہادر ڈاکٹر حکیم اللہ خان صاحب، خان بہادر نقشبند خان صاحب، حضرت آقا سید چمن بادشاہ صاحب، جناب مولانا مولوی حافظ عبدالحمید صاحب پروفیسر عبید الرحمن صاحب، جناب نصیر الدین صاحب پی۔ اے ڈاکٹر محکمہ تعلیم، جناب عبدالرشید صاحب ارشد، چیف انجینئر ٹیلیفون، جناب مشتاق احمد صاحب صدیقی بی۔ اے۔ حافظ تاج محمد صاحب، جناب غلام سرور صاحب سپرنٹنڈنٹ ٹیکس محکمہ کیمپولر، وغیرہ وغیرہ شامل ہوئے اور قرآن و حدیث سے وافر حصہ پایا۔ آپ کے درس کی برکت ہے کہ اب تک آپ کے شاگردوں میں تبلیغ دین اور اشاعت قرآن و سنت کا جذبہ اور لگن موجود ہے۔ جو بھی جہاں ہے حسب المقدر دین محمدی کی خدمت کرتا ہے۔

پشاور شہر میں مجلس سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد رکھنے والوں میں آپ کی

ذات مستودہ صفات پیش پیش تھی۔ جب اس مجلس پر اہل حدیث حضرات کا غلبہ ہوا تو آپ نے شاہی مہمان خانہ میں ایک نہایت ہی عظیم الشان اجتماع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف پر تقریر کر کے اس مجلس سے علیحدگی اختیار کی، اور پھر مجلس میلاد و شریف کے موقعہ پر جلوس کا اہتمام کروایا۔ پہلا جلوس ۱۳۲۲ھ میں اس فقیر کے زیر اہتمام یکے توت سے نکلا جو رات کے نو بجے آپ کے دولت کدہ پر ختم ہوا اور پھر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جلسہ ہوا یہ آپ ہی کے جذبہ عبادت کی برکت ہے کہ آج پشاور میں ہر ایک محلہ اور کوچہ میں میلاد و شریف منائی جا رہی ہے۔ اس کی بنیاد آپ ہی رکھنے والے ہیں۔ بلکہ اب تو بیچ الاقل شریف کا تمام مہینہ میلاد و شریف کے جلسوں میں گزر جاتا ہے۔

آپ نے صرف درس و تدریس مواعظ کے ذریعہ ہی تبلیغ نہیں فرمائی بلکہ تحریک ذریعہ بھی دین حق کی اشاعت کی۔ آپ نے پشاور شہر میں چھوٹے چھوٹے مفلطوں کے ذریعہ اسلام کے بنیادی احکام عوام تک پہنچائے چنانچہ آپ نے احکام شب بارات، فضیلت رمضان، سراج المشکوٰۃ فی مسائل الزکوٰۃ رسائل لکھ کر شائع کیے۔ سراج المشکوٰۃ کا بنگالی زبان میں آپ کے ایک شاگرد آغا محمد جان نے ترجمہ کروا کر بھی شائع کیا۔

حدیث شریف کے درس کے دوران میں اصول حدیث پر حضرت شاہ محمد غوث

صاحب قادری کا رسالہ اصول حدیث آپ نے شامل درس فرمایا تھا۔ اس کا ترجمہ نہایت ہی اعلیٰ فرمایا۔ انشاء اللہ وہ یہ فقیر بہت جلد شائع کروے گا۔ آپ نے قرآن پاک کا حاشیہ بھی تحریر کرنا شروع کیا تھا، مگر پورا نہ ہو سکا۔

آپ کو جو بھی استفہار آتا اس پر فقہ حنفی کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرماتے
واقعہ یہ ہے کہ آپ کی فقاہت اور استنباط مسائل کا علم اس وقت ہوتا ہے جب
کہ ان فتوؤں کو مطالعہ کرے جو آپ نے وقتاً فوقتاً دیئے۔

ایک بار آپ کو تپ محرقہ کا حملہ ہوا اور بہت شدید تھا۔ ڈاکٹر، حکیم، دوست
احباب، شاگرد، آپ کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ آپ پر نیم بیوشی سی طاری
تھی، ذرا سنبھل گئے اور فرمایا کہ میں اس بیماری سے نہیں مرتا۔ کیونکہ ابھی حضور صلی
علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور حضور نے فرمایا ہے کہ دس برس تجھے اور زندگی سے
دہی گئی ہے۔ چنانچہ آپ دس برس تک زندہ رہے۔

ایک بار میں حدیث شریف آپ کے سامنے بیٹھے پڑھ رہا تھا کہ آپ پر ایک
وجدانی کیفیت طاری ہو گئی فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا یہ حدیث شریف کا
پڑھنا سن رہے تھے اور بہت خوش تھے۔ خالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

آخری ایام میں تو آپ بالکل از خود رفتہ ہو گئے تھے۔ اپنی ہستی کو فراموش کر
ویا تھا اور ذات مبارک سید و دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہر وقت مراقب رہتے۔

۱۳ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ میں یہ علم و معرفت کا آفتاب غروب ہو گیا، اور
اپنے آبائی قبرستان میں ۱۲ رمضان المبارک کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

حضرت مفتی اعظم علامہ ذوالفقار علی خان صاحب پوپلنی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۱۰ھ تا ۱۳۶۴ھ

”دنیا کی سب قوموں پر اعتماد کیا جاسکتا ہے لیکن انگریز قوم ہرگز قابل اعتماد نہیں“
 یہ الفاظ ہیں حضرت مفتی اعظم مولانا عبدالرحیم صاحب پوپلنی مرحوم کے جنھوں نے
 سرزمین بے آئین میں رہ کر استبداد و تشدد کے طوفان میں انگریز سامراج کی لعنت
 اور عوام مزدور اور ہرقان کی حمایت کی، جنھوں نے آخری سانس بھی قوم و وطن کی
 محبت پر نثار کر دیتے، جو ایک بہت بڑے انقلابی لیڈر مندر رہنا، فاضل اجل،
 عالم باعمل، حریت پرور، اور انسان دوست فروتن اور جن کی انتھک مساعی اور
 بے لوث قربانیوں کی بدولت اب تک فضائے سرحد میں صحیح انقلاب کی گونج
 باقی ہے۔

آپ کا نام نامی و اسم گرامی عبدالرحیم مفتی اعظم لقب ہے اور پوپلنی خاندان
 سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ ۱۸۹۰ء میں بمقام پشاور حضرت مفتی سرحد مولانا عبدالحکیم
 صاحب کے گھر میں تولد ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار مفتی سرحد مولانا عبدالحکیم تھے
 علمی حلقے میں آپ کا شہرہ صرف صوبہ سرحد ہی میں نہیں، بلکہ کابل، قندھار، غزنی اور

پر ایک پھیلا ہوا تھا۔ ان تمام علاقوں کے لوگ جوق در جوق آ کر آپ کے وسیع علم سے مستفیض ہوتے۔ سیاسی اعتبار سے بھی آپ کی شخصیت نہایت اہم تھی آپ شلافت کمیٹی کے صدر تھے مولانا عبدالرحیم صاحب کے دادا حضرت علامہ محمد امین صاحب کا شمار بھی صوبہ سرحد کے ممتاز ترین علماء میں ہوتا تھا۔

حضرت استاذ گرامی مرتبت مفتی اعظم مولانا عبدالرحیم صاحب پوپلزنی مرحوم نے ۱۹۰۸ء تک پشاور میں مختلف علماء سے اور بالخصوص اپنے والد محترم سے تعلیم حاصل کی۔ کتب درسیہ سے فراغت حاصل کر کے ۱۹۰۸ء میں رامپور ہوتے ہوئے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ یہاں اس وقت شیخ الہند علامہ محمود الحسن صاحب شیخ الدرس تھے۔ ۱۹۱۲ء میں آپ دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کا شمار حضرت شیخ الہند کے مخصوص اور ممتاز شاگردوں میں ہوتا تھا۔ آپ اپنے استاد کا جس وقت بھی درس میں نام لیتے تو نہایت ہی ادب و احترام سے لیتے اور فرماتے۔ ”کہ مجھے مخبر ہے کہ شیخ الہند جیسے مجاہد میرے استاد ہیں“

تعلیم سے فراغت حاصل کر کے آپ نے استاد کے ارشاد پر سیاسیات میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء میں جب ہجرت کی تحریک شروع ہوئی، تو آپ نے نہایت ہی جانفشانی کے ساتھ اس تحریک میں قوم کی خدمت کی اپنی پُر خلوص اور بے لوث خدمات کا سکہ ہر ایک کے دل پر بٹھا دیا۔ حقیقت آپ کی سیاسی زندگی کا زمانہ کھلے طور پر ہمیں سے شروع ہوتا ہے۔ آپ کی حیثیت اس تحریک میں ایک قائد کی تھی۔

۱۹۲۶ء میں آپ نے ایک ہفت روزہ ”صحیفہ“ ”سرفروش“ کا اجراء کیا جس

میں تقریباً تمام مقالات، شذرات اور مضامین آپ ہی کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہوتے تھے۔ صوبہ سرحد میں اس وقت جبکہ ظلم و جور کی جاہلانہ قوت نے جمہوریت اور آزادی کو دبا رکھا تھا۔ یہ اپنی قسم کا واحد اخبار تھا جو کہ غریب عوام، محنت کش، مزدور، اور مفلوک الحال لوگوں میں بیداری اور اپنے حقوق کی حفاظت کا جذبہ عاقد پیدا کرتا تھا۔ انگریزی سامراج پر جارتز اور تعمیری نکتہ چینی کرنا بغیر کسی خوف و خطر کے اس اخبار کا طرہ امتیاز تھا۔ آج اگر ہم یہ کہیں تو بے محل نہ ہوگا، اور بے جا بھی نہ ہوگا کہ صوبہ سرحد کی سیاسی بیداری میں اس اخبار کو بہت دخل رہا ہے۔

مولانا صاحب کی مسلسل کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۱۹۲۸ء میں یہاں کانگریس کمیٹی کی بنیاد رکھی گئی۔ مگر جب آپ نے دیکھا کہ کانگریس میں ایسے افراد ہیں جو بیٹری اور خیالات کے مالک ہیں اور غریب عوام کی خدمت نہیں کرتے۔ نیز آپ مکمل اشتراکی خیالات رکھتے تھے۔ لہذا آپ نے چند اشتراکی رفیقوں کے تعاون سے "نوجوان بھارت سبھا" کے نام سے ایک الگ جماعت کا قیام عمل میں لائے۔ آپ کو اس جماعت کا سرپرست بنایا گیا۔ صوبہ سرحد کا نوجوان اور باعمل طبقہ آپ کے ساتھ مل گیا۔ آپ نے آئے والے انقلاب کو دیکھتے ہوئے صوبہ سرحد کے قریب قریب گاؤں گاؤں، اور شہر شہر کا دورہ کیا، ایک بہار، شجاع اور نڈر انقلابی کی طرح دُنیا کو یہ پیغام دیا۔ "دُنیا چین و آرام کی زندگی بسر کرے۔ ملک کا نظام حکومت معاشی اور اقتصادی خوش حالی کا کفیل ہو۔ عدل و انصاف کا دور دورہ ہو، ظلم و استبداد کا استیصال کیا جائے، ظالم کی حمایت نہ ہو اور نہ مظلوم کی حق تلفی ہو۔"

اس کے بعد آپ نے آزاد قبائل کا دورہ کیا۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ بڑے

بڑے علماء اور سیاسی کارکن بھی تھے۔ آپ کے اس سفر کا ایک اہم مقصد (علاقہ دیگر مقاصد کے) یہ بھی تھا کہ انگریزوں کی ان ریشہ ورائیوں کو طشت از باہم کیا جائے جو امان اللہ خان مرحوم سابق واپی افغانستان کے متعلق کی جا رہی تھیں۔ چنانچہ آپ آزاد قبائل کے مشاہیر علماء، مشائخ اور خواتین سے ملے اور انہیں حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ اس سفر میں آپ کو مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر آپ نے ان تمام تکالیف کا مقابلہ کیا۔ اور اواخر ۱۹۲۹ء میں واپس پشاور لوٹے، اور اس تمام روزگار کو ختم کر کے عوام الناس کی معنویات کے لئے شائع کر دیا۔ اب آپ کی اکتفا کوشش اور سچی پیہم سے تمام لوگ اور خصوصاً غریب عوام جہاد آزادی کے لئے بالکل تیار ہو چکے تھے۔ سول نافرمانی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ جلسوں میں آپ کی تقاریر سے غریب اور نادار عوام آزادی کی تڑپ اور "انقلاب زندہ باد" کے نعروں سے اپنے قلوب گرما رہے تھے۔

گورنمنٹ انگریزی نے ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء کی صبح آپ کو مع دوسرے رفقاء کے گرفتار کر لیا۔ اسی دن ان لوگوں کی گرفتاری پر عوام میں بے چینی پھیل گئی، کھل پھیلنے لگی گئی، جلوس نکلے، انگریزوں نے فوج طلب کر کے نہتے اور مظلوم عوام پر اندھا دھند مسلسل سارے پتھر پھینکنا تک گولی چلائی، قصہ خوانی بازار شہدار کے خون سے لالہ بن گیا۔ قدم قدم پر لاشیں اور زخمیوں کی کراہنے کی آوازیں نکلیں۔ کتنے نوجوان تھے جو اس دن شہید ہوئے اور کتنے بچے اس دن یتیم ہوئے۔ ان تمام مصیبتوں اور تکالیف کا برداشت کرنا اور وطن عزیز کی آزادی کے لئے ہمیشہ اور ہمیشہ قربانیاں کرنا آپ ہی کی بے پناہ کوشش اور حصول آزادی کے لئے تیار کرنے کا نتیجہ تھا پشاور

سے آپ کو گجرات جیل منتقل کر دیا گیا۔ ۱۹۳۱ء میں گاندھی ارون بیکیٹ کے تحت آ کر رہا ہوئے اور آخر ۱۹۳۱ء میں انگریزی سامراج کے خلاف "اتمان زنی" کے ایک عظیم الشان جلسہ میں صدائے احتجاج بلند کی۔ اس جرم کی پاداش میں آپ کو تین سال قید کر دیا گیا اور ہری پور جیل میں رکھا گیا۔ ۱۹۳۲ء میں آپ نے رہائی حاصل کی جب آپ گھر پہنچے تو آپ کو میونسپل حدود میں نظر بند کر دیا گیا۔ اس دوران میں آپ نے بیتا اللہ شریف کے سفر کا ارادہ کیا۔ گورنمنٹ نے آپ کو سفر کی اجازت دی، تو آپ نے احکام توڑنے کی دھمکی دی۔ نتیجتاً گورنمنٹ نے آپ کو اجازت دے دی۔ دو سال تک آپ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں رہے۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو اسی طرح آپ نے آزادی وطن کی خاطر اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ ۱۹۳۶ء میں اصلاحات کے تحت کانگریس نے یہاں اپنی حکومت بنائی۔ ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ اب کانگریس جس کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ غریبوں، بھوکے، ناداروں اور مفلوک الحال زمینداروں کے لو اور ہڈیوں پر بیٹی سر یہ آ کر حکومت ہو چکی ہے۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس کانگریسی حکومت کو نوآبادی اور کے ظلم و جبر سے آگاہ کیا جو اس نے اپنے کمزور اور بے کس کسانوں پر روا رکھے تھے، مگر وہ حکومت اس سے منہ نہ ہوتی۔ آپ نے برابر پراونشل کانگریس کو بھی اس اہم مسئلہ کی طرف متوجہ کیا۔ مگر اس طرف سے بھی کوئی جواب نہ ملا۔ آخر کار آپ کی "سرپرستی" میں "غلام ڈھیر" تحریک شروع ہو گئی۔ آپ نے ایک بہادر انقلابی کی طرح مفلوک الحال زمینداروں کی حمایت میں "اپنی حکومت" کے مقابلہ پر آ کر ۱۹۳۷ء میں مدینہ پھر ہو گئے۔ آپ کو حکومت کی طرف سے ہر قسم کا لالچ دیا گیا، مگر

آپ کا ارشاد ہے -

” اس میں شک نہیں کہ زمانے کے دل فریب کرشمے مضبوط سے مضبوط ارادے کو بھی متزلزل کر سکتے ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ کامیابی کا راز عزت میں ہے اور شک آرزو کے فریب خوردہ ارادے و نیلے عزیمت کے حدود سے خارج ہیں۔“

آپ نے اپنا یہ ارشاد سچا کر دکھایا کہ مردانِ عزیمت ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ آپ نے انتہائی ہمت و عزم اور استقلال کے ساتھ اس تحریک کو چلایا۔ آخر اس اپنی حکومت نے ایک سرمایہ دار کی حمایت کرتے ہوئے مولینا صاحب کو گرفتار کر لیا اور ایک سال قید کی سزا دی، نیز جیل میں عام قیدیوں سے سلوک آپ کے ساتھ کیا۔ اس قید کو بھی آپ نے صبر و استقامت کے ساتھ پورا کیا۔

۱۹۳۸ء میں رہا ہونے کے بعد وہی جذبہ صداقت و عزیمت کی امداد، پھاروں اور بیکیوں کی حمایت آپ نے ضلع ہزارہ کے غریب زمینداروں اور کسانوں کی حمایت کے لئے ”ہزارہ کسان کانفرنس“ منعقد کی۔ تمام ہزارہ کا دورہ کرنے کے بعد ۱۹۳۹ء میں پہلی ہزارہ کانفرنس منعقد کی جس کی صدارت آپ نے خود انجام دینے غریب عوام کے مطالبات آپ نے کانگریس کے سامنے پیش کئے۔ آخر پراشل کانگریس کمیٹی کا اجلاس ایبٹ آباد میں کروا کر مزارعین کے مطالبات منظور کروا دیتے۔

اولاً ۱۹۳۹ء میں جب برطانوی استبدادیت نے غریب اور لاچار وزیرستانوں پر ہوائی جہازوں کے ذریعہ بمباری، توپوں کے ذریعے آتشیں گولے مشین گنوں اور مسلح موٹروں کے ذریعے گولیوں کی آگ برسائی تو آپ نے اس ظلم و جبر کے خلاف

بتوں میں جلسے منعقد کر کے حکومت کے خلاف تقاریریں لیں، اور عوام الناس کو ان
مظالم سے آگاہ کیا چنانچہ اس کلمہ حق کہنے پر آپ کو گرفتار کر کے پانچ سال قید کر
دیا گیا۔ اور قید بھی بامشقت تھی۔ ایڈوائزر می دور حکومت میں گورنمنٹ نے آپ
کو اس بشرط پر کہ آپ صرف بتوں نہیں جائیں گے، رہا کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر اس
پیکر حق و صداقت اور علمبردار حریت نے کمال بے باکی اور جرات سے جواب دیا
”کہ جب میں اس حکومت کو ہی عملاً تسلیم نہیں کرتا تو کسی بشرط کے قبول کرنے یا
نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ آخر تین سال کی قید کے بعد آپ کو رہا کیا
گیا۔ اس قید کے درمیان آپ کو پولورسی کی بیماری ہوئی اور اسی سے انتقال ہوا۔
چونکہ آپ کے خیالات عزیزوں کی حمایت بیسیوں کی داوری کرنا تھا اس
لئے رحمت پسند طبقہ اور وہ کانگریسی طبقہ جو سرمایہ دارانہ ذہنیت رکھتا تھا آپ
کے خلاف مذہب کی آڑ لے کر لغو اور محسوس پر اسپینڈرہ کیا کرتا تھا۔ آپ کو طعنوں سے
نوازا جاتا تھا۔ بالخصوص آپ پر یہ الزام لگایا جاتا کہ آپ کا طریق کار ملی مفاد کے
خلاف ہے اور خطرناک ہے۔ مذہب کو اس سے نقصان پہنچتا ہے۔ مگر آپ تمام
الزامات کا جواب کمال بردباری اور عمل کے ساتھ دیتے اور معاف فرما دیتے۔
چنانچہ ایک موقع پر آپ نے جواب دیا۔ ”آخر مجھے کوئی یہ تو بتائے کہ قوم کی
بہبودی، ملک کی ترقی و خوش حالی، مظلوم کی بہبودی، غمزدوں کی تشفی، بیسیوں
کی دلجوئی، ظالم سے اعراض، اپنی نوع انسان کے ساتھ سلوک و رواداری، کس مذہب
میں منع ہے، کس دین میں جرم اور کس تہذیب کے خلاف ہے۔ کیا اسلام نے ان امور
کی دعوت نہیں دی، شریعت نے ان کا احساس نہیں دلویا“ فرماتے ہیں ”اگر جواب

اثبات میں ہے تو بتلایئے کہ ۱۹۲۹ء سے لے کر اس وقت تک میری مستعد و محترم
اور تقریریں کس موضوع پر تھیں۔ کیا ان میں اور متذکرہ بالا کے سوا مواد موجود ہیں جن
کی وجہ سے مذہبی و ملی مفاد کو خطرہ پہنچتا ہے۔“

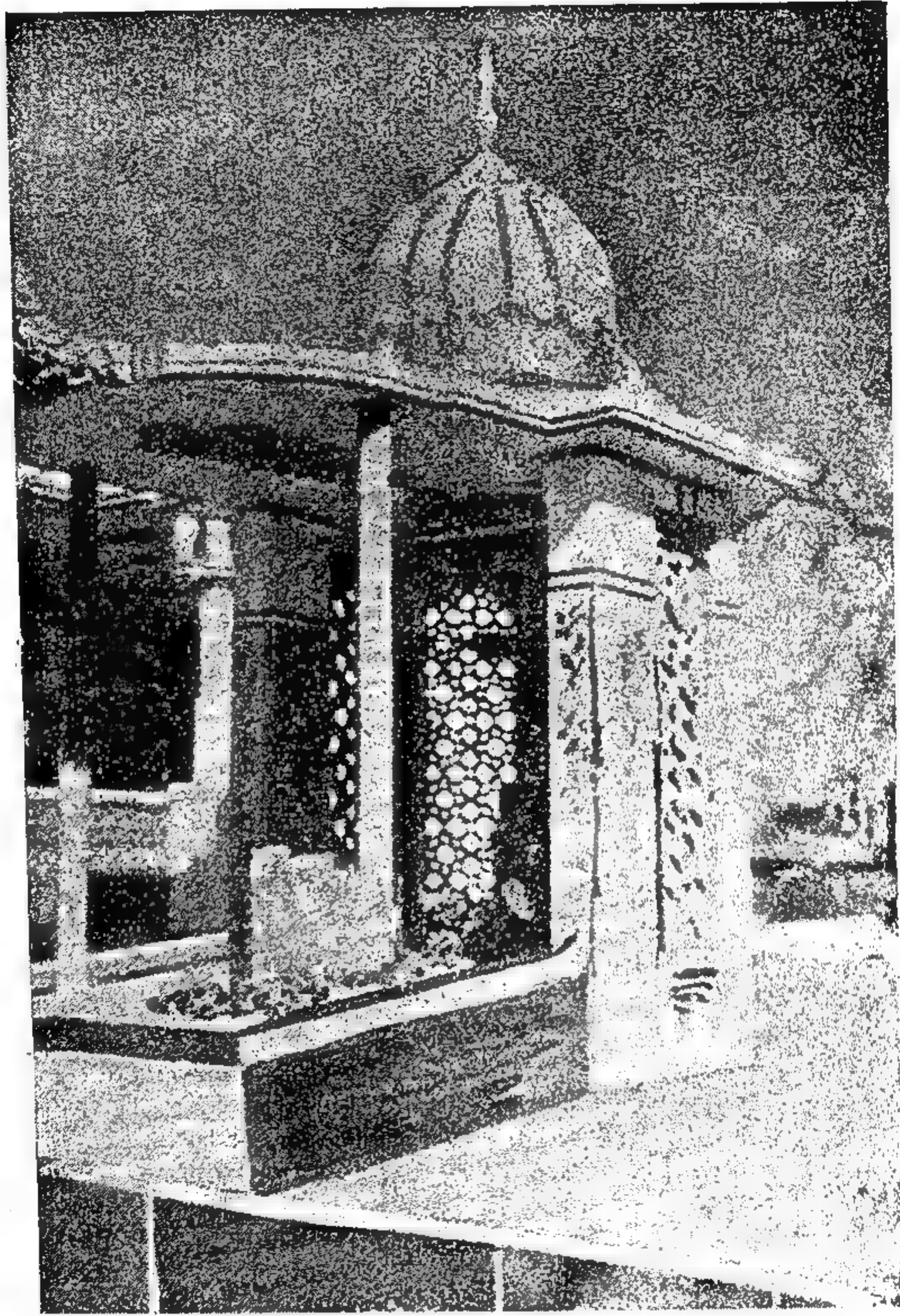
آپ نے کابل کے تین سفر کئے تھے۔ ایک سفر والی کابل غازی امان اللہ خاں
کے زمانہ میں، دوسرا سفر حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی مرحوم کی خواہش پر
اور تیسرا سفر آپ نے قندھار تک کیا تھا۔

۱۹۳۲ء میں بیت اللہ شریف کا سفر کیا۔ آپ دو سال تک حرمین شریفین میں
مقیم رہے۔ بادشاہ ابن سعود نے آپ کو عمان رکھا اور بہت خاطر و مدارات کی۔
حضرت علامہ اگر سیاست کے میدان میں ظلم و جبر کے خلاف ایک بہادر
نڈر اور انقلابی مجاہد کی طرح سینہ سپر کھڑے رہے تو اس کے ساتھ ساتھ علم و ادب
اور عرفان کے دریا بھی بہاتے رہے۔

اپنے مکان (واقعہ محلہ گاڈیخاڑہ پشاور) پر تمام دن درس جاری رہتا۔ طلباء
کا جگمگا ہوتا۔ کوئی تفسیر پڑھ رہا ہے تو کوئی حدیث شریف، کوئی فقہ پڑھ رہا ہے
تو کوئی اصول فقہ، کوئی تصوف کی کتابیں پڑھ رہا ہے تو کوئی اخلاق کی۔ کوئی منطق
پڑھ رہا ہے تو کوئی فلسفہ۔ غرضیکہ ہر علم و فن کا درس جاری ہے۔ جب بھی کوئی استفسار
آتا تو آپ قلم برداشتہ اس کا جواب لکھ دیتے۔ وعظ فرماتے تو حکمت و مواعظت
کے موتی بکھیرتے آپ کو اسی دینی خدمت پر متعلقہ طور پر صوبہ سرحد اور اس کے
تمام ملحقہ آزاد قبائل نے مفتی اعظم تسلیم کیا۔ صوبہ سرحد کابل شہر ہمارے تاشقند اور
آزاد قبائل میں سینکڑوں کی تعداد میں آپ کے شاگرد موجود ہیں۔

تصوف میں آپ جناب مجاہد کبیر حضرت نجم الدین صاحب پڑھ کے پیر تھے
اسی لئے مجاہد علیل صاحب فقر و غنا جناب حضرت حاجی صاحب ترکزنی رحمۃ اللہ
علیہ سے بہت متاثر تھے۔

جب یہ پیکر صبر و استقلال آخری پارہ قید سے رہا ہوئے تو بہت ہی کمزور اور
نجیف ہو چکے تھے۔ دورانِ قید ہی میں آپ پر پولیسی اور گروہ ورد کا مہلک دورہ
پڑا تھا۔ مگر اس سے کچھ سنبھل گئے تھے۔ پھر جب دوسری بار دورہ پڑا تو اس دورہ
سے جان بڑھ ہو سکے۔ بیماری کے ایام میں جب کبھی حاضری کا موقع ملا، تو فرماتے
”امتحان کے پرچے دے رہا ہوں۔ دیکھو کب امتحان ختم ہوتا ہے“ تقریباً دس ماہ
عیل رہ کر ۵۴ برس کی عمر میں بروز بدھ ۳۱ مئی ۱۹۲۳ء کو یہ آفتابِ علم و عمل
غروب ہو گیا۔



مزار حضرت آقا سید شریف حسین صاحب شاکر قادری حشتی بغدادی

حضرت مولانا شاکر اللہ شاہ صاحب شاکر بغدادی

۱۳۳۵ھ تا ۱۳۷۹ھ

آپ کا اسم شریف سید شریف حسین بخش شاکر، والد کا اسم گرامی سید محمد سعید صاحب
 دادا کا اسم مبارک حضرت الحاج آقا سید سکندر شاہ صاحب (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)
 تھا اور "شاکر بغدادی" کے نام سے مشہور تھے۔ آپ نجیب الطرفین سید ہیں۔ آپ کی
 عمر صرف تین ماہ کی تھی کہ والدہ صاحبہ کا سایہ ہر سے اٹھ گیا۔ جب عمر چار برس کی ہوئی
 تو حضرت حافظ جی سید ولایت شاہ صاحب مرحوم سے قرآن مجید شروع کرایا گیا۔
 اور دیگر فارسی اردو کی کتابیں بھی پڑھنی شروع کیں ساتھ ہی پرائمری سکول میں انگریزی
 تعلیم بھی شروع کر دی گئی۔ آپ نے ایسا۔ اے (انگریزی کنی) کلاس پاس کی اور فارسی
 میں منشی فاضل کیا۔ عربی کی تعلیم حضرت علامہ وقت صدر المدینہ دارالعلوم
 ریفیع الاسلام بھانڈو ماہی مولانا مولوی سید محمد ایوب شاہ صاحب سے تکمیل کی۔

۱۔ چونکہ آپ کا سلسلہ نسب حضرت شاہ بغدادی محبوب سبحانی قطب ربانی شہباز لامکانی سید شیخ عبدالقادر
 جیلانی بغدادی سے ملتا ہے۔ اس لئے اس نسبت سے آپ اپنے آپ کو بغدادی کہتے تھے۔

کچھ مدت مشن ہائی سکول اور خالصہ ہائی سکول میں فارسی پڑھاتے رہے براہِ مہربانی
 مسعود اور صاحب شفق ایڈیٹر روزنامہ انجام نے آپ کے سکول کی زندگی کے متعلق
 لکھا۔ ”آغا صاحب (مرحوم) سکول کے ماحول میں بہت بلند کردار اور مددگار کے
 خود وار تھے۔ وہ فارغ اوقات میں ہمیشہ سکول کی لائبریری میں مطالعے میں مشغول
 دیکھے گئے۔ میں نے کبھی بھی ان کو دوسرے استادوں سے بے تکلف ہوتے نہیں
 دیکھا اور نہ ہی وہ کبھی کسی سے مرعوب نظر آئے۔ ہمیشہ انھوں نے اپنے آپ کو عام
 ماحول سے بلند رکھا، اور دوسرے کو اپنے اخلاق کی بلندی اور کردار کی پاکیزگی سے
 مجبور کیا کہ وہ ان کی ضرورت پر قدم اور ہر مرحلہ پر محسوس کریں۔“

جناب خلیفہ عبدالرشید صاحب تحریر کرتے ہیں: ”آپ بچپن ہی سے بڑے فیاض
 اور سخی تھے۔ کسی ساتل کا سوال رو نہیں فرماتے تھے۔ بچپن ہی سے اولیاء اللہ اور
 مزارات سے بڑا انس تھا۔ جب کسی بزرگ یا مزار کا پتہ ملتا تھا۔ فوراً وہاں تشریف
 لے جاتے تھے اور فیوض و برکات حاصل کرتے تھے۔“

آپ کے والد کا ۱۹۳۵ء میں جب انتقال ہوا تو قلعہ کے دن سزا عبدالرب
 صاحب نشرِ مرحوم سابق گورنر پنجاب کی ایک مختصر سی تقریر کے بعد آپ کے چچا
 جناب حضرت آغا سید خلیل حسین صاحب نے آپ کو اپنے والد کی جگہ صاحب
 سچا وہ مقرر کر دیا اور سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ میں بیعت کر کے صاحب مجاز و متبحر
 بھی کر دیا، اور جب تک زندہ رہے آپ کی تربیت کرتے رہے۔

صاحب سجاوہ ہونے کے بعد اپنے آبا و اجداد کی طرح اپنے سلسلہ کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی محبت بھری شخصیت اور اخلاق کریمانہ نے تمام مریدین اور مخلصین کو آپ کا گرویدہ بنا رکھا تھا۔ ہندوستان، پنجاب اور افغانستان کے اکثر سجاوہ نشین آپ سے بڑی محبت کرتے، اور آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ذکر اذکار کی محفلیں منعقد کرتے اور مریدین کو ہمیشہ ذکر یا الجہ کرنے کی تلقین کرتے۔ آپ کے علقہ ذکر میں ہمیشہ ایسی گری اور مومن و برکت ہوتی تھی کہ لوگ بیتاب ہو کر وجد و حال میں تڑپتے تھے۔ نماز، روزہ، اور شریعت کی انتہائی پابندی کرتے تھے۔ اور باقاعدہ نماز تہجد ادا کر کے اپنے اور اولاد و اشغال میں مصروف ہو جاتے۔ سلسلہ چشتیہ میں لاہور، پونیا، قصور کے اکثر اصحاب کو مرید کیا۔ سماع کی محفل میں انتہائی آداب کی پابندی کرتے اور آپ کی توجہ اور نظر کرم سے اہل محفل ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہتے۔ آپ پر خود بھی وجد و حال کی کیفیت رہتی۔ باوجود ان سب باتوں کے ہمیشہ اپنی ذات کی نفی فرماتے۔

آپ نے معرفت الہی کے حصول کے لئے دور و راز کے سفر کئے۔ مزار شریف، کابل، بخارا و شریف، نجف اشرف، کربلائے معلیٰ اور ہندوستان کی تمام عزارات (بالخصوص اجیر شریف) کو ہر سال شریفیے لے جاتے تھے، پر حاضر ہوتے۔ ان شانے سفر میں خدا سیدہ نگوں سے ملاقاتیں بھی کیں، فیوض و برکات حاصل کئے۔

آپ کو ادبِ اردو، اور شعر و شاعری میں بڑا درجہ اور مقام حاصل تھا۔ آپ حضرت علامہ سید وحید الدین صاحب بے خود و بلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ جناب ایچ و صاحب کو بھی آپ سے بڑی محبت تھی جب کبھی بھی وہ ملی شریفی لے

گئے تو جناب بچو و صاحب خاص طور پر آپ کی خاطر مشاعرہ کی مجلس، آپ کی صدارت میں منعقد کروائے۔ ایک بار لاہور میں عظیم الشان مشاعرہ ہوا جس میں ہندوستان کے چیدہ چیدہ شعرا مدعو تھے۔ ان میں آپ کے استاد بھی تشریف لائے تھے۔ آپ کو اس مشاعرہ میں خاص طور پر دعوت دی گئی تھی اور ایک نشست کی صدارت بھی فرمائی تاکہ کے بلند پایہ ادبی رسالے میں آپ کے مضامین اور اشعار اکثر شائع ہوتے رہتے تھے۔ آپ نے اپنا کافی کلام چھوڑا ہے۔ جس میں توجید، نعت اور غزل ہے۔ کلام پر طبیعت کے مطابق تصوف کا رنگ غالب تھا۔

آپ کی صحت بہت اچھی تھی۔ ایک بار آپ مری تشریف لے گئے۔ مری میں آپ پر ”وجع القلب“ کا دورہ پڑا، اس تکلیف میں آپ نے چند دن گزارے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آرام عطا فرمایا۔ ایک برس کے بعد لاہور سے پشاور آتے ہوئے ریل گاڑی میں رمضان المبارک کے مہینہ میں آپ پر شدید قسم کا دورہ پڑا۔ اب آپ کی طبیعت نہ سنبھلی۔ پشاور شہر کے معروف ڈاکٹر سید علی رضا صاحب آپ کے معالج تھے۔ نماز عید حسب سابق حضرت سلطان العارفین سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر ادا کرنے کے بعد گھر تشریف لائے دو دن کے بعد رات کے دو بجے تیسری بار آپ نے قلب کا انتہائی شدید قسم کا دورہ پڑا جس کی وجہ سے تکلیف بڑھ گئی اور آپ ایڈمی ریڈنگ اسپتال میں داخل کرا دیئے گئے تیسرے دن یعنی ۷ شوال ۱۳۷۹ھ کو اچانک آپ نے ایک نعرہ ”اللہ“ کا لگایا اور آپ کی روح قدس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انگریزی کی ۲۴ اپریل ۱۹۶۰ء کو پیر کا دن تھا۔

آپ کی وفات کی خبر تمام پشاور میں بجلی کی طرح پھیل گئی۔ پشاور کے بڑے بڑے

پزار بند ہو گئے۔ دوسرے دن آپ کا جنازہ صبح دس بجے اٹھایا گیا۔ ہزار ہا لوگ
پشاور، مضافات، راولپنڈی، لاہور، قصور اور چوہنیاں اور ہزارہ سے آئے
اور جنازہ میں شامل ہوئے۔ محترمی سلطان محمد صاحب زار نے اس قطعہ سے
آپ کی تاریخ وفات نکالی ہے۔

زار محسن مرے مرے مشفق
فکر تاریخ پر یہ آئی ندا!
پہل دیتے چھوڑ کے، مجھے مغموم
وائے داغ تشریف جان مغموم

۱۹۷۰

آپ کا صرف ایک ہی سات سالہ فرزند سید محی الدین عابد فوزی الگیلانی
ہے، سلمہ الرحمن۔

حضرت مولانا سید فضل محمدانی صاحب مکتبہ مدظلہ العالی

سلسلہ (ابھی زندہ ہیں)

آپ کا اسم شریف سید فضل محمدانی صاحب مکتبہ، والد کا اسم گرامی سید فضل ربیانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ آپ حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں حضرت غوث زمان میاں محمد عمر صاحب المعروف چکنی بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے اجداد کو لوٹے بابا احمد شاہ ابدالی دُرانی کے دور حکومت میں بنور سے بلا کر یہاں پر مقیم کیا۔ آپ اپنے آبائی سلسلہ طریقت میں جو نقشبندیہ مجددیہ اومیہ سے منسوب ہے منسلک ہیں۔ آپ کا خاندان نسلاً بعد نسل علماء و فضلاء اور مشایخ کا گھرانہ چلا آتا ہے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد حضرت مولانا مولوی شاہ رسول صاحب بالاکھڑی مدرس مدرسہ حافظہ جی صاحب گنج، مولانا مولوی غازی الدین صاحب امام و گھڑی، اور دیگر کئی اکابر علماء و فضلاء سے درس نظامی کی تکمیل کر کے علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر لی۔

حضرت قاری دلاور صاحب گھڑی باغبانان سے قرأت و تجوید کو پورا کیا

حضرت قاری ولاور صاحب جس وقت تلاوت قرآن مجید کرتے تو اگر مشرک بھی آپ کی تلاوت سنتا تو زار زار روتا۔

تعلیم علوم اسلامیہ سے فارغ ہو کر آپ نے ۱۳۲۱ھ میں اپنے مکان کے ساتھ ہی ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی، جس کے ساتھ پرائمری تک مزید تعلیم کا بندوبست کیا۔ اس دارالعلوم کا نام ”رفیع الاسلام“ رکھا۔ اس دارالعلوم میں درس نظامی پڑھانے کا اہتمام کیا گیا۔ ”استاذ العلماء“ جناب حضرت مولانا مولوی سید محمد الیوب شاہ صاحب مدظلہ مدرس بنائے گئے۔ پانچ مدرسین دیگر علوم و فنون پڑھانے پر مقرر کئے گئے۔ چار مدرس درجہ پرائمری میں مقرر کئے گئے۔ اس دارالعلوم میں بیگناہ تہمتیں سوسلطبا تعلیم حاصل کرتے۔ اس دارالعلوم کے فضلاء اس وقت شیخ الحدیث کے ممتاز عہدوں پر مختلف مدارس میں مامور ہیں اور بعض کالجوں میں عربی اور اسلامیات کے پروفیسر ہیں، اس دارالعلوم میں طلباء کا لباس ایک ہی قسم کا تھا۔ یعنی سفید لباس، سیاہ شیروانی، اور ترکی ٹرخ لوٹھی۔

آپ نے اس دارالعلوم کے لئے کبھی بھی سرکار انگریزی سے کوئی رعایت اور مدد طلب نہیں کی۔ اور اگر برطانوی حکومت نے کبھی امداد وغیرہ کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے اس کو قطعاً قبول نہیں کیا۔ یہ دارالعلوم ۳۵ برس یعنی ۱۳۶۶ھ تک جاری رہا۔

آپ کے پاس ایک انتہائی نایاب اور نادر کتب خانہ ہے، جس میں تقریباً ۸ اور دس ہزار کے قریب کتابیں تھیں۔ ان میں تقریباً چار ہزار قلمی نوادرات تھیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے عظیم مؤرخ اور اکابر علماء ان کتابوں کو دیکھنے اور مطالعہ

کرنے کے لئے دو دروازے سفر کر کے آتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے۔ تقریباً نصف کتابیں پشاور یونیورسٹی نے تو اپنی لائبریری کے لئے خرید لی ہیں اور چند کتابیں نیشنل لائبریری کراچی نے خریدی ہیں۔ اس وقت بھی آپ کے پاس بہت ہی نایاب کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے۔

آپ نے دو بار عین الشریفین کا سفر کیا۔ اور ایک بار باقاعدہ طور پر ہندوستان کا سفر کیا۔ جس میں مشائخ اور علماء سے ملے، اور ان کی صحبتوں میں رہے مگر آپ فرماتے ہیں کہ اگر میں شریعت اسلامیہ کی اتباع میں مطمئن ہوں تو ان تمام مشائخ اور علماء میں صرف حضرت خواجہ نجم الدین صاحب المعروف ہڈہ ملا صاحب سے مطمئن ہوا ہوں۔

سیاسیات میں آپ نے جمعیتہ العلماء ہند کے ساتھ تعلق رکھا اور آپ اپنے سرحد کے علاقہ کے جنرل سیکرٹری تھے۔ جمعیتہ العلماء ہند نے جنگ آزادی کے لئے جو جو پروگرام بنائے۔ آپ نے اس علاقہ میں اس کو عملی جامہ پہناتے ہیں کوئی کوتاہی نہیں کی، بلکہ بڑی گرم جوشی سے اس پر عمل پیرا ہوئے۔ جمعیتہ العلماء ہند کا امر وہہ شہر (پوپی) میں جب سالانہ اجتماع ہوا تو وہاں پر جمعیتہ کے اکابرین نے ہندو کانگریس کے ساتھ مل کر کام کرنے کا لائحہ عمل مرتب کیا تو آپ ہی ایک فرد واحد تھے جنہوں نے مخالفت کی کہ مسلمان مشرک کا ہمنوا نہیں بن سکتا۔ آپ نے جمعیتہ العلماء سے استعفیٰ دے دیا اور تمام سیاسی کشمکش سے الگ تھلک ہو کر دارالعلوم رفیع الاسلام کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

آپ نہایت ہی متواضع، منکسر المزاج، صاحب اخلاق حمیدہ و اوصاف

دل خوفِ الہی سے بھر پور رکھتے ہیں۔ ٹڈر دھق گو، اور صاحبِ عزیمت ہیں اگر کسی مجلس یا جلسہ میں اتفاق ہو جاتا۔ اگرچہ وہ جلسہ یا مجلس مذہبی ہو یا سیاسی، اور اپنے کوئی امر غیر شرعی اس میں دیکھا چاہے بڑے سے بڑا حاکم ہی اس جگہ موجود ہوتا آپ فوراً اس پر گرفت کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام الہی وقت صاف صاف سننا دیتے ہیں۔ آپ کے قلب میں اسلام کا اردو کوٹا کوٹا کر بھرا ہوا ہے۔ دین الہی سے مخلوق خدا اور حکومت کی عظمت پر ہر وقت آنسو بہاتے رہتے ہیں اور الہی عزم میں گھلے جا رہے ہیں۔ اسلام فروش مشائخ اور علماء کے سخت مخالف ہیں۔ حسنتِ نبوی کے انتہائی پابند ہیں۔

اس وقت آپ کی عمر ۸۳ برس ہے۔

الحاج شہر حافظ گل فقیر احمد صاحب قادری پورہ شہتی (لعالم)

۱۳۱۰ھ (اس وقت بقید حیات ہیں)

آپ کا نام نامی و اسم گرامی حضرت الحاج حافظ گل فقیر احمد القاب شیخ التفسیر والحدیث، خطیب السلام ہے۔ آپ ۱۳۱۰ھ میں حضرت علامہ مولانا مولوی الحاج میاں نصیر احمد صاحب کے ہاں تولد ہوئے۔ آپ نے قرآن مجید کے پہلا پارہ کا تین پاؤ اپنے والد محترم سے حفظ کیا۔ آپ کو والد نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس بے خودار کو عالم بنائے گا۔ یہ دعویٰ قبول ہوئی اور آپ محدث جلیل، فقیہ بے نظیر، اور مفسر علوم باطنی ہوئے۔

حافظ فضل احمد صاحب، حافظ غلام رسول صاحب اور حافظ محمد صادق صاحب سے قرآن مجید حفظ کیا۔ قرآن پاک یاد کرنے کے بعد اپنے وقت کے علماء کرام سے علوم معتقل و منقول کی تکمیل کی، آپ نے ہر ایک فن جاننے والے عالم سے اسی فن کی کتابیں پڑھیں۔

مولانا مولوی عبدالحکیم صاحب سے فارسی کی تکمیل کی اور انشاء بھی سیکھی صرف و کمال کے بہترین اور مشہور عرفی، نحوی علماء جناب مولانا مولوی اللہ دین صاحب

اور جناب مولانا مولوی قاضی سراج دین صاحب سے مکمل پڑھی۔ حضرت مولانا مولوی قاضی صاحب پڑھنی سے معقول، معانی اور اصول فقہہ کو مکمل کیا تفسیر، حدیث اور فقہہ فقہیمہ عصر حضرت مولانا مولوی پیر علی شاہ صاحب ساکن ڈھکی نعلندی سے پڑھا اور پھر حدیث شریف کی سند استاذ العلماء حضرت مولانا مولوی محمد ایوب صاحب محدث سے حاصل کی (آپ کی پر سند، "سند کی" کہلاتی ہے جو مسما ہے "ثبت امیری" سے) خصوصاً الحکم، فتوحات یکینہ ثنوی حضرت مولانا نے روم اور دیگر رسائل تصوف، حضرت قبلہ عالم پیر علی شاہ صاحب گولڑوی (جو کہ تصوف کے علوم میں مجدد تھے) سے سبقاً سبقاً پڑھے۔ نیز اعلیٰ حضرت قبلہ سید پیر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سند حدیث بھی حاصل کی۔ ایک عرب محدث گولڑہ شریف شریف اللہ تھے۔ آپ کو ان حضوں نے بھی سند حدیث مرحمت فرمائی تھی، گویا استاذ گرامی قدر کے پاس حدیث مبارک کی تین مستند سندیں ہیں۔

آپ نے سلسلہ حقیقت میں حضرت قبلہ عالم پیر سید پیر علی شاہ صاحب گولڑوی سے برعیت کی، مثال سلوک طے کر کے قبلہ پیر صاحب نے آپ کو معنعن اور صاحب عجاذ کیا۔ آپ پر قبلہ پیر صاحب کی توجہات و عنایات سب سے زیادہ تھیں۔ اسی لئے آپ کا سینہ مبارک عرفان الہی کا مرکز انوار و تجلیات بن گیا۔ جس وقت آپ جمعہ کا وعظ ارشاد فرماتے تو عوام اور خواص سب حسب مراتب آپ کے مواظف حسند سے سیراب ہوتے۔ وعظ شریف کے دوران ایک عجیب رویہائی کیفیت ہوتی، کوئی تو اللہ ہو کے نصیبے بلند کرتے، کسی کے آنسو نہ ٹپکتے

اور کوئی نحو حیرت و استغراق ہوتا۔ ہر جمعہ کی نماز کے بعد حلقہ ذکر الہی فرماتے۔
 آپ نے چالیس برس تک اپنے والد عالی مرتبت کی مسجد یعنی در سگاہ میں
 قرآن مجید، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ کا مکمل و اکمل درس دیا۔
 عشوی شریف اور تصوف کی دیگر پڑھائیں۔

آپ کی وسعت علمی کا وہی اندازہ لگا سکتے ہیں جو آپ کے درس میں یا آپ
 کے مواعظ میں مستقل طور پر بیٹھے ہوئے ہوں۔ نیز جنھوں نے آپ کے اس مقدمہ کو
 پڑھا ہو جو آپ نے قبلہ عالم حضرت گوڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی ان فارسی تقاریر کے
 مجموعہ پر لکھا ہے، جو حضرت قبلہ پیر صاحب خصوصاً حکم پیر پایا کرتے تھے۔ وہی
 جان سکتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ نے آپ کو کتنے بھر بے کراں علم سے نوازا ہے اور
 اپنے شیخ محترم کا عشق آپ پر اتنا مستولی اور غالب ہے کہ ہر وقت اپنے شیخ کا
 ہی تذکرہ آپ کی زبان فیض ترجمان پر رہتا ہے اور انہی کے ارشاد عالیہ سے مجلس
 کو منور کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت اور اس دور میں مسئلہ "وحدت الوجود" کے
 علم اور سمجھانے میں آپ مجتہد اور امام ہیں، اتنے مشکل اور پیچیدہ مسئلہ کو آپ کا
 علم نہایت ہی آسان اور مختصر الفاظ میں حل فرما دیتا ہے۔ خذک فضل اللہ یوقیہ
 بیت یشاع۔ اس وقت اگرچہ آپ کی عمر اتنی برس سے بڑھ چکی ہے مگر آپ کا علم
 اسی طرح پختہ اور جوان ہے۔ فتوحات خصوصاً حکم اور صوفیاء کی عبارات ثبانی
 پڑھاتے ہیں اور اولیائے کرام کے اشعار بھی متعلقہ مسئلہ پر پیش فرماتے ہیں۔

آپ کے شاگرد اس وقت بھی صاحب افتاء اور صاحب درس ہیں اور
 ہزار ہا لوگوں نے آپ کے درس سے فیض پایا ہے۔ آپ نہایت ہی غلیظ مٹھی والے

علیہ وسلم کا نورہ ہیں۔ متواضع، منکسر المزاج، حسان نواز، کریم النفس اور کمال درجے کے شفیق و مہربان ہیں۔ آپ کے اسی علم و فضل اور اخلاقی حمیدہ کی وجہ سے پشاور کا ہر فرد آپ کی تعظیم و تکریم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہم سب پر قائم رکھے۔ آمین
آپ کے دو سنہرے زندہ ہیں۔

جناب بشیر احمد صاحب آج کل آپ اپنے والد محترم کے جانشین ہیں۔
دس کا کام آپ خود کرتے ہیں ہفتہ میں تین دن ترجمہ و تفسیر پڑھاتے ہیں اور تین دن حدیث شریف پڑھاتے ہیں۔ جمعہ اور عیدین کے خطبات وغیرہ بھی دیتے ہیں۔
بہت ہی بلند اوصاف اور اوصاف حمیدہ کے مالک ہیں۔ علوم کی تکمیل اپنے والد گرامی سے کی ہے اور منشی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۵ برس ہے۔

دوسرے فرزند مولانا مولوی غلام احمد صاحب ہیں، پشاور میں آپ بشیر صاحب اور ڈپٹی صاحب کے القاب سے مشہور ہیں۔ شاعر بھی ہیں، کامل تخلص کرتے ہیں۔ دینی تعلیم والد صاحب کے زیر سایہ کی۔ انھوں نے بھی منشی فاضل کیا ہے۔ بہترین واعظ ہیں، تین تین گھنٹہ مسلسل فرق باطلہ کا مدلل روکتے ہیں۔ اللہم زدہ فرزند۔
اس وقت آپ کی عمر ۲۸ برس ہوگی۔

گویا پشاور شہر میں میاں صاحب کا گھرانہ مسلسل نوے برس سے قرآن و حدیث کی خدمت کر رہا ہے۔

حضرت استاد الاسلاماتہ سید محمد الیوب شاہ صاحب جعفری

۱۶۳۱ھ (ابھی زندہ ہیں)

آپ کا اسم شریف سید محمد الیوب شاہ صاحب جعفری بن سید عمر قدس سرہ بن محمد حسن بن محمد اکرم بن محمد امان بن پیر محمد صاحبان ہے۔ آپ کا لقب صدر المدینین اور استاد الاسلاماتہ ہے جناب حضرت سید محمد امان صاحب علاقہ کابل (افغانستان) موضع چارویہی کے رہنے والے تھے، وہاں سے چل کر موضع تہکال بالا میں قیام کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد کیمیلپور تشریف لے گئے۔ سرداران موضع موسیٰ نے آپ کو دو سو جریب زمین بطور ہدیہ کے نذرانہ پیش کی، آپ نے قبول کر لی اور مستقل سکونت موضع موسیٰ میں اختیار کر لی۔

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب نے دینی علوم حاصل کئے اور اپنے لڑکے محمد حسن صاحب کو بھی بہت اچھی طرح تعلیم و تربیت سے پروران چڑھایا جن صاحب نے کافیہ پر کابلی اور یاسولی شریں لکھیں وہ جناب مولانا سید محمد اکرم صاحب کے شاگرد تھے۔

جناب مولانا سید محمد الیوب شاہ صاحب جعفری کے والد جناب سید عمر صاحب

قدس سرور بہت بلند پایہ عالم اور محدث تھے۔ یوسف زئی کے علماء سے علوم معقول و منقول کی تکمیل کی۔ پشاور شہر کے علاقہ چھانہ ماڑی کے مشہور و معروف عالم جناب سید اکبر شاہ صاحب مرحوم سے منطلق پڑھی۔ جناب سید عمر صاحب مرحوم اپنے وقت کے صدر المدرسین تھے۔ پنجاب و سرحد کے بڑے بڑے اکابر و اعظم علماء آپ کے شاگرد تھے۔ حضرت استاذی مولانا مولوی سید محمد الوب شاہ صاحب جعفری نے اپنے والد سے علوم اسلامیہ پڑھے۔ حضرت مولانا مولوی علامہ وقت قطب الدین صاحب بن شہاب الدین صاحب ساکن عزیز خشتی۔ حضرت فقیر اعظم مولانا مولوی محمد صدیق صاحب بن عبد الرحیم صاحب ساکن ڈاگی یا حسین، حضرت مولانا صاحب ڈھیری میاں گان نر و صوابی، حضرت مولانا میاں صاحب مولوی محمد شریف صاحب ساکن نروبی، حضرت علامہ فقیر عصر اللہ صاحب شاہ منصور اور اسی طرح آپ نے کئی اور استاذانِ کاملین سے علم تفسیر، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، الہیات، فصاحت و بلاغت، ہیئت، نجوم کا علم حاصل کیا۔ علم حدیث اور اصول حدیث حضرت محدث جلیل علامہ اجل مولانا مولوی شاہ رسول صاحب ساکن بالا گٹری نرو مروان سے مکمل پڑھ کر سند حاصل کی جب

۱۔ سید اکبر شاہ صاحب مرحوم کے صاحبزادہ حضرت علامہ سید حبیب شاہ صاحب مرحوم پھر جناب مولانا مولوی سید عمر صاحب کے شاگرد تھے۔

۲۔ حضرت محدث جلیل علامہ اجل شاہ رسول صاحب نے سند حدیث حضرت محدث اعظم مولانا مولوی سید صاحب گنگوہی سے حاصل کی تھی، آپ علامہ خواجہ معروف صاحب گنج میں مدرس تھے اس کے بانی بیوی ذکریا صاحبہ حکیم عبداللطیف صاحب اور سید مقبول شاہ صاحب کلاہ فرکوش تھے۔

آپ نے سند فراغت حاصل کر لی تو اسی مدرسہ میں جس میں کہ آپ کے اُستاد و مدرسین
مدرس تھے (یعنی مدرسہ اسلامیہ خواجہ معروف صاحب گنج پشاور) مبلغ ۱۵ روپیہ
ماہوار پر مدرس مقرر کئے گئے۔

۱۹۲۵ء سے لے کر ۱۹۳۹ء تک یعنی پورے چھ روزہ برس دارالعلوم رفیع الاسلام
بھارت ماڑی پشاور میں بحیثیت صدر المدرسین درس نظامی کا مکمل درس دیتے رہے۔
استفتاء کا کام آپ ہی سزا انجام دیتے، اور دیگر مقدمات اور جھگڑے جو آتے وہ
آپ ہی فقہ حنفی کی روشنی میں فیصلہ کرتے۔

۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۴۲ء تک گورنمنٹ ٹریننگ سکول میں سین وی
کی کلاسوں کو پڑھاتے رہے۔ پھر ۱۹۴۰ء سے لے کر ۱۹۵۰ء تک یعنی دس
برس اسلامیہ ہائی سکول (گورنمنٹ ہائی سکول ۳) میں عربی مدرس رہے ۱۹۵۰ء
سے لے کر ۱۹۶۲ء تک آپ مروان کی اکبر موریل کالج کی جامع مسجد المعروف مسجد
زیبہ میں خطیب رہے۔ اور دوس بھی پڑھاتے۔

سلم، میرزا ہدایت قطبی، کدیریا اور قاضی مبارک وغیرہ منطق کی کتابیں زبانی یاد ہیں۔
مناظرہ سے آپ ہمیشہ یکسور ہتے ہیں۔ مگر تحقیق حق آپ کا شعار ہے مجتہدانہ خیالات
کے حامل ہیں۔ حافظ الفقہ اور حافظ السدیث ہیں۔

اعتقاداً حنفی سنی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ "کہ میں اعلیٰ حضرت احمد رضا خان کی تحقیق
کو حق سمجھتا ہوں اور اولیاء کرام کی کرامات زندگی اور موت کے بعد حق جانتا ہوں"
نیز آپ آج کل کے بد مذہبوں کا رو بڑی شدت سے کرتے ہیں۔
پنجاب یونیورسٹی سے فلسفی فاضل اور مولوی فاضل کی سند بھی لی ہے۔

آپ کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ صوبہ سرحد اور افغانستان کے علاقوں میں
 پر جبکہ آپ کے شاگرد صاحب درس و افتخار ہیں، اور علم کے مدارج علیا پر فائز ہیں۔
 صرف آپ کے شاگرد صاحب علم و فضل ہی نہیں، بلکہ صاحب سلوک اور سجادہ
 بھی ہیں۔ اسی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ذات علم اور تصوف کی جامع ہے۔
 برصوات میں پیر کے بابا صاحب، پشاور شہر میں جناب آقا سید شریف حسین
 صاحب قادری چشتی، علاقہ لیلو ٹرٹے صوات میں حضرت مولانا مولوی محمد اسماعیل
 صاحب صاحبان سجادہ تھے اور موفرا لڈ کر اپنے علاقہ کے قاضی کے عہدہ پر فائز ہیں۔
 جناب مولانا مولوی سید محمد الیوب جان صاحب بنوری، آپ نے بھی ریاضی
 اور مطول تک کتابیں آپ سے پڑھیں۔ آج کل دارالعلوم سرحد کے مہتمم ہیں اور حدیث
 شریف (صحاح ستہ) پڑھاتے ہیں۔ جناب مولانا مولوی عبداللطیف صاحب
 شیخ الحدیث دارالعلوم سرحد، جناب مولانا مولوی عبدالوود صاحب قریشی مہتمم
 دارالعلوم اشرفیہ پشاور، جناب مولانا مولوی حاجی غلام سرور صاحب ساکن کٹ گنج
 مردان۔ آپ مردان میں خطیب ہیں۔ جناب حضرت مولانا مولوی سید مبارک شاہ صاحب
 ڈسٹرکٹ خطیب بھانڈ مارٹی پشاور، جناب مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب اور
 جناب مولانا مولوی محمد صاحب ساکنان کٹ گنج، علاقہ مردان اور جناب سید علی
 محمد اسماعیل صاحب ایم۔ اے پرنسپل گورنمنٹ کالج پشاور اور اس فقیر کو بھی آپ سے
 شرفِ تلمذ حاصل ہے۔

اگرچہ اس وقت آپ پر بلکاسا فاج کا حملہ ہوا ہے جس کا اثر بینائی پر بھی ہوا۔ مگر پھر
 بھی آپ کا ذہن اور علم اسی طرح جوان ہے۔ حافظہ بہت ہی اعلیٰ ہے۔ آپ کی عمر ۶۷
 برس ہے۔



حضرت شیخ جنید پشاوروی رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۶۹ھ تا ۱۱۹۶ھ

آپ کا مشہور اسم گرامی شیخ جنید پشاوروی ہے اور القاب شیخ المشائخ، بحر معانی اور جنید ثانی ہیں۔

آپ حیدرآباد (سندھ) میں ۲۷ رجب المرجب ۱۰۶۹ھ بروز جمعہ ثانیہ (جمعرات) پیدا ہوئے۔ حیدرآباد میں ہی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے ایک بزرگ ولی اللہ جناب حضرت میاں عبدالحی صاحب سندھی سے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں مرید ہو کر خورقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ جناب حضرت میاں عبدالحی صاحب

نے مندرجہ بالا معلومات خادم درگاہ حضرت شیخ جنید صاحب رحمۃ اللہ علیہ جناب عبد القیوم صاحب سے ایسے وقت میں فراہم ہوئیں جبکہ کتاب کی کتابت مکمل ہو چکی تھی۔ اس لئے مجبوراً آخر میں نکتہ کے طور پر یہ مضمون شامل کر دیا گیا۔

حضرت میاں عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ الرضی القعدہ ۹۹۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۹۶ھ شوال ۱۱۹۶ھ میں فوت ہوئے۔

نقشبندی سندھی نے ۱۱ شوال ۱۰۷۹ھ میں حضرت گرامی منزلت شیخ سعد اللہ صاحب
وزیر آبادی سے بیعت ہو کر سند خلافت حاصل کی تھی۔

حضرت شیخ بنفید صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب سلسلہ نقشبندیہ میں سلوک و معرفت
کے منازل طے کر چکے تو سیاحت کے لئے رخت سفر باندھا۔ حیدرآباد سے روانہ
ہو کر آپ ملتان پہنچے۔ اس وقت ملتان میں حضرت قطب الاقطاب شیخ احمد ملتان
قاوری کا سلسلہ عالیہ قاوریہ میں علم پیشچیت بلند تھا۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر
ہو کر سلسلہ عالیہ قاوریہ میں مرید ہو گئے اور زہد و ریاضت و عبادت و کشتی شروع کر دی۔
آپ زہد متراض تھے۔ قائم اللیل، اور صائم الدھر تھے، زہد و ریاضت آپ کا
شعار تھا۔ سلسلہ ہائے طریقت کی اشاعت و ترویج آپ کی زندگی کا مقصد تھا۔
اور شریعت محمدیہ و اتباع سنت کا آپ منظر اتم تھے۔

ملتان سے روانہ ہو کر مختلف ممالک میں تبلیغ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کرتے ہوئے پشاور پہنچے۔ پشاور کے مشرقی جانب گنج دروازہ کے باہر آپ نے
ایک جھونپڑی بنا کر باوالہی کی تعلیم شروع کر دی۔ جو کبھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا
حسب توفیق سلوک و معرفت کی تعلیم حاصل کرتا۔

ہندوستان میں آپ نے طریقہ نقشبندیہ کو خوب پھیلایا۔ اور جناب حضرت
شاہ عید الکریم رامپوری کو سند خلافت عطا فرمائی۔ ویسے تو اس سلسلہ میں آپ کے
بہت خلفاء تھے مگر حضرت شاہ عید الکریم رامپوری آپ کے خلیفہ اکبر تھے۔

۱۰ جناب حضرت سعد اللہ صاحب وزیر آبادی نے ۱۹ ذی الحجہ ۱۰۲۰ھ میں انتقال کیا۔

صوبہ سرحد، آزاد قبائل، افغانستان کا تمام علاقہ، ہرات، غزنی تک آپ سے
 سلسلہ عالیہ قادریہ پھیلا، اس تمام علاقہ میں آپ کا سلسلہ "قادریہ زاہد" کے نام سے
 مشہور ہے۔ آپ کے خلیفہ اکبر جناب حضرت حافظ محمد صدیق صاحب پشورنی
 تھے۔ آپ کے سلسلہ میں بڑے بڑے اکابر مشائخ گذرے ہیں جو کہ زاہد اور مجاہد
 بھی تھے۔ حضرت مجاہد جلیل و عظیم جناب انور صاحب صوات، حضرت مجاہد اعظم
 جناب خواجہ نجم الدین صاحب المعروف "ہڈہ ملا صاحب اور جناب مجاہد کبیر
 حضرت حاجی صاحب ترنگزنی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین آپ ہی کے سلسلہ کے بزرگین
 شیخ تھے۔

آپ کی تربیت روحانی بطریق اویسی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمائی
 تھی، اسی لئے آپ کے سلسلہ میں اویسی نسبت غالب ہے۔
 آپ مصدر کرامات تھے۔ پشاور شہر کا ہر فرد آپ کے فیوضات باطنی و ظاہری
 کا معترف ہے اور ہر وقت آپ کے مزار پر زائرین کا اثر و حام ہوتا ہے۔
 آپ کی وفات ۲۸ شوال ۱۱۹۸ھ میں بروز جمعہ ہوئی۔ آپ کا مزار گنج دروازہ
 کے باہر مرجع عوام و خواص ہے۔

حضرت حاجی اُمید اکبر شاہ صاحب بخاری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۶۶ھ تا ۱۳۲۷ھ

آپ کا اسم گرامی سید میر اکبر شاہ صاحب بخاری والد کا نام شریف سید میر خدیش شاہ صاحب بخاری تھا اور لقب "پیر بخاری" تھا۔ پشاور شہر کے محلہ ریتی میں سکونت پذیر تھے۔ پشاور کے علماء سے دینی تعلیم کی تکمیل کی۔ آپ بچپن ہی سے زہد و عبادت کی طرف مائل تھے۔ اسی فکر کے تحت آپ موہڑہ شریف (کوہ مری) حضرت خواجہ قاسم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپ کو سلسلہ نقشبندی میں داخل کیا۔ سلوک کی تکمیل کے بعد آپ کو خلافت سے نوازا۔ انھوں نے آپ کو صوفی نقشبندیہ سلسلہ کی اجازت ہی مرحمت نہیں فرمائی بلکہ دیگر نعتوں سلاسل یعنی چشتی سہروردی اور قادری سلسلہ کی بھی اجازت دے کر معتمد فرمایا۔ آپ نے پشاور شہر میں سلسلہ کی اشاعت و ترویج میں ہر ممکن کوشش کی۔ چونکہ آپ صاحب علم و عمل تھے اس لئے آپ کی صحبت بابرکت کا بڑا اثر تھا۔ آپ نے مشائخانہ طریقہ کو قائم کر کے حلقہ ذکر قائم کیا، اور نہایت ہی احسن طریقہ پر اس حلقہ کو تادم حیات قائم رکھا۔

آپ نہایت ہی محبت، پیار اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی مخلوق سے پیش آتے
 انتہائی سادہ وضع یا اخلاق اور اوصافِ حمیدہ کے مالک تھے۔ صاحبِ کرامات
 اور بابرکت تھے۔ ۱۱ رمضان المبارک کو ہمیشہ اپنے گھر پر حضرت اسد اللہ
 مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا عرس مبارک بڑے اہتمام سے
 منعقد کرتے۔ تمام رات ذکرِ الہی کے حلقے میں گزار دیتے۔ آپ پر اپنے شیخ کی
 خاص توجہ تھی، جس کی برکت سے آپ فتوحات، کشف اور کرامات کے دروازے
 کھل گئے تھے۔ آپ کے کشف و کرامات کے دو واقعات نقل کرتا ہوں۔
 جب آپ کا وصال ہونے لگا تو اس دن آپ نے فرمایا۔ کہ ”آج تقریباً
 ۹ بجے عشاء میری روح پرواز کر جائے گی۔ (چونکہ رمضان شریف کی ایک سو بیس
 رات تھی اور آپ ہمیشہ حضرت اسد اللہ الغالب مولائے کائنات علی المرتضیٰ
 کرم اللہ وجہہ الکریم کا عرس مبارک اسی رات کرتے تھے) لہذا میری وفات پر
 رونا نہیں بلکہ میرے وجود کو نیچے کرے میں رکھ دینا اور باقاعدہ ششم شریف پڑھنا
 عرس سے فارغ ہو کر میری فوتیگی کا اعلان کرنا۔ نیز فرمایا کہ ”میرا جنازہ پڑھنے
 کے لئے محمود بخود وہاں یعنی جنازہ گاہ میں ایک مولانا موجود ہوگا وہ میری نماز جنازہ
 کی امامت کرائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب جنازہ پڑھنے کے لئے چار پائی
 رکھی گئی تو ایک بزرگ صورت مولانا صاحب بغل میں جاتے نماز لیتے ہوئے

۱۔ بروایت خلیفہ کالاخان۔ یہ صاحبِ آپ کے خلیفہ ہیں اور اس وقت جنازہ پڑھ رہے ہیں۔ ان

کی عمر ۸۰ برس کے قریب ہوگی۔

آموچو ہوئے اور جو خلیفہ اور پتہ آپ نے بتایا تھا یہ وہی صاحب تھے انہوں نے
نماز جنازہ پڑھاوی۔

یہی خلیفہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ”ایک ہندو کی چوری ہو گئی اور اس کا
کافی مال چوری ہو گیا تھا۔ آپ اپنے گھر کے اندر تشریف فرما تھے اور میں بھی خدمت
میں حاضر تھا۔ آپ نے مجھے فرمایا۔ ”خلیفہ دروازہ پر ایک ہندو کھڑا ہے اس
کو اندر بلا لاؤ۔“ جب میں دروازہ پر گیا تو واقعی ایک ہندو کھڑا تھا۔ میں نے
اُس کو آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اُس نے اپنی چوری کا ذکر کیا اور طالب
وہا ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ ”گھبراؤ نہیں تمہارا مال تمہیں جائے گا۔“ وہ چلا گیا۔
چار دن کے بعد وہ ہندو مٹھانی وغیرہ لے کے حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ میرا مال
آپ کی دعا اور برکت سے برآمد ہو گیا ہے اور یہ شیرینی حاضر ہے آپ نے فرمایا
”یہ شیرینی واپس لے جاؤ اور اپنے بھائی بندوں میں تقسیم کر دو۔“
آپ کی وفات ۲۱ رمضان ۱۹۲۶ء میں ہوئی۔

آپ کے دو فرزند تھے سید یعقوب شاہ صاحب بخاری اور سید فرمان شاہ
صاحب، ہر دو حضرات صاحب سلسلہ تھے اور والد صاحب کی طرح ذکر و فکر
میں مشغول رہے۔ سید یعقوب شاہ صاحب بخاری ۱۹۳۱ء میں فوت ہوئے۔
آپ کے پانچ فرزند ہیں۔ سید محسن شاہ صاحب ٹھیکیداری کا کام کرتے ہیں۔
سید بھول باو شاہ صاحب پاکستان کے بڑے تاجروں سے ایک تاجر ہیں اور
پاکستان کی ایوان ہائے تجارت کی انجمن کے صدر ہیں۔ سید الحاج تاج میر شاہ صاحب
اور سید جماعت علی شاہ صاحب بھی لوہے کی تجارت کرتے ہیں۔ جناب الحاج

سید ظفر علی شاہ صاحب اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر مذہبی اور قومی "قابلِ قدر" خدمات سمرانجام دے رہے ہیں۔ ۱۹۵۲ء میں آپ نے پشاور شہر میں ایک مذہبی ادارہ "ادارہ تبلیغ الاسلام" کے نام سے تشکیل دیا۔ اس ادارہ کے زیرِ اہتمام محرم شریف کے دس دن اور ربیع الاول شریف کے بارہ دن معرکہ الآراتاریخی اجتماعات کا انعقاد ہوتا ہے۔ ان جلسوں میں پاکستان بھر کے جید اور چھوٹی طے کے علماء کرام شریفیہ لاکر قوم کو خطاب کرتے ہیں۔ یہ اجتماعات اپنی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی یاکرت اور سعادت کے حامل ہوتے ہیں۔ آپ اس ادارہ کے صدر ہیں۔

۱۹۶۲ء میں پشاور شہر کے مقتدر اصحاب نے مل کر "ادارہ اصلاح معاش" بنایا جس کا مقصد جاہلی رسم و رواج اور بدعات کے خلاف عملی کام کرنا تھا۔ اس ادارہ کا صدر بھی آپ کو منتخب کیا گیا۔

مسلم لیگ کی تحریک آزادی میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور عملی طور پر لیگی سیاست میں نمایاں کارکردگی سمرانجام دی۔

۱۹۶۰ء میں آپ نے حرمین الشریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے اس وقت آپ کی عمر ۳۷ برس ہوگی۔

مذکورہ

علماء و مشائخ سمرقند

جلد اول

فقیر محمد امیر شاہ قادیانی

(سجادہ نشین) یگتوت پشاور

عظیم پیشنگ ہاؤس چیمبر بازار پشاور